

عسکر کے قیدی

خداوند



تحریک ختم نبوت 1953ء کی یاد میں لکھا گیا عظیم تاریخی ناول

عشق کے قیدی

ظفر جی کے قلم سے

اس کہانی کا آغاز پنجاب پبلک لائبریری سے ہوا۔

میں یہاں کچھ کتابوں کی تلاش میں آیا تھا۔ ان دنوں میں ایک تھیسس کی تیاری میں تھا۔ میرے پاس صرف دو ماہ کا وقت تھا۔ میں سارا دن کتابوں کی ایک طویل لسٹ ہاتھ میں تھا۔ لائبریریوں کی خاک چھان۔ کبھی تو سارا دن بیٹھا اور شادی کوئی کتاب ہاتھ آتی۔ کبھی کوئی معرکۃ الاراء کتاب مل جاتی تو وہیں بیٹھے بیٹھے نوٹس بنانے لگتا۔

سردیاں شروع ہو رہی تھیں۔ اور میرے پاس وقت بہت کم تھا۔

ایک دن یومی کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا کہ کندھے پر ایک شفقت بھرے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔

مڑ کر دیکھا تو ایک بابا جی تھے۔ ساتھ ستر برس کا سن، آنکھوں پر مونے بھرے سونے کا چشمہ، سر پر جٹا کیپ، سفید کرتا پا جامہ اور چہرے پر ایک دلربا مسکراہٹ۔

"جی فرمائیے" میں نے کتاب بند کر کے ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کہاؤ ہر ہے کیا؟"

"کچھ تاریخی شتب !!!" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اسٹوڈنٹ ہو؟؟"

"جی... بس یہی سمجھ لیجئے !!"

"میرا نام آفتاب چاند پوری ہے.... میں یہاں پاس ہی رہتا ہوں" انہوں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی میں ظفر...." میں نے مختصر تعارف کرایا۔

مطالعے کا کافی شغف رکھتے ہیں آپ"

"جی.... بس ایک تھیسس کی تیاری ہے.... دعا کریں کامیاب ہو جاؤں"

"اچھا.... ماشاء اللہ.... کیا تھیسس ہے؟"

"ریاست اور مذہب" ...

"عنوان تو کافی دلچسپ ہے...." وہ میرے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔ "مذہب انسان کے اخلاقی حقوق کا بنیادی ضامن ہے.... اسے نکال

دیں تو ایک جاہل ریاست ہی بنتی ہے.... جسے اپنے حقوق سے ہی سروکار ہوتا ہے"

"لاجواب.... لیکن میری تحقیقات خصوصاً اس موضوع پر ہے کہ کیا ایک ریاست کسی گروہ کو کافر قرار دینے کا اختیار رکھتی ہے یا نہیں؟"

میں نے کہا۔

"اچھا... تو اب تک کیا نتیجہ اخذ کیا؟؟"

"میرا گمان تو یہی ہے کہ ریاست کو عوام کے مذہب سے زیادہ اس کی ویلفیئر کی فکر ہونی چاہئے... میں مذہب کو کسی حد تک انسان کا ذاتی مسئلہ سمجھتا ہوں"

"بالکل ٹھیک... لیکن ایسی ریاست کو سیکولر ریاست کہا جاتا ہے... اسلامی ریاست میں مذہب ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے"

"لیکن فی الوقت پاکستان ایک اسلامی ریاست تو نہیں ہے... یہاں ہر مذہب... مسلک..."

"ظہر بے ظہر ہے... انہوں نے ہر سکون لہجہ میں کہا۔" پاکستان ایک اسلامی ریاست نہ سہی... ایک مسلم ریاست تو ہے۔ یہاں 97 فیصد مسلمان بستے ہیں... اور تین فیصد غیر مسلم... آپ کا کیا خیال ہے کہ لا الہ الا اللہ کے نام پر بننے والے ملک میں مذہب کو ایک بنیادی حیثیت دے دی جائے"

"میں مذہب کی ریاستی امور میں مداخلت کی بات کر رہا ہوں... خاص طور پر جب کسی ایسے گروہ کو کافر قرار دینے کا مسئلہ درپیش ہو جو تمام شرعی وجوہ ادا کرتا ہو... کفر کے فتوے ہندو مذہب کا پرانا طرہ ہے... ریاست کو اس میں کودنے کی کیا ضرورت ہے؟؟"

"کو دنا پڑتا ہے بھائی... دیکھو... مارکیٹ میں کوئی جعلی مشروب بیچنے یا آپ زمرزم کا ٹکٹ لگا کر مسٹر صحت پانی بیچنے لگے... عوام بھار ہونے لگیں... تو کیا ریاست اسے ڈاکٹروں کا مسئلہ قرار دیکر لا تعلق ہو جائے گی؟؟"

"ہم صحت پر نہیں... مذہب پر بات کر رہے ہیں" میں نے ٹوکا۔

"پانی کدوا ہو جائے تو صحت برہنہ ہوتی ہے... اور مذہب آلودہ ہو جائے تو معاشرہ"

ہمارے بچے کی روز تک گفتگو چلتی رہی۔ ان کے سمجھانے کا انداز نہایت دھیمہ اور دلچسپ تھا۔ میں روز لا بیرری آتا۔ لیکن کتابوں سے زیادہ چاند پوری کو بھٹاتا۔ وہ اپنے ادوار کے صحافی تھے۔ انہوں نے مولانا ظفر علی خان، مولانا اختر علی خان، شورش کاشمیری اور غلام مرتضیٰ میکیش کا دور دیکھا تھا۔ جب صحافت ایک عبادت ہو آرتی تھی۔ چند دنوں کی گفتگو میں اس بزرگ قوت نے ہر جگہ کے کچھ ایسے باب داد کئے کہ میرے تخیل پر جیلا دینیّت کی میل اترنے لگی۔

ایک روز میں صبح صبح لا بیرری پہنچا تو وہاں چکن شیر دانی پہنے۔ میز پر تھامے دو دانے پر کھڑے تھے۔

"خیریت؟ لا بیرری بند ہے کیا؟؟"

"نہیں... آج فیلڈ ورک پر چلتے ہیں" !!!

"فیلڈ ورک؟؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"آج 16 دسمبر ہے... آج ایک ایسی جگہ چلتے ہیں جہاں ہر جگہ گمشدہ خزانہ دفن ہے... وہاں آپ کے تمام سوالات کا شافی جواب مل

جائے گا.... اور آپ کا تھیسر ایسے ایسے تیار ہو جائے گا...." انہوں نے ہنسی بجاتے ہوئے کہا۔

"واقعی؟ کہاں ہے یہ خزانہ؟؟"

"سوچی گیٹ سر کھر روڈ پر!!"

"سوچی گیٹ؟ وہاں تو کوئی لاہریری نہیں...."

"لاہریری سے صرف علم ملتا ہے.... اور فیلڈ ورک سے تجربہ!!!"

ہم نے ایک رکشہ کرائے پر کیا اور لاہوری کی پر جھوم گلیوں سے گزرتے ہوئے نسبت روڈ کی طرف چل دیے۔ کوئی نصف گھنٹہ کے بعد انہوں نے رکشہ روک دیا۔ اور نیچے اترتے ہوئے بولے:

"اتر یہ جناب.... منزل آگئی"

میں کاپی سے سنبل سنبھال کر رکشے سے اتر اور حیرت سے ابوہر ابوہر دیکھنے لگا۔

یہاں ایک پرانی محووش عمارت کے سوا کچھ نہ تھا۔

"استاد یہ کہاں لے آئے؟ آہیر قہر میرا سبکیٹ نہیں ہے"

"اس آہیر قہر میں ہر رخ کے بے شمار انقلابات پوشیدہ ہیں.... یہی وہ تاریخی عمارت ہے جہاں بابائے قوم نے 22 مارچ 1940ء کو

اپنے رفقاء کار کے ساتھ بیٹھ کر ایک آزاد اسلامی مملکت کے خدوخال تراشے تھے"

"لیکن اس کا میرے تھیسر سے کیا تعلق؟؟" میں نے پریشانی سے کہا۔

"اندر تشریف لائیے.... تمام سوالات کا جواب مل جائے گا"

ہم عمارت کا آہنی گیٹ کھول کر محن میں داخل ہو گئے۔ یہاں قبرستان جیسی خاموشی تھی، ہوا چلتی تو فرش پہ پڑے پتے ابوہر ابوہر بکھرنے لگتے۔ اچانک ہی بھوں بھوں کرتی ایک بھڑکنیں سے نمودار ہوئی اور میرے چہرے کا طواف کرنے لگی۔ میں اندھا حند ہاتھ مار کر اس جلا سے جان چھڑانے لگا۔

"کچھ نہیں کہتی.... بس شناخت چاہ رہی ہے.... سیکورٹی گارڈ ہے" چاند پوری مسکراتے ہوئے بولے۔

عمارت کے خدوخال کسی بھوت دھندے سے کم نہ تھے۔ امتداد زمانہ نے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ عمارتی رنگ دور و غن پہ پکڑ چکا تھا، لکڑی کے پرانے دروازوں اور کھڑکیوں میں دیرینہ رچ بس چکی تھی۔ اس پاس کی فلک یوں عمارتیں اس قدیم تعمیر کو ایسے گھور رہی تھیں جیسے دانشوروں کی بھیڑ میں کوئی ساواہ لوح مولوی آن پھنسا ہو۔

"دیکھئے قبلہ.... آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں...." میں نے جان چھڑانے کی کوشش کی۔

"آپ کا وقت قیمتی ہے گا.... کتابی کیزا بننے سے تمہوڑا فیملی ورک کر لینا بہتر ہے"

اس دور ان اچانک موسم خراب ہونے لگا۔ آندھی اتنی شدید تھی کہ سانس لینا دشوار ہو گیا۔ میں ایک دیوار کا سہارا لیکر طوفان سے بچنے کی کوشش کرنے لگا.... دھول، مٹی گرد وغبار سے آنکھیں اٹ گئیں۔ تیز ہوا میں کہیں سے اڑتا ہوا ایک اخبار میرے چہرے پر آکر چپک گیا۔

"روزنامہ زمیندار لاہور.... 13 جولائی 1952ء"

کافی دیر بعد جا کر طوفان تھا۔

میں نے اخبار چہرے سے ہٹایا تو دھول مٹی جڑھ چکی تھی اور میں براہے کی دیوار سے ٹپک لگائے بیٹھا تھا۔

میرے حواس آہستہ آہستہ بحال ہونے لگے.... آنکھیں ملنے ہوئے میں نے پھر پھر نگاہ درائی....

میرے چہرے سو دنیا ہی بدل چکی تھی.... یوں لگ رہا تھا کہ آندھی مجھے اڑا کر کسی اور سی دیس لے آئی ہے.... پھر محسوس ہوا کہ مکاں تو وہی ہے.... شاید زمان بدل چکا ہے !!!

"برکت علی اسلام یہ حال" میں نے عمارت کے باہر پر کٹھ و عمارت چڑھنے کی کوشش کی۔

عمارت کا بائگین بھی بدل چکا تھا.... اس کی شبن و شوکت رونق بحال ہو چکی تھی.... اک جپ سی چہل چل کا احساس ہو رہا تھا.... فضاء

میں مولویانہ عطر پھیلنے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی....

پھر مجھے سفید اچلے لباس، سیاہ ریش دراز اور دید و زیب شملوں میں ملبوس کچھ نورانی پیکر نظر آئے.... شستہ اردو میں ہونے والی غیر مبہم

"گنگوستانی دینے گی.... دہلی دہلی ہنسی کی خوش کن آواز.... اسلام علیکم.... سبحان اللہ.... ماشاء اللہ.... کی صدا گئی !!! ...

میں آہستہ آہستہ کپڑے جھانک رہا تھا کھڑا ہوا.... اور براہے کی دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک ایک نوجوان مولوی، جس نے انگریزی کوٹ، اور جناح کیپ پہن رکھی تھی میری طرف دوڑا چلا آیا۔

"آپ پھر ہیں؟.... ہم پچھواڑے میں تلاش کر رہے ہیں" !!!

میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن پھپ رہا۔

"یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مت دیکھئے.... چاند پوری۔ روزنامہ افلاک لاہور.... !!!" انہوں نے ہاتھ برساتے ہوئے کہا۔

"چاند پوری....؟؟؟؟؟" میں نے بمشکل کہا۔

"سب بتا دوں گا.... میرے ساتھ تشریف لائیے.... اخباری نمائندگان اس طرف کھڑے ہیں" !!!

"یہ سب کیا ہے؟ ہم کہاں ہیں؟؟؟"

"بس تھوڑا پورس گئیر لگایا ہے.... اور کچھ نہیں!!!" وہ مجھے کھینچتے ہوئے بولے۔

"ریورس گئیر؟؟؟؟"

"تسے ساٹو" سے گزر کے تھوڑا پیچھے آگئے ہیں یاد.... ثنات رہو" !!!

"تسے ساٹو؟ کون سا تسے ساٹو؟؟"

"ایک سوئی جتنا سوراخ.... جو ہڈی سے آرہا ہے"

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا!!!!.... یہاں ہو گیا رہا ہے؟؟"

"آل پاکستان علماء کونفرنس 13 جولائی.... 1952.... ہرج و مرج کا حادثہ رونے کے لئے"

"انٹیس موہون؟؟"

"اچھا تم نہیں رکھو.... میں ابھی آیا.... تسے ساٹو سے گزر کر مجھے زور کی جھوک لگتی ہے"

چاند پوری مجھے ایک جگہ کھڑا کر کے جانے کہاں نکل گئے۔ میں ایک ہڈی پر سر رکھا ہوا ہواؤں کے قریب ہو گیا.... ایک عجیب سا خوف مجھے دامن گیر تھا۔

یہاں کچھ اور لوگ بھی کھڑے تھے۔ ایک بوجھل عمر بزرگ۔ گلے میں کوئی لائٹن فمہ چیز لٹکائے میرے قریب آئے۔

"مر تقی میٹش.... روزنامہ آزاد.... آپ کا تعارف؟؟" انہوں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"کلف فر.... ظفر...." میں نے بھٹک کر کہا۔

"آپ اتنے بڑبڑکیوں ہیں؟.... کس روزنامے سے ہیں؟؟"

"روزنامہ؟.... ہاں.... روز.... نامہ.... اسلام" میں نے جب سے ٹوپی نکال کر سر پر اوڑھ لی۔

"روزنامہ اسلام؟؟.... کہاں سے چھپتا ہے؟؟"

"میرا خیال ہے.... کراچی سے...." میں نے قدرے بے اعتمادی سے کہا۔

"سر کو لیشن کیا ہے میاں؟؟" وہ چشمے سے جھانکتے ہوئے بولے۔

"یہ.... لائٹن کیوں لٹکار رکھی ہے گلے میں؟" میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

بزرگ نے پہلے مجھے حیرت سے گھورا پھر زور کا قبضہ لگایا:

"لائسن نہیں بر خوردار.... کیمرہ ہے... کوڈک براؤنی سکس ٹوٹی.... ہانکل نیا ہے.... فورٹی سکس ماڈل" !!!
 "فورٹی سکس ماڈل..... اچھا ہے" میں نے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکیزے اور ساتھ ہی بے خیالی میں جیب میں رکھے موبائل کو
 ٹھونکنے لگا۔

اتنے میں چاند پوری آگئے۔ ان کے ہاتھ میں دو عدد موسے تھے۔

"ایک ابھی کھا لیجئے.... دو مرا کٹو۔ مشن کے بعد.... سسے ساٹو کی بھوک قسم جائے گی" !!

"مجھے بھوک نہیں.... مجھے.... واہس جانا ہے.... میرا تھیس" !! ...

"ہم واہس جائیں گے.... لیکن فیلڈ ورک کے بعد" !!! ...

"نہ کریں.... میرا مستقبل تباہ ہو جائے گا"

"آہستہ آہستہ.... لوگ کھڑے ہیں! ادیکھو ایک دم شانت رہو.... سسے ساٹو کے اس پار صرف تین مشن گزریں گے.... اور ادھر تین
 سال" !!!

"لیکن ہم یہاں آئے کس لئے ہیں؟؟"

"تحریک ختم ہوتے کا مطالعہ کرنے کے لئے.... پشیم خود" !!!

اتنی دیر میں کچھ مزید لوگ معین میں داخل ہونے لگے۔

"میرے ساتھ آجیئے.... طائے کرام کی تشریف آوری شروع ہو چکی"

ہم دونوں کٹو۔ مشن حال کے آہنی گیٹ کی طرف بڑھے....

"وہ رہے ابوالحسنات.... اس کٹو۔ مشن کے میزبان !!!" انہوں نے ایک عمر رسیدہ بزرگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ابوالحسنات؟؟...." میں زیر لب بڑبڑایا۔

"ابوالحسنات سید محمد احمد قادری.... مسجد وزیر خان لاہور کے خطیب ہیں.... ان کے ساتھ اونچے شیلے والا جو خوبصورت لوجوان کھڑا
 ہے.... پہچانا؟؟"

"نہیں" !!!

"شوئے بنا صفر ناچ ہے تمہارا... مولانا عبد الستار نیازی ہیں بھی.... ممبر پنجاب اسمبلی" !!!

"اوہ.... ہاں.... مجھے یاد آگیا" میں نے کہا۔

کچھ ہی دیر میں، میں واقعی شانت ہو گیا اور ماحول آسناہ ہونے لگا۔ مجھے یہ سب کچھ اب بھلا محسوس ہو رہا تھا۔

اسی دوران علماء و مشائخ کی آمد شروع ہو گئی۔ چاند پوری برابر تحریف کر لیتے جا رہے تھے۔

سب سے پہلے جمیعت علمائے پاکستان کے مولانا عبدالغلام بدایونی، مولانا غلام محمد ترغتم، اور حافظ غلام حسین تشریف لائے۔ اس کے بعد جمیعت المحدثین کے مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عطاء اللہ صلیب کی آمد ہوئی۔ سفید تہہ پہنے جمیعت علمائے اسلام کے 62 سالہ بزرگ مولانا احمد علی لاہوری عصا دیکھتے ہوئے سگے سے اترے اور میزبانوں سے بے تکلیف ہوئے۔ ان کے ہمراہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھے۔ اس کے بعد جماعت اسلامی کے مروجہ میاں طفیل محمد، جناب امین احسن اصلاحی اور نصر اللہ خان عزیز تشریف لائے۔ جٹاں کیپ اور شیر دانی میں ملبوس ایک کلین شیونوجوان کی آمد ہوئی تو چاند پوری نے بتایا کہ سید مظفر علی قسسی ہیں.... مجلس تحفظ حنفی شیعہ پاکستان کے صدر۔

اس کے بعد مجلس احرار کے لال حسین اختر اور مولانا محمد علی جالندھری تشریف لائے۔

پھر یکایک شورا اٹھا.... "بابو جی آگئے.... بابو جی آگئے"

ابوالحسنات اور عبدالستار نیازی استقبال کو دوڑے.... مجمع میں ایک جوش اور دلول پیدا ہونے لگا....

ایک صوفی بزرگ کی آمد ہوئی... کھلتا ہوا گورنگ، کانوں کی ٹوہں تک آتی ہوئی ٹکنگ ریال زلفیں، سلیقہ سے بنی ہوئی سلید داڑھی، چشمے سے جھانکتی ذہین، چمکدار اور خوبصورت آنکھیں۔

"یہ بابو جی کون ہیں؟؟"

"جی مہر علی شاہ صاحب کے فرزند ہیں.... سبحان اللہ!!! صوفی باپ نے جس مشن کا جج لایا تھا اب بابو جی اس کے ہتوار درست کرنے آئے ہیں.... صاحبزادہ غلام علی الدین گولڑوی!!!"

اس دوران ہال کا مرکزی دروازہ کھل گیا۔ اور اکابرین ائمہ تشریف لے جانے لگے۔

چاند پوری میرا ہاتھ پکڑ کر ہال کی طرف کھینچتے ہوئے بولے:

"دیکھو اس نگارے کو.... مدتوں بعد انت ایک پلیٹ غلام پر جمع ہو رہی ہے.... ملت کی کشتی کو ایک بار پھر طوفان قلابیت کا سامنا

ہے.... ایک ٹی چند و چند کا آغاز ہو رہا ہے.... جالندھری قریبوں.... دہلی دور میں.... اور استقامت کی ایک نئی تاریخ رقم ہونے والی ہے

.... اور ہم اس تاریخ کے معنی شائع بننے چاہے ہیں"!!!!

کچھ ہی دیر میں ہال کچھا کچھ بھر چکا تھا۔

چاند پوری مجھے ایک کونے میں دھکیل کر ایک بار پھر کہیں گم ہو چکے تھے۔

"اختر علی خان... روزنامہ زمیندار... کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟؟" ایک نوجوان میرے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"جی جی... جی جی... ضرور..." میں اپنی کرسی پر بیٹھا بیٹھا سکو گیا۔

"نوازش... کس روزنامے سے ہیں آپ...؟؟" انہوں نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"جی میں وہ... دراصل... جی... چاند پوری... میں بھلا یا۔"

"چاند پوری؟؟ ماشاء اللہ کہاں سے چھپتا ہے؟؟"

"ہر پانچ منٹ بعد ٹھہر جاتا ہے... دور ہے... وہ تیسری قطار میں... وہ جن کے ہاتھ میں سوسہ ہے... میں ان کے ساتھ ہوں

!!!"

"اچھا... اچھا... ماشاء اللہ!!!" وہ چشمہ درست کرتے ہوئے بولے۔

میں کچھ دیر کن اکھیوں سے ان صاحب کو ٹوٹا ہوا پھر بہت قہقہہ کر کے بولا:

"روزنامہ زمیندار وہی ہے ناں... جسے مولانا ظفر علی خان چلاتے ہیں؟؟"

"جی وہ میرے والد محترم ہیں... ضلع جیری غالب ہو چکا... اب میں چلا رہا ہوں اخبار"

میں چونک کر ظفر اہلالت والدین کے سہوت کو حیرت و حقیقت سے دیکھنے لگا...

اسی دور ان ہال میں ایک انتہائی رعب دار شخصیت داخل ہوئی۔ مولانا اختر علی خان احقر لانا کھڑے ہوئے۔ میں بھی دیکھا دیکھی کھڑا ہوا

گیا۔

"امیر شریعت آئے ہیں!!! انہوں نے سرگوشی کی۔

"اوہ... سبحان اللہ" میرے مونہ سے نکلا۔

امیر شریعت کا ذکر میں نے کی کتابوں میں پڑھا تھا... اور علماء کی تقریروں میں بھی سنا تھا... آج چشم تنہیل سے پہلی بار زیارت نصیب ہو

رہی تھی... چہرہ بہار، زلفیہ خمدار، نگاہوں میں عشق رسول ﷺ کا غدار، ہر حال کے باوجود شخصیت میں ایک عزم... ایک وقار

!!!

لوگ احقر لانا کھڑے ہونے لگے۔

"ساتھ کون حضرات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ماستر حاج الدین.... شیخ حسام الدین.... اور صاحبزادہ فیض الحسن صاحبہ"

امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری کو اسٹیج کے سامنے پہلی قطار کی کرسیوں میں جگہ دی گئی۔ وہ مختصر لگے تو ایک بزرگ نے ان کے کان میں آکر کچھ سرگوشی کی۔

شاہ صاحب دوبارہ اٹھے اور اپنے دائیں جانب تشریف فرما باہمی رن کے پاؤں کی طرف دونوں ہاتھ برسلا دیے۔ باہمی نے دونوں ہاتھ تمام لئے اور گلے سے لگا لیا۔ امیر شریعت نے جی صاحب کا ماتھا چومو اور شعر پڑھا:

کتنے مہر ملی کتنے تیری شاد

گستاخ اکھیاں متھے جالیاں

کچھ دیر بعد ایک خوش الحان قاری نے تلاوت کلام پاک سے ماحول کو منسلک کیا۔ پھر مولانا عبدالستار نیازی صاحب المسیح نے تشریف لائے...

یا مصطفیٰ، خیر الوری، تیرے جیسا کوئی نہیں

کیوں کہواں تیرے جیہا، تیرے جیہا کوئی نہیں

تیرے جیہا سوہتا نمی، لبھان تے ہیں ہے ہووے کوئی

میںوں ہاں ہے ایماں ہما۔ قمرے جیہا کوئی نہیں

اس کے بعد صاحبزادہ گولرا شریف اسٹیج پر تشریف لائے اور فرمایا:

[illegible]

---- میں سب کو معاف کرتا ہوں اور سب سے معافی کا طالب ہوں۔۔۔۔۔ وہ لوگوں نے مجھے عالم و بین مولا نا غلام اللہ خان سے ہماری

خاصیت کسی سے اعلیٰ سمجھی نہیں۔۔۔۔۔ ان کے نور ہمارے لٹکے ہوئے شہرِ اختلاف ہے لیکن حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عظم

نبوت کے صدقے میں مولانا غلام اللہ خاں کے جوتے بھی اٹھانے کو تیار ہوں۔۔۔۔۔

پیر صاحب نے ایک ہی عاجزانہ پھونک سے فرق وادیت کی دو آگ بھڑائی جس میں ربیع صدی ہے ہندوستان کا مسلمان جل رہا تھا۔

یورہال سبھان اللہ ماشاء اللہ کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

”مسئلہ، شمعِ نبوت کی برکات کا ظہور ہو چکا....“ مولانا خضر علی خان پول وٹھے۔ ”صدیوں بعد اختلاف کی برف پھسل سے بھائی....“

1935ء میں مسٹر شہید متحج مودمنت کے لئے بھی اس طرح کا اتحاد چلا کر بوسا تھا.... شاید آپ کو یاد ہو؟"

”جی میں تمہارا بعد میں پیدا ہوا تھا.... ولایت آج کا اجتماع واقعی روضہ نور سے ”میں نے سناؤ گی سے جواب دیا۔

اس کے بعد تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ تمام مکتبہ فکر کے علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے کھل کر عقیدہ ختم نبوت کا دفاع کیا۔ اور مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کے ہر پورے کھیر دیے۔ مقررین اس نکتہ پر متفق تھے کہ ملک میں مرزائیت کا کوئی نکتہ نہیں چلنے دیا جائے۔ حکومت آئین میں مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیکر سر قمرانہ کو ذریت خارجہ کے قلمدان سے درخواست کرے۔ کیونکہ انہوں نے قائد اعظم کا جنازہ دیکھنے سے انکار کر دیا تھا کہ ایک "مسلمان" کسی کافر کا جنازہ کیسے دیکھ سکتا ہے۔

تقاریر جاری تھیں کہ مجھے خیر نے آیا۔ میں کرسی سے ایک لگائے ہوئے گھٹنے لگا۔ جانے میں کتنی دیر سوید ہا۔ چانک ایک بھاری بھر کم آواز نے مجھے جگا دیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہال میں زلزلہ آ گیا ہو:

"میں میاں محمد یونس کے سوا کسی کا نہیں۔۔۔۔۔ نہ اپنا نہ آیا۔۔۔۔۔ میں انہیں کا ہوں۔۔۔۔۔ ہی میرے ہیں۔۔۔۔۔ جن کے حسن و جمال کو خود پر کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا۔۔۔۔۔ میں ان کے حسن و جمال پر نہ مرثیوں تو لکھتا ہے مجھ پر۔۔۔۔۔ اور لعنت ہے ان پر جو ان کا نام تو لیتے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن سارے قوس کی خیر و خوشی کا تماشا بھی دیکھتے ہیں۔۔۔۔۔ جو ہم نہاد مسلمان نبوت کے اداکاروں سے حسن سلوک اور رواداری کے قائل ہیں۔۔۔۔۔ حرمین نصیب روز عشر شفق انت میاں محمد یونس کے سامنے کیا سونہ لے کر جاؤ گے۔۔۔۔۔ جو میاں محمد یونس کا نہیں وہ اس قابل نہیں کہ اسے سونہ بھی دیا جائے"!!!!۔۔۔۔۔

پوری محفل دم بخود ہو کر امیر شریعت رح کا خطاب سن رہی تھی:-

"مسلم لیگ والو!!!!۔۔۔۔۔ تم ناموس رسالت کا تحفظ کرو۔۔۔۔۔ میں تمہارے کٹے بھی پالنے کو تیار ہوں۔۔۔۔۔ میں تمہارے سارے چرانے کو تیار ہوں۔۔۔۔۔ میں پوچھتا ہوں پاکستان کس نے بنایا؟؟۔۔۔۔۔ مسلم لیگ نے یا جماعت احمدیہ نے؟؟۔۔۔۔۔ مرزا اشیر الدین اور سر ظفر اللہ کا پاکستان سے کیا تعلق ہے؟؟۔۔۔۔۔ یہ ڈم پریدہ سگاں برطانیہ۔۔۔۔۔ اب پاکستان میں دن دن نالتے پھر رہے ہیں۔۔۔۔۔ میں پوچھتا ہوں کیوں؟؟۔۔۔۔۔ ہم ان کی یہ خدائوں سر کر میاں پر گزبرداشت نہیں کریں گے۔۔۔۔۔ اور پاکستان کو مرزائی اسٹیٹ نہیں بننے دیں گے"!!۔۔۔۔۔

کنونشن کے بعد علمائے کرام ہال سے نکلے تو اخباری نمائندوں نے گھیر لیا۔

"ہم نے ایک مشترکہ مجلس عمل تشکیل دے دی ہے۔۔۔۔۔ جو مسئلہ قادیانیت پر عوامی بیداری کے ساتھ ساتھ حکومت سے اس مسئلہ پر نہ اکر ات بھی کرے گی" ابو الحسنات نے کہا۔

"حکومت کے سامنے آپ کیا مطالبات رکھیں گے" ایک رپورٹر نے دریافت کیا۔

"ہم نے چار مطالبات حکومت کے سامنے رکھے ہیں۔۔۔۔۔

قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔۔۔۔۔

مر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہر طرف کیا جائے....

تمام قادیانیوں کو کلیدی پوسٹوں سے ہٹایا جائے....

اور ریوہ شہر کو عام مسلمانوں کے لئے کھول دیا جائے....

"مطالبات منظور نہ ہونے کی صورت میں مجلس کی حکمت عملی کیا ہوگی؟"

"ہم ایک پرامن تحریک چلائیں گے.... اور ہم یہ امید ہیں کہ حکومت مسئلے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ہمارے مطالبات پر ضرور غور

کرسے گی.... یہ صرف ایک مذہبی مسئلہ نہیں.... بلکہ یہ ایک سیاسی اور معاشرتی مسئلہ بھی ہے"....

"کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ تحریک کامیاب ہوگی؟؟"

"دیکھئے.... ساڑھے تیرہ سو سال میں بے شمار کذاب مدعا خان فیوت آئے.... اور آج دنیا ان کے نام سے بھی واقف نہیں.... حکومت

میں پیٹنے سیاسی حکیم اور دانشور بھلے مزاحمت کے جاں بلب گھوڑے کی مالش کرتے رہیں.... ہمیں یقین ہے کہ سواری اور فہم سوار ایک

دن ضرور مونہہ کے بل کریں گے.... ہم تو اس جدوجہد میں بس اپنی قومیت کے متکا ش ہیں"....

چاند پوری کا پلہ سنسل سنبالے لوٹس لے رہے تھے.... اور میں شوق مصطفیٰ ﷺ میں کندھی صورتوں کو دیکھ رہا تھا کہ دیکھنا جن کا کسی

ثواب سے کم نہ تھا....

18 مئی ---- 1952ء ---- جہانگیر پارک کراچی

چاند پوری ایک درخت سے ٹپک لگائے جان چہا رہے تھے اور میں گھاس پر بیٹھا کھیاں بد رہا تھا۔

رات ہی ہم ترین کاسٹر کر کے کراچی پہنچے تھے۔

عصر کا وقت تھا اور ہم جہانگیر پارک کی گھنٹی چھاؤں میں بیٹھے تھے۔

ہر پانچ منٹ بعد اسٹیکر سے "ایلا ایلا ایلا تاک نیسٹنگ" کی آواز آتی.... چاند پوری ہم آواز آتے کھینٹے کھولتے پھر درخت کی جڑ میں ایک پچکاری

مار کر کہتے "اند میر عمری ہے بھی.... اند میر عمری !!!"

جہانگیر پارک میں قادیانیوں کا سالانہ جلسہ تھا۔ شہر بھر میں جلسے کے اشتہارات لگائے گئے تھے جن پر آویزاں ظفر اللہ خان کی قد آدم

تصاویر قوم کا مونہہ چوہا رہی تھی۔ سودی بنتے قس و زرا عظم نے سرکاری دوزر امور ملازمین کی مذہبی جلسوں میں شرکت پر پابندی لگائی

تھی۔

میں نے ایک باکرے سے اخبار خریدا اور گھاس پر لیٹ کر پڑھنے لگا۔

"لو جناب.... خوش ہو جائیے.... وزیر خارجہ نہیں آ رہے آج کے جلسے میں"

"کیوں؟؟؟ فوت ہو گئے کیا؟؟؟" چاند پوری جی اری ہے بولے۔

"نہیں..... وزیراعظم نے فون کر کے انہیں کراچی جلسے میں شرکت سے منع کر دیا ہے.... یہ دیکھ کر روزنامہ فرماں"

انہوں نے بے دلی سے اخبار دیکھا اور کہا:

"اس فرمان شامی کی مندرجہ چوہا ہے پھونکے گی.... انشاء اللہ" !!!

"کیا مطلب؟؟؟"

"مطلب یہ کہ سر غفر اللہ فکے کی موت پر آپ کے"

"وزیراعظم کے منع کرنے کے باوجود؟؟؟"

"وزیراعظم کو پتا کون ہے بھائی؟؟ وزیر خارجہ جھینکتے بھی خلیفہ کی مرضی سے ہیں"

"خلیفہ کون؟؟؟"

"خلیفۃ القادیان فی ربوہ شریف.... کراچی کے بھی آپ کو زیارت"

"وزیراعظم نے ایک بار پھر کہا ہے کہ سرکاری ملازمین اور حکومتی وزراء نہ ہی جلسوں سے دور رہیں"

"یہ حکم صرف مسلمانوں کے لئے ہے.... مرزا کی اس سے مستثنیٰ ہیں.... اور کچھ؟؟؟"

میں خاموشی سے کھیلوں کی خبریں پڑھنے لگا۔

"اس سے پہلے کہ جلسے کی تقریر سن کر ہاضمہ خراب ہو جائے.... چلو کچھ کھا کر آتے ہیں" چاند پوری نے کہا اور ہم "چلو کہاں سہانی حائل" پر جا کر بیٹھ گئے۔

مغرب کے بعد جلسہ گاہ کی تمام نشستیں پر ہو چکی تھیں۔

مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی بھی اچھی خاصی تعداد یہیں موجود تھی۔ گاڑیوں کی چھتوں کے علاوہ درختوں پر بھی لوگ قبضہ جمائے بیٹھے تھے۔

"چلو ہم بھی کوئی مناسب شاخ ڈھونڈتے ہیں"

"درخت پر بیٹھنا ضروری ہے کیا؟؟؟" میں نے کہا۔

"واجب ہے بھائی واجب !!!.... جلسہ گاہ میں بیٹھ کر بندہ پکڑا دیں تو زبردستی ہو سکتا ہے" !!!

تھوڑی سی مشقت کے بعد ہم بھی ایک درخت پر سو رہے تھے۔ یہاں، تجھی خامی روشنی تھی اور اسٹیج کا منظر بھی صاف دکھائی دیتا تھا۔

جوں جوں رات ڈھل رہی تھی، جلسہ گاہ کی روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔

رات دس بجے اچانک اعلان ہوا "وزیر خارجہ پاکستان سر قمرانہ خان جلسہ گاہ میں تشریف لائے ہیں"!!!!!!۔۔۔۔۔
 نعروں اور تالیوں کے شور سے ہنڈال گونج اٹھا۔
 چاند پوری مجھے سنسل چھو کر بولے:

"کیا کہا تھا میں نے؟؟ سر قمرانہ دنیا تو چھوڑ سکتے ہیں... قادیانوں کا جلسہ میں نہیں کر سکتے"!!!!

تھوڑی ہی دیر بعد جلسے سے سر قمرانہ خان کا "فراغینگز" خطاب شروع ہو چکا تھا۔ چاند پوری سونہ میں گھوری دبانے اور داد دینے کے نوٹس لینے لگے:

"انجمن کے ساقیہ۔۔۔۔۔!!!! جناب وزیراعظم نے دورہ دہلی کیا تھا کہ میں اس جلسے میں شرکت نہ کروں۔۔۔۔۔ سردار مہدالرب
 نشر صاحب کا بھی فون آیا تھا۔۔۔۔۔ لیکن میں نے جواب دیا کہ میں انجمن سے وعدہ کر چکا ہوں"۔۔۔۔۔

"یہ انجمن کون ہے؟؟" میں نے چاند پوری سے پوچھا۔

"حکمت کی طوائف!!!!" انہوں نے چشمے کے پیچھے سے آنکھ دری۔

"آئی ایم مین آف دی نیشنل۔۔۔۔۔ اگر کچھ روز پہلے وزیراعظم مجھے کہتے تو شاید میں رگ جاتا۔۔۔۔۔ لیکن وعدہ کر لینے کے بعد اس جلسے
 میں تقریر کرنا۔۔۔۔۔ میں اپنا فرض منگی سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ اگر اس کے باوجود بھی وزیراعظم یہ سمجھتے ہیں کہ میں غلطی پر ہوں۔۔۔۔۔
 ۔۔۔۔۔ تو میں اپنا استعفیٰ دینے کو تیار ہوں"!!!!!!۔۔۔۔۔

ہنڈال ایک بار پھر نعروں سے گونج اٹھا اور دیر تک تالیاں بجاتی رہیں۔

"استعفیٰ دیں ان کے دشمن۔۔۔۔۔ دیکھو ایک تیر سے کی بھڑک کر لے" چاند پوری نے تہرہ کیا۔

"میری آج کی تقریر کا عنوان ہے۔۔۔۔۔ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔۔۔۔۔ انجمن احمدیہ کے حوالہ۔۔۔۔۔!!!!!! قرآن آخری

الہامی کتاب ہے۔۔۔۔۔ جس میں عالم انسانیت کے لئے آخری ضابطہ حیات مینا کر دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ کوئی بعد میں آنے والا ضابطہ اس کو
 موقوف نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔۔۔۔۔ جنہوں نے عالم انسانی کو اللہ کا آخری پیغام پہنچا دیا

ہے۔۔۔۔۔ اور اس کے بعد کوئی نبی شریعت نہیں آ سکتا اور نہ ہی کوئی شخص قرآنی شریعت کے ضابطوں کو منسوخ کر سکتا ہے۔۔۔۔۔
 "!!!!"

میں نے حیرت سے چاند پوری کی طرف دیکھا تو وہ ایک جڑو مگھوری سونہرے فونٹس کر بولے:
 "آخر میں میٹھی ڈالے گا۔۔۔ تم ذرا صبر تو کرو۔۔۔ مرزا صاحب بھی یہی کرتے تھے"

"اور یہ رسول اللہ کا وعدہ ہے۔۔۔۔۔ نبی کا وعدہ ہے۔۔۔۔۔ کہ ایسے لوگ اس سنت میں پیدا ہوتے رہیں گے جو دین کی اصلاح و تجدید کریں گے۔۔۔۔۔ جو بدعات کا خاتمہ کریں گے۔۔۔۔۔ یہ لوگ ہامور من اللہ ہوتے۔۔۔۔۔ اور تجدید دین پر ہامور ہونگے۔۔۔۔۔ اور اسلام کی اصل پاکیزگی بحال کریں گے۔۔۔۔۔ مرزا غلام احمد ویسے ہی ایک مجذوب تھے۔۔۔۔۔ احمدیت ایک ایسا چوہا ہے جو اللہ نے خود لگایا ہے۔۔۔۔۔ اور اب جڑ پکڑ چکا ہے۔۔۔۔۔ تاکہ قرآن کے وعدے کی تکمیل ہو۔۔۔۔۔ اور اسلام کی حفاظت کا ضامن بنے۔۔۔۔۔ اور اگر یہ پودا کھیر دیا گیا تو اسلام زندہ نہیں رہے گا۔۔۔۔۔ بلکہ ایک سو کھے درخت کی مانند ہو جائے گا۔۔۔۔۔ اور وہ سرے مذہب پر اپنی برتری کا ثبوت پیدا نہیں کر سکے گا" !!!۔۔۔۔۔

"من لو۔۔۔۔۔ یعنی قادیانیت ایک شجر پر بہار۔۔۔۔۔ اور اسلام ایک سو کھارخت "چاند پوری ہاں تو کہتے ہوئے بولے۔
 "آپ کی ہیکاری نیچے کسی احمدیہ کر گی تو لینے کے دیتے نہ جائیں گے" میں نے کہا۔
 "کچھ نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ ہم بھی تو ان کی ہیکاریاں برداشت کر رہے ہیں"
 وزیر خارجہ نے تقریر جاری رکھی:

"انجمن احمدیہ کے ساتھ۔۔۔۔۔ !!! ہمیں اس شجر پر بہار کی حفاظت کرنی ہے۔۔۔۔۔ اور اس پیغام کو ملک کے ہر خاص و عام تک پہنچانا ہے۔۔۔۔۔ کہ غلامی اسلام ایک مردود مذہب ہے۔۔۔۔۔ اور احمدی اسلام ایک زندہ مذہب" !!!
 "اب تو آگئی بات سمجھ شریف میں یہ مزید تشریح کی ضرورت ہے؟؟" چاند پوری نے مجھے دبوک دیا۔
 "واقعی بڑی عالم ہیکاری ماری ہے ... " میں نے کہا۔

اچانک جلسہ گاہ کی طرف سے شور برآمد ہوا اور جے جے جے کی تقریر رک گئی۔
 نامعلوم سمتوں سے آنے والے ہتھروں نے جلسہ درہم برہم کر دیا تھا۔

"اب جلدی اترو۔۔۔۔۔ اور بھاگو۔۔۔۔۔ مجاہدین پہنچ گئے ہیں۔۔۔۔۔" چاند پوری نے کہا اور ہم تیزی سے نیچے اترنے لگے۔
 ہم دوڑتے بھاگتے امپریس سارکیٹ پہنچے تو پہلا دھماکا ہوا۔

پتھر اڑا کرنے والے مظاہرین پر پولیس آنسو گیس کے گولے فائر کر رہی تھی۔
 ہمارے سامنے سے پولیس کی گاڑیاں بوٹر بھاتی ہوئی گزریں۔ وزیر خارجہ دلپس جلد ہے تھے۔
 چاند پوری نے کہا:

"بس آج سے ملک میں قادیانیت کا تختہ الٹ گیا"
 "وہ کیسے.....؟؟"

"پہلا اقتدار بلایان کراچی نے مار دیا..... اب پورے پاکستان میں ان کے چلے پونہی الٹائے جائیں گے..... چار سال سے ہر داشت کر رہے تھے حکومتی سرپرستی میں ان کی بچکاریاں..... اب آسمان سے پتھر برسنے تو رہے..... قوم کو خودی ہنت کرنا پڑے گی" !!!

10 اگست..... 1952ء.... موہٹی گیٹ لاہور

عوام کا ایک خاص طبقہ ہوتا سمندر میرے سامنے تھا۔

کمرہ پیش ایک لاکھ کا جمع تھا۔ کیا بچہ، کیا بڑھے، کیا جوان، بھر رنگ، نسل اور فرقے کا مسلمان یہاں آیا ہوا تھا۔ لوگوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ تحریک ختم نبوت ایک نئے دور میں داخل ہو رہی تھی۔ فرقہ بندی کی دیواریں گر چکی تھیں اور امت مسلمہ ایک مٹھی کی صورت میں ہو چکی تھی۔

چاند پوری اور میں جلسہ گاہ سے رستہ بناتے ہوئے اسٹیج کی طرف جا رہے تھے۔

"یہ عشق رسول ﷺ کی ہڈی ہے بھائی..... کوئی جیتے یادے، کسے پر وہ ہے..... اس سعادت سے لیکن کوئی محروم نہیں رہنا چاہتا..... دیکھو لوگ شیر خواہ بچے تک اٹھا کر لائے ہوئے ہیں..... ایسے پنڈال کوئی روز توڑی سجا کرتے ہیں"

سامنے ہی قائدین کے لئے ایک بہت بڑا اسٹیج بنایا گیا تھا۔ ہم اسٹیج سے پچھو دور آلتی پالتی مار کر زمین پر بیٹھ گئے۔ گلدستہ نعت کی خوشبو عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے دلوں کو مشکبار کئے جا رہی تھی۔

دلوں کے گلشن ہلک رہے ہیں، یہ کیف کیوں آج آرہے ہیں

کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے حضور ﷺ قشربیف لارہے ہیں

حاضرین وجد میں برابر جموں رہے تھے۔ اس دور میں نہ تو ابھی نعت کا شور مچا تھا نہ ہی کچڑیوں کی تقسیم۔ اختلاف کے باوجود ہا بھی احترام باقی تھا۔ فرقہ فرق ملت باہم ایک کا زہر متھ ہو رہی تھی۔ سب جانتے تھے کہ خدا کو راضی کرنے کے طریقوں میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن خُبت رسول ﷺ کی اب صرف ایک ہی کسوٹی ہے۔۔۔۔۔ نعمت نبوت پر غیر حیران ایمان:

ندہاں ہوں تو ہے سوتا ساوان، جس پر راضی دی سہاگن

جنہوں نے کچڑائی کا دامن، انہی کے گھر جگمگا رہے ہیں

بولی کچڑوں میں ملیں سرکاری ہلکار اور مرزائی جاسوس مشق کی دوسرا سہ سو جگتے پھرتے تھے جو ہمیشہ ہواؤں کے مخالف پھیلتی ہے۔
 عجب ساں تھا۔ لوگ گھروں سے بستر، مصلیٰ، برتن تک اٹھا کر لے آئے تھے۔ کہیں نوافل کا اہتمام چل رہا تھا، کہیں قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی، اور کہیں بڑے بوڑھے سر جوڑے آنے والے حالات کے بدلے میں سرگوشیاں کر رہے تھے:-

کہیں پر رافق ہے میکشوں کی، کہیں پہ مغل ہے دل جلوں کی

یہ کتنے خوش بخت ہیں جو اپنے نبی کی مغل سدا رہے ہیں

سید مظفر علی قسسی کی تقریر سے جلد کا آغاز ہوا:

”اے فرزندِ انِ اسلام۔۔۔۔۔ آج چشمِ ملک جب نگاہِ دیکھ رہی ہے۔۔۔۔۔ آج امت ایک موقفِ ڈاٹ چکی ہے

!!!!!!

مرزا نیو۔۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔۔ اور آکر دیکھ لو۔۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کی امت۔۔۔۔۔ آج باہم متحد ہو کر تمہارے

”الفضل“ اخبار کے دعووں کی دھجیاں اڑا رہی ہے۔۔۔۔۔ تم کہتے تھے ناں۔۔۔۔۔ شیعوں اور سنہیوں میں اختلاف ہے۔۔۔۔۔ تم

ہمیں مشورہ دیتے تھے ناں۔۔۔۔۔ کہ اس جھگڑے میں نہ پڑو یہ سنہیوں کا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ آؤ اور آکر دیکھ لو۔۔۔۔۔ آج شیعہ اور

سنی نعمت نبوت پر کدھے سے کدھہ حملائے کھڑے ہیں۔۔۔۔۔ تم خوش تھے ناں کہ امت کی قباہ ہر جہر ہو چکی۔۔۔۔۔ امت باہم ہر سر پہکار

ہو چکی۔۔۔۔۔ آج مایوس ہو جاؤ کہ تمہاری کوششیں خاک میں مل گئیں۔۔۔۔۔ نعمت نبوت کے لئے اگر شیعوں کو دیوار میں زندہ بھی

چنوا دیا گیا تو عند ان پیشانی سے برداشت کر لیں گے۔۔۔۔۔ لیکن ہمارے رسول ﷺ پر کوئی سودا نہیں کریں گے“!!!!!!

اس کے بعد صاحبزادہ فیض الحسن، شیخ حسام الدین، مولانا سعید احمد قہروری، مولانا مرتضیٰ میکش، مولانا غلام احمد ترغتم اور دوسرے

مقررین نے تقاریر کیں۔

رات گیارہ بجے اس شیر کی آمد ہوئی کہ جس کے انتظار میں لوگ بستر چھوڑ کر یہاں آئے ہوئے تھے۔

امیر شریعت اسٹیج پر تشریف لائے تو قضاہ دیر تک غرہ ہائے نکمیر اور ختم نبوت زندہ ہاد کے نعروں سے گونجتی رہی۔
صلوہ و سلام کے بعد آپ نے فرمایا:

”قادیان کے جھوٹے نبی کے احمیوں نے۔۔۔۔۔ سر پو میں ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی ہے۔۔۔۔۔ سر پو میں اسلحہ تیار ہو رہا ہے۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔ زمین و آسمان قلعہ تعمیر ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔ متوازی عدالتی لکڑی ہیں۔۔۔۔۔ اور اب حکومت خاموش ہیں۔۔۔۔۔ ۲۲
وزیر اعلیٰ سوئے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ ۲۳
میں پوچھتا ہوں کیوں۔۔۔۔۔ ۲۴ ۲۵ ۲۶

آخر یہ ماہر اکیا ہے۔۔۔۔۔ ۲۷ تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے۔۔۔۔۔ ۲۸
دولتان صاحب۔۔۔۔۔ !!! ایک آڑو ملک میں دو دو نظام چل رہے ہیں اور تم لاہور میں سڑے سے پیٹے ہو۔۔۔۔۔ ۲۹
دیکھنے والوں ایک من ستر و میر ہار اور پو میں گیا ہے اور آپ کے کالوں پر جوں تک نہیں رہیں۔۔۔۔۔ ۳۰
مرزا بشیر کہتا ہے رضاکاروں کی تربیت ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ سڑے بھی کون سے رضاکار۔۔۔۔۔ ۳۱ رضاکار کون سا ہار دو استعمال کرتے ہیں۔
۔۔۔۔۔ ۳۲ مسلم لیگ کے رضاکاروں نے من ستر و میر میں کتا ہار دو استعمال کیا تھا۔۔۔۔۔ ۳۳
دولتان صاحب۔۔۔۔۔ !!! اذراں وقت سے جب پانی سر سے اونچا ہو جائے ”!!!!

لوگ بڑی توجہ سے امیر شریعت کا خطاب سن رہے تھے۔ پورا پنڈل ہمد تن گوش تھا۔
”تم کہتے ہو یہ احرار یوں اور احمد یوں کا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ ۳۴
ہو نہ ہار وزیر اعلیٰ صاحب۔۔۔۔۔ !!! یہ مرزائی اور کالی کالی والے کے قلاموں کا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ !!!
یہ پورے پاکستان کا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ یہ عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ !!!
یہ جس قدر بخاری کا مسئلہ ہے اسی قدر ممتاز دولتان کا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ !!!
اور اگر تم پھر بھی بھند ہو کہ یہ صرف احرار یوں کا مسئلہ ہے تو سن لو۔۔۔۔۔ میں اسے اپنا مسئلہ کہنے میں سہولت محسوس کر رہا ہوں۔۔۔۔۔
ایک ایک احراری قسم ہو جائے گا۔۔۔۔۔ مگر آل محمد ﷺ اور ناموس رسالت ﷺ پر کسی بد بخت کو انگلی اٹھانے کی اجازت نہیں
دے گا۔۔۔۔۔ !!!

اسی غرہ ہائے نکمیر اور ختم نبوت زندہ ہاد کے نعروں سے پنڈل گونج اٹھا۔

"یار دیکھو کتنے ہی نادان لوگ سیدھی راہ سے بھٹک کر اس رہتے پر چل نکلے جو سوائے جہنم کے اور کہیں نہیں جاتا۔ آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل قبر ہے، جہاں تین سوالات میں سے ایک سوال قائم و مستحکم کے بارے میں بھی ہوگا۔ کیا جواب دیں گے؟ حدیث لے کے بعد بھٹک جانا انسان کی سب سے بڑی کم نصیبی ہے"

سامنے ایک چار دیواری میں کچھ قبریں تھیں۔ چار دیواری پر لکھا تھا:

"یہاں جو لوگ مد فون ہیں انہیں موقع ملے ہی قادیان کے قبرستان میں منتقل کر دیا جائے گا"

دیوار پر ایک نیلی فون بھی نصب تھا۔ جو اس دیرانے میں یقیناً بڑا عجیب لگ رہا تھا۔

"حضرت یہ نیلی فون یہاں کس لئے لگایا گیا ہے؟"

"ہو سکتا ہے یہاں کے مردوں کا قادیان کے مردوں سے فون پر رابطہ ہو" چاند چوری نے جواب دیا۔

اتنی دیر میں انگریزی کوٹ پہنے خوشنصیب دائرہ می والا ایک شخص بغل میں رہنمائی دہانے دہاری طرف چلا آیا اور بڑے اخلاق سے بھٹک کر بولا

"ٹوڑ مرزا.... متہم بہشتی مقبرہ.... کتنوں آئے اور سرکار؟؟"

"لاہور سے" چاند چوری نے جواب دیا۔

"ماشاء اللہ.... سبحان اللہ.... احمدی مسلک؟؟؟"

"نہیں جناب.... فی الحال تو مسلمان ہیں.... آگے چل کر حکومت جانے کیا پھرے"

"دیکھو می.... دین و دنیا کے اختلافات چلے آئے ہندے نہیں... اسی بحث نہیں کر دے.... لے دو نوک.... بہشتی مقبرہ" کچھ کے ٹپنی کی محسوس کیا؟؟؟

"ہم نے کچھ سوالات محسوس کئے ہیں.... اگر تدارک نہ ہوں تو".....

"ہاں جی.... بسم اللہ.... ضرور سمجھو!!!" وہ بڑی چال چالی سے بولا۔

"آپ کو کیسے یقین ہے کہ یہاں دفن ہونے والے سب بہشتی ہیں؟"

ٹوڑ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر مینا سا ہو کر بولا:

"اللہ وی ذات توں امیدے گیتی جاسکدی لے ناں سرکار!!!"

"لیکن ہم نے سنا ہے کہ بہشت کا جھانسا دے کر آپ مرزا کیوں سے جبری چندہ وصول کرتے ہیں؟؟ کیا یہ درست ہے؟؟"

"نہیں سرکار.... جبری کوئی نہیں لینا.... لوگ خوشی نال خیرات کر دے نہیں.... فی سبیل اللہ!!!"

"اور اگر کوئی غریب شخص خیرات نہ دے سکے تو...."

"کوئی مسئلہ نہیں.... اپنی اپنی توفیق دی گل بسد.... بہت تے رب نے پائوں میں اس سرکار !!!"

ہم ہاتھوں میں مصروف تھے کہ قبرستان میں کچھ لوگ ایک نئی سہائی دیزلی دھکیلتے داخل ہوئے۔ چار بچیوں والی اس خوبصورت ریزنگی پر ایک دیدار سب چادر تھی ہوئی تھی۔

"معاف کرنا.... جنازہ آگیا" یہ کہتے ہوئے نور مرزا ہمیں چھوڑ کر اس طرف دوڑا۔
ہم بھی پیچھے پیچھے ہو گئے۔

"ابن بسد.... ملی آیاں نول.... رسیداں کنڈ مو سرکار !!!" اس نے میت کے درجہ سے کہا۔

مرنے والے کے ایک عزیز نے جیب سے کوئی چٹائی نما چیز نکال بھر اس میں سے مڑے مڑے کاغذات نکال کر نور مرزا کے حوالے کئے۔
"شناختی کارڈ اجڑا...."

مینت کے عزیز نے جیب سے شناختی کارڈ نکال کر دیا۔

"مرحوم دا شناختی کارڈ منگیا سرکار.... تو اے کارڈ لوں میں آگ لاء لوں" نور مرزا شناختی کارڈ الٹ پلٹ کر بولا۔

"یہ لیجئے.... میرے پاس ہے" مینت کے ایک دوسرے عزیز نے ڈیڈ ہائی کا کارڈ دکھایا۔

"مرحوم نے اک سال دا چندہ نہیں دتا.... !!!" نور مرزا کسی پٹواری کی طرح جسٹھ کھنگالتے ہوئے بولا۔

"مرحوم ہر بھر چندہ دیتے رہے ہیں.... ایک سال سے حالات اچھے نہ تھے" رشتہ دار نے بتایا۔

"کوئی گل نہیں.... لاش اچھے ای رکھو.... پہلے بچیں سو رہیے لے کے آ،" !!!

اس زمانے میں ایک عام سرکاری ملازم کی تنخواہ پچاس روپے سے زیادہ تھی۔ رشتہ دار پریشان ہو کر بولا:

"ہمارے پاس ایک مکان کے سوا اور کچھ نہیں ہے"

"مکان ویچ چھڑا.... جنت ویچ مکان مفت تے نہیں ملدے سرکار !!!"

رشتہ دار کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر لاش پر حری چھوڑ کر آنسو پوچھتا دپوں کی تلاش میں نکل گیا۔

چاند پوری میرا ہاتھ بکڑ کر قبرستان سے باہر نکل آئے اور کہا:

"یہ ہے وہاں میرنگری جسے زندہ نہ جب کا نام دے کر وزیر خراج پوری قوم پر تھوپنا چاہتے ہیں.... مردوں کے ساتھ یہ سلوک ہے تو
زندوں کے ساتھ کیا ہوگا...."

قبرستان سے نکل کر ہم ایک گراؤنڈ کے پاس سے گزرے۔ یہاں کچھ وردی پوشہ رضاکار بیٹھ کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں سرکاری

رائٹس تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے فوج کی کوئی رجمنٹ ٹریننگ کر رہی ہو۔

"یہاں ہر شخص کے گھر میں آتشیں اسلحہ ہے.... حال ہی میں چیٹوٹ سے تنوں کے سلسب سے بارود اور پتو نیاں سے بھاری مقدار میں منہ خرید کر رو پو لایا گیا ہے تاکہ گولیاں پٹائی جاسکیں" چاند پوری نے بتایا۔

"اخبارات اس معاملے پر شور کیوں نہیں کرتے؟"

"سنا کون ہے بھائی؟... سب سر ظفر اللہ کی سنتے ہیں اور ظفر اللہ صرف خلیفہ کی سنتا ہے"

ہم ایک محل نما عمارت کے پاس سے گزرتے تو چاند پوری نے کہا:

"یہ واقعہ خلافت.... مرزا بیت کا مردہ گھوڑا جسے 1907ء میں علماء و صوفیاء کرام نے اپنے تئیں دیکھا یا تھا اسے دوبارہ زندہ کرنے کا سہرا مرزا بشیر الدین محمود کے سر ہے۔" انہوں نے ہی اس تحریک کو نئے سرے سے منظم کیا ہے"

"۲۴ کوئی تو ان کی پشت پناہی بھی کر رہا ہو گا؟؟"

"محمدین، البراز، سیکورز، مغربہ پسند، انگری سب ان کے ساتھ ہیں.... قومی لیڈروں میں لیاقت علی خان، کچھ ایمان والے تھے.... انہیں اوپر پہنچا دیا گیا ہے.... اب لے دے کے عبدالرب نشتر پہنچے ہیں جنہیں لوگ "موجودی خضر" کہہ کر پھیرتے ہیں.... باقی سب مذہب بیزار ہیں.... اور ہر مذہب بیزار شخص کو قادیانیت شہد کی طرح مینہ لگتی ہے"!!!!.....

"سہارک ہو..... سہارک ہو..... سہارک ہو....." نام مہدی کے لشکر میں جو بے گھر ہو!!!!.....

سبح مہمود کی امت میں اٹھائے گئے ہو!!!!.....

یہ اسی مقام ہے..... وہی مقام ہے..... کہ جانے کتنی امتیں جس کی تلاش میں دہر قافی سے ٹوٹی کر گئیں!!!!.....

یہ اسی جائے قرار ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے..... رب یوقظ اہل قراہ و معین"!!!!

نورہ، بکیر..... اللہ اکبر!!!!

ہم ایک بہت بڑے پندال میں پہنچے جہاں ہزاروں افراد کے مجمع سے خلیفہ کا خطاب جاری تھا۔

اس دوران فضاء میں جنگی جہازوں کی گڑ گڑاہٹ سائی دی۔ پاکستان ایئر فورس کے دو "سپر میرین انکیر" طیارے فضاء میں نمودار ہوئے اور اسٹیج کے مین اوپر آکر سیدھے فضاء میں بلند ہو گئے۔

"حضرت یہ کیا....؟؟" میں نے وقوف حیرت سے پوچھا۔

"سلائی!!!..... آج اس بد قسمت ملک کا یوم آزادی ہے!!!" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ تھمی تو خلیفہ کا خطاب پھر شروع ہو گیا۔

"اسلام کا سایہ کھینچنے لگا! -----

خدا کی حکومت پھر آسمان پر چلی گئی!! -----

دنیا پھر شیطان کے قبضے میں دے دی گئی!! -----

اب خدا کی نصرت پھر جوش میں آئی ہے ----- اور تم کو -----! ہیں تم کو! -----!! ہیں تم کو! -----!!

خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانے کی خدمت سپرد کی ہے!!" -----

"اے آسمانی ہادشاہت کے موسیقارو!! -----

اے آسمانی ہادشاہت کے موسیقارو!! -----

اے آسمانی ہادشاہت کے موسیقارو!!!! -----

ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بھلا کہ دنیا کے کان چٹ جائیں!!" -----

کان پھار نعروں کا شور بلند ہوا۔ خلیفہ نے پیٹ نہ پٹھا اور پانی پینے لگے۔

خلیفہ جانے کون سی نوبت بگوانا چاہتے تھے، میرا تو مغز چنا بد ہاتھا۔ جلسہ گاہ میں آگے بیٹھے ایک صاحب ہار ہار پہلو بدل رہے تھے.... چنا

نہیں گو بھی کھائے بیٹھے تھے یا مولیٰ کا کھیت اجاز کے آنے تھے.... سانس لینا شروع کر دیا تھا۔

میرے برابر بیٹھے چاند چوری تقریر کے برابر نوٹس لئے جا رہے تھے۔

"حضرت یہاں قریب میں کوئی درخت ہے؟" میں نے کہا۔

"ہوں.... کیوں؟؟" وہ بڑبڑائے۔

"درخت پر بیٹھ کر خلیفہ کی تقریر سننے ہیں..."

وہ شارٹ سینڈ لیتے ہوئے بولے "نست! ہم تقریر ہے...." افلاک "میں چپے گی تو حکومت کی آنکھ کھل جائے گی"

"حکومت کی آنکھ نہیں.... شاید ناک بند ہے" میں نے کہا۔

اس دوران پانی کا وقفہ ختم ہوا.... اور خطاب دوبارہ شروع ہو گیا:

"ایک دفعہ پھر اپنا خون اپنے نعروں میں بھر دو!!" -----

ایک دفعہ پھر اپنا خون اپنے نعروں میں بھر دو!! -----

کہ عرش کے پائے بھی لرزائیں۔۔۔۔۔!! اور فرشتے بھی جاگ اٹھیں!!!۔۔۔۔۔

اسی لیے میں نے تحریک جدید شروع کی ہے۔۔۔۔۔ اللہ کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ!!!۔۔۔۔۔

نئی کا تخت آج صبح نے چھینا ہوا ہے۔۔۔۔۔ ختم نے صبح سے چھین کر وہ تخت نئی کو دیتا ہے۔۔۔۔۔ اور نئی نے وہ تخت خدا کو پیش کرنا

ہے۔۔۔۔۔ اور خدا کی ہدایت دنیا میں قائم ہوتی ہے"!!!!!!۔۔۔۔۔

"اس کا کیا مطلب ہے...؟؟ کون سا تخت؟؟"

"تخت پاکستان" چاند پوری کا تخت، شہادت جینڈ لیتے ہوئے بولے۔

1952ء گزرنے نہ دیکھے!!۔۔۔۔۔

1952ء گزرنے نہ دیکھے!!!۔۔۔۔۔

1952ء گزرنے نہ دیکھے!!!!!!۔۔۔۔۔

اپنا رب دشمن ہی طاری کر دیکھتے۔۔۔۔۔!!!!!! تاکہ دشمن محسوس کر لے۔۔۔۔۔ ہاں محسوس کر لے کہ خدا

کا دین مٹایا نہیں جاسکتا۔۔۔۔۔ اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آن کرے!!!!!!۔۔۔۔۔

"

"خلیفہ کو آخر کس چیز کا قصہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجلس عمل کی تشکیل کا.... ان لوگوں کے دیم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نصف صدی سے آپس میں سینک اڑائے علمائے کرام ختم نبوت

پر اتنا جلدی باہم شیر و شکر ہو جائیں گے.... مجلس عمل کی تشکیل ہی علمائے حق کا وہ کارنامہ ہے جس سے مرزائی "نوبت" میں سوراخ ہو

چکا ہے"

"لیکن یہ ہنگامہ تو صرف ربوہ کے اندر ہی دکھائی دیتا ہے"

"پاکستان بھر میں اس کی قل نمائش جاری تھی بھائی.... من کا تبلیغی مشن ایک ایک وزیر کا بچپا کر رہا تھا.... سر ظفر اللہ خان وزیر اعلیٰ کی

نہیں پناہ دے رکھے تھے.... ان کی کمزوریوں سے قاتلہ ہاتھ ہے تھے.... انہیں ایک ایک کر کے ربوہ کا دورہ کروا رہے تھے.... ظاہر

ہے جو مذہب ہدایت کا ہو گا وہی رعایا کا بھی ہو گا.... مجلس عمل کے قیام کے بعد یہ سلسلہ رک چکا ہے.... بس یہی خلیفہ کی ہدایتی ہے

....."

خلیفہ نے پھر اشارت لیا:

آخری وقت آن پہنچا!!!!

آخری وقت آن پہنچا!!!!

آخری وقت آن پہنچا!!!!

ان احمدی علماء کے خون کا بدلہ لینے کا۔۔۔۔۔ جن کو شروع سے آج تک۔۔۔۔۔ یہ خونی تلا قتل کرتے آئے ہیں۔۔۔۔۔ ہم بدلہ لیں گے
عطاء اللہ شاہ بخاری سے!!

ملا بدلہ اچوتی سے!!!

ملا احتشام الحق سے!!!!

ملا محمد شفیع سے!!!!

اور ہانچیں سوار ملا سودودی سے "!!!!!!"

ہم فتح یاب ہو گئے!!

ہم فتح یاب ہو گئے!!

ہم فتح یاب ہو گئے!!!!

"اور ضرور۔۔۔۔۔ اور ضرور تم مجرموں کی طرف ہمارے سامنے پیش کئے جانے۔۔۔۔۔ اور اس دن۔۔۔۔۔ اس دن۔۔۔۔۔ تمہارا حشر بھی
دی ہی ہو گا جو فتح مکہ کے دن ابو جہل اور اس کی پارٹی کا ہوا تھا"!!!!

پانی کا وفد ہوا تو کچھ سکون نصیب ہوا۔

"اور سن لو۔۔۔۔۔ کان کھول کے سن لو۔۔۔۔۔ سن لو عالم رویا سے ایک فی قبر آئی ہے۔۔۔۔۔!!!!!!" خلیفہ نے پھر اسٹارٹ لیا۔

"خلیفہ کا طریقہ ہے کہ اہم سیاسی بیان ہمیشہ خواب میں لپیٹ کر دیتا ہے۔۔۔۔۔" چاند پوری بولے۔

"وہ کیوں؟"

"ہم کہ کسی عدالت میں چیلنج نہ ہو سکے۔۔۔۔۔ خواب ہمیشہ قانون کی گرفت سے آزاد ہوتے ہیں۔ جموں نے ہوں یا سکھ"

"سنو۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔ سنو"!!!!

"میں نے ایک خواب دیکھا۔۔۔۔۔ میں نے دیکھا کہ ایک کھاٹ پہ لیٹا ہوں۔۔۔۔۔ گانہ گئی آتے ہیں۔۔۔۔۔ اور میرے ساتھ کھاٹ پہ
لیٹ جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اور جب دھڑ کر جانے لگتے ہیں۔۔۔۔۔ تو قدرے غرہ دکھائی دیتے ہیں"!!!!

انہوں نے مجھے حیرت و استعجاب سے گھوراجھڑکھڑکاتے ہوئے کہا:

"سامنے ہی تو بیٹھے ہیں.... خواجہ ناظم الدین صاحب"

اب حیران ہونے کی باری میری تھی۔ میں نے پہلی بار آنکھیں کھول کر قائد اعظم کے دستِ راست، تحریک پاکستان کے اہم کارکن، پاکستان کے دوسرے گورنر جنرل جناب خواجہ ناظم الدین صاحب کو دیکھا جو لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئے تھے، پھر اس سادہ و وقار آفس کے در و دیوار پر نظر ڈالی۔ فرنیچر پرانی طرز کا تھا لیکن وید و زیب۔ پس منظر میں قائد اعظم کا خوبصورت پورٹریٹ اور ایک کونے میں اس نوآزور ریاست کا نقش نقش آویز تھا، جو ایک روز پہلے اپنی پانچویں سالگرہ منا چکی تھی۔

"لو نا صاحب.... ہانکے یہ بتائیے.... سامنے منگواؤں یا سربت" وزیراعظم نے خاص، نکالی لہجے میں کہا۔

"نظمہ ہے.... وزیراعظم صاحب.... ہم یہاں چائے شربت پینے نہیں آئے" ابوالحسنات بول پڑے۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے.... کیا بولتا ہے....؟؟"

"ٹھک خطرے میں ہے، اسے بچانے میں ہماری مدد کیجئے" ابوالحسنات نے مرشد کہا۔

"مولک تھرے میں؟ دوکانے؟.... سب ٹھیک ٹھاک ہے ناں؟؟" وزیراعظم ایک دم بے یقین ہو گئے۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہو تو ہم آپ کے پاس آتے ہی کیوں.... یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا.... لا الہ الا اللہ کے نعرے پر حاصل کیا گیا تھا.... اس کی بنیادیں لاکھوں شہداء کے خون سے تر ہوئی تھیں.... بڑا دن صبحش قرہاں ہوئی تھیں.... یہ سب کچھ اس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ ایک آئینہ ریاست حاصل کر کے اس پر مرزائیت مسلط کر دی جائے"

"لیکن... مولک میں امن و امان تو ایک دم بڑھ گیا ہے ناں؟؟" وزیراعظم نے نچلے درجے کی تضحیک بھرتے ہوئے کہا۔

"امن و امان ضرور اچھا ہے لیکن یہ خاموشی ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے"

"کیا ہو؟؟ کا کا طوفان؟؟"

"آپ نے اختر علی خان سے ایک وعدہ کیا تھا.... سر قمر اللہ کو ان کے عہدے سے برطرف کرنے کا"

"ہاں یاد ہے.... بروبر یاد ہے.... ہم نے بات جبرور کیا تھا.... لیکن اختر علی خان نے یہ خبر بھی میں صاحب کے.... معاملہ جو ہے ناں....

ایک دم چوہٹ کر دیا ہے.... حالات اب ہانکے زینے نہیں رہے"

"یعنی آپ سر قمر اللہ خان کو وزیر خزانہ کے عہدے سے برطرف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے"

"جعفر اللہ کو میں نے نہیں، اپنی پاکستان نے وجیر خزانہ بنایا تھا" وزیراعظم نے کہا۔

"اور قائد پاکستان آج ظفر اللہ خان کے ہاتھوں ہی خطرے کا شکار ہے۔ قائد اعظم حیات ہوتے، تو وہ بھی یہی فیصلہ فرماتے۔"

"وہ تو سب بد و برا ہے... لیکن مؤسسہ کیا ہے سر جعفر اللہ سے؟؟" وزیر اعظم نے مصومیت سے دریافت کیا۔

"کوئی ایک مسئلہ؟؟... جناب وزیر اعظم!! ظفر اللہ خان بحیثیت وزیر خارجہ قادیانیوں کے مذہبی اجتماعات میں شریک ہوتا ہے، ایک ایک مشورے کے لیے مرزا بشیر الدین محمود کے پاس رہو بیجا چلا جاتا ہے، غیر ملکی سفارت خانوں میں دھوا دھڑ مرزا کی تعینات ہو رہے ہیں، سرکاری دفاتر میں ہر اونچی پست پر مرزائی بیٹھا ہوا ہے، فقرہوں میں کھلم کھلا قادیانیت کی تبلیغ ہو رہی ہے... یہ ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان؟؟... جس کے لیے راوی و چناب کا پانی سرج کیا گیا تھا؟؟"

وزیر اعظم نے ایک غصّی سانس لیکر کرسی کی پشت سے ٹک لگائی اور کہا:

"ریاست کی مزبور رہی ہے... مرزائی جہرات پڑا نکلا ہے... علم یافتہ ہے... کیا بولے گا؟؟... نہیں ایک دم... دفتروں سے کانٹے کھلاس کرے...؟؟"

"سب سے زیادہ بڑا حال کھاتا گھریز تھا جناب.... اسے سر پہ بھائے رکھتے... ایک اسلامی ریاست کے نام پر ہماری نسلیں کٹوانے کی کیا ضرورت تھی...؟؟"

"وہ تو سب بد و برا ہے... پر اب آپ لوگ ساکت کیا ہے؟" وزیر اعظم زنجی ہو کر بولے۔

"ہم صرف یہ چاہتے ہیں ہماری نسلیں کسی پٹری پٹری کی بھائے... جبرئیل امین کا لایا ہوا قرآن پڑھیں... مرزا قادیانی کی بھائے محمد رسول اللہ ﷺ کا لکھ پڑھیں... ایک ملک میں دو نظام کیسے چل سکتے ہیں... ایک طرف شریعت اطہرہ اور دوسری طرف لڑا کذب؟؟"

وزیر اعظم خاموش ہو گئے۔

"یہ رہے ہمارے مطالبات" ابوالحسنات نے ایک کاغذ کا ٹکڑا وزیر اعظم کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"قادیانیوں کو فی الفور غیر مسلم قرار دیا جائے، ظفر اللہ خان سے وزارت خارجہ کا قلمدان واپس لیا جائے اور ریو کا لوگو ایریا ختم کر کے وہاں بے گھر مہاجرین کی آباد کاری کی جائے۔"

"تو یکھیں... جہاں تک قادیانیوں کو غیر مسلم بنانے کا مسئلہ ہے... تو ہم اس فیصلے کا اختیار نہیں رکھتا یہ فیصلہ کویتین ہی کر سکتی ہے... کیا بولے گا؟"

"اور ریو کی زمین....؟؟" ابوالحسنات نے دریافت کیا۔

"وہ صوبائی گورنمنٹ کا مسئلہ ہے"

"ظفر اللہ کو درخواست کرنے کا اختیار تو ہے ہی آپ کے پاس؟"

"ایک دم بروبر.... لیکن کیا ہے کہ.... فی الحال ہم یہ اختیار استعمال نہیں کر سکتا" وزیراعظم نے بے بسی سے جواب دیا۔
 "آخر کیوں....؟؟" ایوانِ محسنات اور ماسٹر صاحب یک زبان ہو کر بولے۔

"امر کی آمد و بند ہو جائے گا.... کال ہے جائے گا ملک میں.... پبلک روٹی کو ترس جائے گا.... کیا بولے گا؟"
 "لا حول ولا قوۃ الا باللہ.... ہم تو سمجھے تھے کہ پاکستان کا رزق اللہ ہے.... آج معلوم ہوا کہ امریکہ ہے" ایوانِ محسنات نے کہا۔
 وزیراعظم نے ایک سرد آہ بھری پھر ایک قائل کھول کر اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا:
 "آپ سائے پٹے گایا سر بہت.....؟؟؟"

16 جنوری.... 1953.... نسبت روڈ لاہور

تاجہ نظر انساؤں کا سمندر تھا۔

ہر طرف مری سر نظر آ رہے تھے۔ علماء کرام کے خطاب کے لئے ایک اوپن اپلیٹ فارم بنایا گیا تھا۔ اسٹیج کی راہنی جانب کچھ آبدی تھی۔ ہم جلسہ گاہ پہنچے تو لوگ جلسہ چھوڑ کر گیس پتیاں اٹھانے آبدی کی طرف دوڑتے دکھائی دیے۔ کچھ دور ایک مکان کے قریب پتیاں ہی پتیاں نظر آئیں۔ لوگ اور مری جمع ہو رہے تھے۔

"اوہر کیا ہوا ہے بھائی؟" چاند پوری نے ایک لڑکے سے پوچھا

"پھنڈا ہو گیا ہے.... پھنڈا" یہ کہتے ہوئے اس لڑکے نے بھی آبدی کی طرف دوڑ لگادی۔

"یا الہی غیر" میرے مونہ سے نکلا۔

اس طرف واقعی کچھ گڑبڑ تھی۔ ہم بھی بوجھ لپکے تاکہ بلوے کی وجہ معلوم کر سکیں۔

"بابائی کیا ہوا ہے لاہور؟؟؟" میں نے ایک بزرگ کو متوجہ کیا۔

"نہت.... کاکا داسر پھوڑتا کسے نے.. " بابا نے مختصر جواب دیا۔

"سرس پھوڑتا؟؟؟ کس نے؟؟؟"

"کسے مری طوں نے وقت لایا ".....

ہم مجمع سے ٹکراتے، دھکے کھاتے آخر میں جائے وقوعہ تک پہنچ ہی گئے۔

یہاں ایک بزرگ پھول سی پتی اٹھائے کھڑے تھے جس کے سر سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ پتی کی دلہ وز چھٹی لرز اڑتے دلی تھیں۔

”استغفر اللہ العظیم.... تو بے قورہ !!!“ میں زیر لب بڑبڑایا۔

"بھائی صاحب... کیا ہو چکی کو؟" چاند پوری ایک شخص نے صورت حال جانتا پائی۔

”ہاں، مرزا یوں کا گھر ہے.... وہاں سے جلے پر پتھر اڑا ہوا ہے.... ایک تیرہویں کو لگ گیا ہے“ آدمی نے مختصر روئید ہو سائی۔

تحریک ختم نبوت 1953ء میں اپنے والد پر پہلا خون قہر۔

میں حیران تھا کہ اتنا بڑا مجمع ابھی تک شہت کیوں کھڑا ہے؟ صبح سے شام تک تحریک کے فلک و صاف نعرے لگانے والے کارکن اس

بربریت پر خاموش کیوں ہیں؟ مہر زائیت کے خلاف لایکھوں کا جلسہ ہو، جلسہ گاہ کے قریب ایک مہر زائی کا مکان ہو، اس مکان سے

شرکائے جلسہ پر پتھر اڑا کیا جائے اور مسلمان موجب سے نقصانیاں ڈالے قاموش کھڑے رہیں ۲۴۲

مصر! پانچ منٹ میں اس مکان کو ٹکینوں سمیت ملیا میٹ کیا جاسکتا تھا۔ میں حیرت سے سوچنے لگا کہ ان لوگوں کا اسلام کتنا "مکفّر" ہے اور

بہار اکتھا قور !!!

جن کے سروں پر عطاء اللہ شاد بخاری رہا جیسا شعلہ جہاں مقرر کا لے پول کی طرح گر جاتا ہو... اور الحسنات روح جیسا ولی جنہیں نماز مشق

پڑھا ہے، مہر الستر نیازی جیسا صاحب ملت "قلای رسول (ص) اکابر مدینہ، احمد علی لاہوری دین جیسا سالار جن کے شانے فصیح و بلیغ،

مظفر علی قسسی راج، محمد علی جالندھری راج، مولانا نثار احمد راج الدین انصاری جیسے خطیب جن کا لبہ گماتے ہوں، مودودی راج جیسا

صاحبِ قلم جن کے لئے الفاظ تراشا ہو، اختر علی خان جیسا سفاقی جن کی روئے ہو چھایا ہو، وہ دھاری طبع کے سر بھرے مسلمان کیوں نہ بن

۳۳۳

زخمی ہونے والی بجلی اپنے بوز سے باہر کے کندھے پر سر دھرے خاموش ہو چکی تھی۔ شاید بے ہوش تھی یا شہادت کا جام لی تھی۔ اس

کے سر سے بہت ہو اخوان باپ کی سفید قمیض کو رنگین کر چکا تھا۔ اور وہ بزرگ مرد، عشق میں اپنی کل متاع فنا کر چکا ہے اطمینان سے مجمع ہے۔

پانچ سو چار ہاتھ۔

اتنے میں ابوالحسنات رح اور علامہ حافظ کفایت حسین صاحب بھینز کو چرتے ہوئے پلیٹ فارم تک آن پہنچے۔ مجھے خیال ہوا کہ مجمع شاید

تاکہ میں کاغذی انتظام کر رہا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ سالار الدین ختم نبوت آج اپنی تقریر میں اس خون ناحق کے انتقام کا ضرور اعلان کریں گے

اور آج کی رات ذریت مرزا بہت بھاری ہو گی۔

ایک پیکر پر ابوالحسنات رح کی آواز گونجی:

"تمام لوگ مکان کا گھبراؤ چھوڑ کر یہاں آ جائیں..... میں سینا احمد قادری ختم نبوت کے صوبے..... آپ سب بے در خواست کرتے"

ہوں کہ لاہر تشریف لے آئیں.... طائف میں دھڑکا کر، علاقے والے نئی شہریت کی منت.... یہاں آجائے.... فتح نبوت کے

پر دونوں... غصے اور ذاتی اشتعال پر چلنے والی تحریکیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں.... یہ بہت جلد حکمرانوں کا کھلونا بن جاتی ہیں.... یہ کوئی جانیدار یا اقتدار کا جھگڑا نہیں ہے.... اصول کی جنگ ہے.... اصول سے ہی لڑی جائے گی.... عاشقان رسول ﷺ ہتھ مار رہے نہیں، ہتھ رکھاتے ہیں.... خدا کی قسم اس تحریک کے سب علماء کا مشرک فیصلہ ہے.... کہ کسی مرزائی کی تکسیر بھی بھونی.... تو ہم اسی وقت یہ تحریک ختم کر دیں گے.... شانت ہو جائیے.... یہاں آجائیے.... اسٹیج کے پاس تشریف لے آئیے "!!!!

لوگ آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے اسٹیج کی طرف آنے لگے۔ میں اس قافلہ، عشق و مستی کی صبر و صناد کچھ کر حیرت کے سمندر میں ڈوب گیا۔ کیا یہی ہمارے آکا پرین تھے؟؟ یا ہم جرمین پریس کی بھگی ہوئی وہ پردہ میں ہیں جو مسلمان کا شافعی کارڈنوا کر ان بزرگوں سے چٹنی ہوئی ہیں؟؟ انہیں کس بات کا ذرا تھا؟ پوری قوم ان کی پشت پر کھڑی تھی۔ جب صابر لوگ تھے۔ چاہتے تو ایک چھوٹک مار کر مرزائیت کا بت ہاش ہاش کر سکتے تھے۔ جن کی ہڑتال پر لاہور کے پرخے بھی گھونسلوں میں ڈبک کر بیٹھ گئے۔ وہ کس ہرتے پر فائیت کی طرح پے سینے پیٹتے تھے...؟؟

شاید اس لئے کہ یہ سکے عاشق تھے۔ دنیا کا چلن اور ہے اور عشق کی بیج و بیج پھول اور۔ دنیا کے ضابطے اور ہیں اور عشق کے قواعد و ضوابط کچھ اور۔ دنیا کھوے لگا کر خوش رہتی ہے اور عاشقان صادق زخم کھا کر پھولے نہیں ساتے!!!
عشق سینہ زوری کا نہیں، صبر و صناد کا نام ہے۔ یہاں ہر گھڑی نکاتیں دیر پر کی طرف ہی اٹھتی ہیں، یاد راضی تو تھے خیر ان، محبوب رولہ گیا تو کچھ بھی باقی نہ بچا۔

مجاہد ملت مولانا عبدالستار نیازی صاحب پلیٹ فارم پر تشریف لائے تھے اور رب کے سنے محبوب ﷺ کے سامنے احوال درود دل پیش کر رہے تھے۔ لاہور کی اس سرد رات میں عشق کی حرارت سے جمع پھل رہا تھا اور آنکھیں اکھبار ہو رہی تھیں:

یا شفیع اہم، لہو کر دو کرم، شالا و سدا ہوئے تیرا سوہتا حرم

ہم قلاموں کا رکھنا خدا را بھرم، شالا و سدا ہوئے تیرا سوہتا حرم

کس کو جا کر کہیں تاجدار حرم، گھیر ڈالے ہوئے ہیں زمانے کے فم

دور ہو جاکیں فم یا شہ محترم، شالا و سدا ہوئے تیرا سوہتا حرم

22 جنوری.... 1953ء.... کراچی

آج پھر گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے رونق تھی۔

خلیفہ اخباری نمائندے ابوہریرہ سرگوشیاں کرتے پھرتے تھے۔

بہت سی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔

ہم وزیراعظم ہاؤس کے باہر کھڑے تھے۔

”سنا ہے کہ مجلس عمل آج کوئی الٹی میٹم دینے والی ہے“ ایک بے پتے صحافی نے مجھ سے سرگوشی کی۔

”دیکھئے 1952ء نزر چکا.... ایک سال سے تحریک چل رہی ہے.... ظاہر ہے مجلس عمل وزیراعظم صاحب کو پھولوں کا نوکر لوپنے سے قورہی.... الٹی میٹم ہی دے سکتی ہے“ !!!

”ویسے ایک بات تو مانی ہی پڑے گی....“ وہ چشمہ درست کرتے ہوئے بولا۔ ”مجلس کی تشکیل کے بعد خلیفہ نے پاکستان میں مرزائیت کا مہنڈا گاڑنے کا خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے“

”ظاہر ہے... جب خلیفہ سوئے گا نہیں.... تو خواب کیسے دیکھے گا“ میں نے جواب دیا۔

”سنا ہے آج ایک بہت بڑی شخصیت وزیراعظم سے ملنے آ رہی ہے؟ کون ہو سکتا ہے؟“ وہ ہنسنے لگا اور قریب ہو کر بولا۔

”چاند پوری....“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کون چاند پوری؟“ وہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگا۔

”میرزا مطلب ہے چاند پوری ہی اس سوال کا بہتر جواب دے سکتے ہیں... وہ نئی اسٹارٹنگ گئے ہیں سو سے لینے“

”یہ دیکھئے... الفضل میں اشتہار چھپا ہے.... خونی ملائے آخری دن“ اس نے جیب سے ایک پچ نکال کر دکھایا۔

”یہ کہاں سے ملا تمہیں؟“

”ایک مرزائی سے منگوایا ہے“

”مجھے دے دو.... اس میں سو سے ڈال کر کھائیں گے۔“

اسنے میں چاند پوری آگئے۔

”آج میرا صاحب آف سرسید شریف تشریف لارہے ہیں....“ انہوں نے دور سے اعلان کیا۔ ”بنگال کی ایک مقتدرہ مذہبی شخصیت....“

خواجہ ناظم الدین بھی بنگالی ہیں.... مولوی کو لوہا کانٹنے آ رہا ہے بھائی.... سو رہے ہیں“

کچھ ہی دیر بعد علماء کا وفد بھی پہنچ گیا۔

وفد اندر گیا تو اخباری نمائندگان بھی پیچھے پیچھے ہو گئے۔

وزیراعظم وفد کے ہمراہی صاحب کو دیکھ کر ریشم ہو گئے اور کہا:

”جی صاحب؟؟ کیا نکال تک مرزویت پونس گیا؟؟“

”اگر آپ کی شفقت رہی تو مرزائیت کا شفر تک بھی پہنچے گی“ جی صاحب نے وزیراعظم سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”اللہ نہ کرے.... حکومت مجلس عمل کے مطالبات کی رد سنی میں اہم اقدامات اٹھانے پر گورنر کی رہی ہے“

”کون سے اقدامات وزیراعظم صاحب....“ ابو الحسنات بول رہے۔ ”ہم کی ہاں آپ کے پاس آچکے ہیں... آپ کو بتا چکے ہیں کہ خدا را آفس سے نکل کر باہر دیکھئے... ملک میں کیا ہو رہا ہے.... مرزائیت ملک کی رگ رگ میں بیٹھ چکی ہے.... سر ظفر اللہ کلیدی آسامیاں ریوڑیوں کی طرح کھو پانیوں میں ہانٹ رہے ہیں.... ہم آپ کے سامنے کی ہاں احتجاج کر چکے.... فریاد کر چکے.... مگر آپ کہ جیسے سنتے ہی نہیں....“

”دیکھئے.... ہم آپ کو ہاں ہاں بتا چکا ہے کہ جفر اللہ کو فی الفور ہٹانا ملکی مفاد میں نہیں ہے.... کیا بولے گا؟ امریکہ سے گندم کابلات منل رہا ہے.... ملائکہ سمیرہ سلو من آنے والا ہے.... جفر اللہ کو ہٹایا گیا تو پاکستان کو نقصان ہوئے گا.... کیا بولے گا؟“ وزیراعظم نے کہا۔

”لیکن اگر آپ نے سر ظفر اللہ کو درخواست نہ کیا تو ملک پر اس سے بھی بڑی آفت آئے گی“ وفد نے کہا۔

”وہ کاہیے؟؟“

”خطورہ است مرزائیہ کی جہر رو سے ہلائی جاتی ہے.... کل گلاں ملک پر کوئی کڑا وقت آگیا تو بطور وزیراعظم آپ کی کوئی نہیں لئے گا.... سب ریوڑ کے خلیفہ کی طرف دیکھیں گے“

”دیکھو.... یہ ایک دم تحول ہات ہے.... بخوشی مت پھیلائیے“ وزیراعظم نے کہا۔

”خضر ہم کا ہے کو باجی پھیلائی گئے.... ابھی کل ہی کا واقعہ ہے.... آپ کی راجدھانی میں مرزائیوں کا جلسہ ہوا.... آپ کا حکم تھا ظفر اللہ خان کراچی نہ آئیں.... آپ کے احکامات ہوا میں اڑو پے گئے.... خلیفہ کی مان لی گئی.... اب آپ ہی بتائیے.... اس ملک کا اصل حاکم کون ہوا؟ آپ یا خلیفہ؟“ علماء نے سوال کیا۔

”دیکھئے.... پالیٹیکس میں اونچی نیچ سب بنتا ہے.... جیادہ ٹینشن لینے کا نہیں ہے“ !!!

”کیوں نہ لیں ٹینشن؟؟.... ایک آزاد اسلامی مملکت میں وزارت خارجہ کا قلمدان مرزائیت کی نشر و اشاعت کے لئے وقف ہے اور ہم ٹینشن نہ لیں؟؟ گریڈ سترہ سے بائیس تک کی ہر آسامی پر ایک کھو پانی بیٹھا ہے، ہم ٹینشن نہ لیں؟؟ بیورو کریسی، مقتدر، عدلیہ، انتظامیہ کے ہر تھالے پر ظفر اللہ خان کی مہر لگتی ہے، ہم ٹینشن نہ لیں؟؟.... بلدیہ سے لیکر ریلوے تک کا ہر ملازم چھوٹے چھوٹے مفاد کے لئے مرزائی افسروں کے سامنے ایمان کر دی رکھے بیٹھا ہے.... اور ہم ٹینشن نہ لیں“ !!!

وزیراعظم کچھ دیر سوچتے رہے، پھر بولے:

"دیکھو.... جب تک اس گری پر ایک پنجابی وجیرا ٹھہر بیٹھا تھا.... سب ایک دم بڑھیا تھا.... مولوی بھی خُش تھا.... اور مرزائی بھی خاموس.... ایک ہنگامی وجیرا ٹھہر گیا.... سب اٹھ کھڑے ہوئے"

"کیا مطلب؟؟.... ہم کچھ سمجھ نہیں؟؟" بی صاحب سر سید شریف نے پوچھا۔

"بی صاحب!!! یہ سازش ہے.... ہم بتاتا ہے.... میرا خلاف سازش شروع ہو گیا ہے.... اور اس سازش کے پیچھے پنجاب کا وجیرا اعلیٰ ہے.... ممتاز دولتانہ.... اب مولوی لوگ کو یہ بات سمجھ نہیں آتا"

"فر کیوں؟؟ دولتانہ آپ کے خلاف کیوں سازش کرنے لگے؟؟"

"وہ کیا ہے کہ ہم ہنگامی ہے.... اور بنگال کے مساوی حقوق کا بات کرتا ہے.... دولتانہ مولوی کو استعمال کر رہا ہے... تاکہ میرے پورا ڈال کے اپنا گری مجبوظ کرے.... کیا بولے گا؟؟"

بی صاحب سر سید اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "خواجہ صاحب!!! خدا کے لئے.... سازش کوئی اور کر رہا ہے.... اور آپ کی نظریں کہیں اور ہیں.... ہم فی الحال آپ کو صرف تیس دن کا الٹی میٹم دی دے سکتے ہیں"

وزیراعظم نے پریشان ہو کر کہا "الٹی میٹم.... کایسا الٹی میٹم....؟؟"

"چہ میرا نہیں آل مسلم کنونشن کا فیصلہ ہے.... 22 فروری تک اگر مجلس کے مطالبات منظور نہ ہوئے تو ڈائریکٹ ایکشن ہو گا.... بہتر ہے مان لیجئے.... ورنہ دنیا آخرت دونوں میں خسار اسی خسار ہے"

وزیراعظم میز کے پیچھے سے چل کر بی صاحب کے سامنے آگئے اور کہا:

"میرے ساتھ تشریف لائیے.... ہم آپ کو اندر کا بات بتاتا ہے"

اس کے بعد وہ بی صاحب کا ہاتھ پکڑ کے ایک کونے میں لے گئے اور بنگالی زبان میں کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگے لیکن بی صاحب مسلسل انکار میں سر ہلاتے رہے۔

وزیراعظم واپس آئے تو کافی مایوس تھے۔

انہوں نے گری پر بیٹھتے ہی کہا:

"مسئلہ تو یہ ہے کہ کوئی ہمارا بات سمجھنے کو تیار نہیں.... نہ تو مولوی صاحب.... نہ دولتانہ.... ٹھیک ہے.... کوئی بات نہیں.... ہم

بھی دولتانہ کو نہیں دے گا.... ہم سرگودھا جائے گا.... اور دولتانہ کے سیاسی حریف خضر حیات خان کے ساتھ تیز کار سار کھیلے گا....

سکار کا فوٹو اخبار میں لگے گا تو دولتانہ کو بھی تھوڑا نہیں ہو گا.... اگر وہ مولویوں کے ذریعے ہمیں نہیں دے سکتا ہے.... تو ہم بھی اس کو بروبر نہیں دے گا"

25 جنوری 1953ء... گورنمنٹ ہاؤس لاہور!!!

اسٹیورٹ نے سر پر لمبے نظریے والی پگڑی پہنی اور خود کو آئینے میں اچھی طرح دیکھا۔
اس کے بعد وہ پارٹل دھکیلا گورنمنٹ ہاؤس کے خفیہ میٹنگ روم میں داخل ہو گیا۔
یہاں اسٹیبلشمنٹ سر جوڑے بیٹھی تھی۔

کمرے میں سگریٹ اور ولایتی شراب کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بڑا سا ٹیگڑا سن فین ماحول کی مہم دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"دیکھو... کیا ہے یہ؟؟" گورنر جنرل غلام محمد نے ایک اخبار لہراتے ہوئے کہا۔

"اخبار ہے سر...." ایک پھل دور دی پوشیولا۔

"فردوس شاہ.... مجھے بھی بتا ہے اخبار ہے.... اس پر کچھ لکھا ہوا بھی ہے.... بے حواسے"

"ہیں سر!!!" ڈی ایس پی فردوس شاہ بیلٹ درست کر رہا تھا اور گورنر کے پاس جا کر اخبار میں جھانکنے لگا:

"امریکہ سے ایک لاکھ پچتر ہزار نین گندم کی کھیپ".....

"ہونا لائق آدمی.... یہ نہیں.... یہ بے حواس نے ایک پو کنٹری انگلہ خریدی۔

"سر.... سر...." فردوس شاہ اخبار پر پورا جھٹک گیا:

"پچیس.... دن.... باقی تھا "...

"کچھ آیا کچھ شریف میں؟" گورنر نے۔ کار کا دھواں مچوڑتے ہوئے کہا۔

"ہیں سر.... پچیس دن باقی تھا"

"کس چیز میں؟" گورنر نے پوچھا

"امریکہ سے گندم آنے میں"!!!

"ہمیشہ پیٹ سے سوچتے ہو فردوس شاہ!!! سوال پنا جواب گندم.... یہ الٹی میٹم کی خبر ہے"

"الٹی میٹم؟؟"

"ہاں الٹی میٹم.... اگر پولیس کی یہ حالت ہے تو باقی اور بے کس حال میں ہو گئے.... چھو!!" گورنر نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ہیں سر.... نہیں سر" ڈی ایس پی واپس کرسی پر جا بیٹھا

"مولویوں کی ایک تحریک چل رہی ہے آجکل.... کچھ علم ہے اس بارے میں" گورنر نے کہا۔
 "میں سر.... ایٹنی احمدی مودمنت"

"جی ہاں.... اور اس تحریک نے ایک الٹی جیم دے رکھا ہے.... تیس دن کا الٹی میٹم.... جس میں بچپن دن باقی ہیں.... زمیندار میں روزانہ یہ چوکنٹھا چھپتا ہے.... دیکھا ہے کبھی زمیندار ۴۴؟"
 "نوسر...." فردوس شاہ نے معصومیت سے کہا۔
 "اسی لئے تم نے ابھی تک ترقی نہیں کی" !!!

"آج کی یہ میٹنگ انتہائی غیر معمولی حالات میں بلائی گئی ہے.... مولویوں کی اس تحریک کو طاقت سے کچلنا ہے.... نو حشر آپشن.... تاکہ یہ لوگ دوبارہ اٹھیں نہ ہو سکیں...."
 اسٹیورڈ گلکسٹن میں شراب اٹھیلنے لگا۔

"لیکن فی الحال تو وہ لوگ پرامن ہیں سر، انتظامیہ سے بھرپور تعاون کر رہے ہیں" ڈی آئی جی نے کہا۔
 "ای آئی جی صاحب.... لگتا ہے آپ کو پروموشن سے کچھ لگا، نہیں ۴۴؟"
 "میں سر.... نو سر.... آئی ڈائمنڈ پروموشن سر" ای آئی جی بوکھلا گیا۔

"ملا جب سمیت سے کل کر سڑک پر آجائے تو ریاست کے پاس وہی رستے بچتے ہیں.... یا تو سفید فونی اوڑھ کر اٹھ کر اللہ شروع کر دے یا پھر اٹھ کر مقابلہ کرے.... نو حشر آپشن !!!"
 "میں سر.... میں سر !!!" ڈی آئی جی نے ڈائری میں نوٹس لیتے ہوئے کہا۔

"مولوی مسجد سے کل چکا.... اب جو کچھ کرنا ہے ریاست نے کرنا ہے.... اب وہ صرف تقریریں نہیں کرے گا.... انجمنیٹن کرے گا.... گرفتاریاں دے گا.... اسٹیبلشمنٹ پر دھاوا بڑھائے گا"....
 "میں سر.... میں سر"....

ان لوگوں کو پہلے خوب برا ہیئت کر دے.... تشدد پر اکساؤ.... پھر تشدد کرو.... یہ ہے اصل طریقہ !!!
 "میں سر.... انڈراستینڈ سر" !!!

"آپ کو ڈر حائی سورضا کارمل جائیں گے.... احمدی کیونٹی سے...." گورنر نے ساغر میں شراب اٹھیلے ہوئے کہا۔
 "میں سر" !!!....

"پادر کھو.... اگر ایک بار بھی.... اس ملک میں.... مولوی قابض ہو گیا.... تو شراب کے ایک ایک قطرے کو ترس جاؤ گے تم لوگ"

.... تمہارے یہ سب رنڈی خانے ویران ہو جائیں گے.... یہ چیل چیل سب برہہ ہو جائے گی.... بڑی مشکل سے ایک آڑہر ریاست حاصل کی ہے.... جہاں شرفاء آڑہروی کا سانس لے سکیں.... اور یہ مولوی.... پہلے پارٹیشن کی مخالفت میں کھڑا تھا.... اب آڑہر ملک کے خلاف کھڑا ہو گیا ہے...."

"سر میں تو کہتا ہوں کل ہی سب کو ہریٹ کر کے اندر کر دیں.... نہ رہے گا بانس نہ رہے گی ہسری "چیف سیکرٹری نے کہا۔
"معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے چیف سیکرٹری صاحب.... پبلک کو مطمئن کرنا پڑتا ہے.... جنہیں اسلام کا نفرو دیکر ہم نے یہ ملک بنایا.... امت مسلمہ کی طرف دیکھنا پڑتا ہے.... جن سے اسلام کے نام پر ہم امداد وصول کر رہے ہیں.... ریاست کی اپنی مجبوریوں ہوتی ہیں...."

"میں آج ہی جراتوں کو الٹ کر دیتا ہوں سر!!! "ڈی آئی جی نے کہا

"دیکھو.... پہلے تھوڑا بلوہ کر آؤ.... دو چار لاشیں گراؤ.... عوام خود ان کے خلاف ہو جائے گی.... اس کے بعد ہم انہیں فوجداری مقدمات میں بانڈھ لیں گے.... یوں سانپ بھی مر جائے گا.... اور لاشی بھی نہیں ٹوٹے گی"
"بے فکر رہیں سر.... موقع ملے ہی ہم مظاہرینہ نوٹ دیں گے"

"یاد رکھو!!!! ایسی پہلا اور آخری موقع ہے.... اگر آج مولوی غلے گیا تو یہ اور طاقتور ہو گا.... اور اس وقت سے جب یہی مولوی تمہارے سر پر سوار ہو کر تمہارے سونہ سوکھ رہا ہو گا.... تم سے تاج نامے طلب کر رہا ہو گا.... فحاشی فحاشی کاراگ الاپ رہا ہو گا.... اگر ملک کو ترقی دینی ہے تو اس تحریک کا ادھر کر دو.... کہ آئیندہ سو سال تک یہ لوگ اٹھو نہ سکیں...."

"لیکن سر.... اتنے بڑے ایجنسی ٹیشن کو روکنا کیلئے پولیس کا بس نہیں.... اگر طنز ہی ڈیو میسر ہو جائے...."

"ہم کوشش کر رہے ہیں.... ہارڈ پولیس منگوانے کی.... خان بہادر سے رابطہ ہے میرا.... مسجد شہید گنج تحریک میں اس نے بہترین کارکردگی دکھائی تھی.... اسے مولوی کو مارنے کا پختہ تجربہ ہے...."

"ٹھیک ہے سر!!!"

"ایڈیٹر حضرات.... آپ کو یہاں بلائے کا مقصد یہ ہے کہ "ڈان" "ایف" "سول" اخبارات کا کردار بہت اہم ہے.... اس آگ پر اتنا تیل چھڑکو کہ شعلے آسمانوں کو چھونے لگیں.... تاکہ ہمیں گولی چلانے کا لالچک مل سکے.... جس ازلے دار ایجنسٹ اسٹٹ!!!"

"ییس سر.... ییس سر!!!"

۱۱ فروری۔۔۔ ۱۹۵۳ء

پورا ملک علماء کی ولولہ انگیز تقریر سے گونج اٹھا۔

کراچی تاخیر تحریک کی ہار گشت سنا دیے گئی۔ اس طوفانِ بلاخیز کا مقابلہ کرنے کے لئے مرزئیوں نے شہر شہر سیرت کا غرضوں کا انعقاد کیا لیکن عوامی فیض و غضب نے یہ جعلی دکانیں الٹ کر رکھ دیں۔

میں اور چاند پوری، پاؤں میں بھنور ہاتھ سے شہر شہر گھوم رہے تھے۔

صبح آٹھ بجے ہم چک ڈکیاں پہنچے جہاں ساٹھ ہزار کے مجمع سے خلیفہ کا خطاب جاری تھا۔ خطاب کیا تھا، اگلے دو بجے کا سیلاب تھا!!!

”سن لو۔۔۔۔۔ کان کھول کے سن لو!!!۔۔۔۔۔“

”ان کا عقد اور ہے۔۔۔۔۔ ہمارا عقد اور ہے!!!۔۔۔۔۔“

”ان کا اسلام اور ہے۔۔۔۔۔ ہمارا اسلام اور ہے!!!۔۔۔۔۔“

”ان کا رسول اور ہے۔۔۔۔۔ ہمارا رسول اور ہے!!!۔۔۔۔۔“

”ان کا حج اور ہے۔۔۔۔۔ ہمارا حج اور ہے!!!۔۔۔۔۔“

ہر بات میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔۔۔۔۔ ہر عمل میں اختلاف ہے۔۔۔۔۔ ہر چیز میں اختلاف ہے۔۔۔۔۔!!!

نعرہ دہائے تکبیر سے روبرو گونج رہا تھا۔

خلیفہ ایک سو بیس کی رفتار سے تقریر کر رہے تھے، اور چاند پوری دو سو بیس کی رفتار سے مسلسل نوٹس لئے جا رہے تھے۔ میں نے کھوے کی رفتار سے ان دونوں کا پتھا کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ کبھی دو لفظ لگتا، پھر کات کے چاند پوری کی نقل مارنے لگتا۔ پھر تھوک سے مٹانے لگتا۔ سوچا کہ میں موبائل پر ریکارڈنگ کی جائے۔ جیب سے موبائل نکالا تو اسے پچھونڈی لگ چکی تھی۔

”اُمید یوں کی فیر احمدیوں سے قوم جدا۔۔۔۔۔ نسل جدا۔۔۔۔۔ موت جدا۔۔۔۔۔ ملت جدا!!!۔۔۔۔۔“

خدا کی قسم۔۔۔۔۔!!! ہمارے اور ان کے درمیان وہی فرق ہے جو ہندو اور مسلمان میں تھا۔۔۔۔۔!!!

نعرہ دہائے تکبیر..... اللہ اکبر!!!!!!

میں نے کہا ”آج تو چائے سے زید و کبیر کھیل کر رہے ہیں“

”بیلی کٹریوں کی آگ ہے۔۔۔۔۔ اثر تو دکھائے گی!!!“ چاند پوری مسلسل قلم چلاتے ہوئے بولے۔

ہم نے ایک ہاکر سے صبح کا ہاسی اخبر خریدی۔ پھر ایک طویل چکر کاٹ کر شادمانی کے قریب "غوثی سری پائے والا" کے پاس جا پہنچے۔ بابا غوث کو سلام کر کے ہم ریسٹری کے پاس مکلی کھجلی صف پر آلتی پالتی مد کر بیٹھ گئے۔

17 "دن باقی ہیں۔۔۔!!!" حکومت کے لئے کڑا امتحان "میں نے زمیندار کی سرشتی پڑھی۔

"افسوس یاد۔۔۔۔۔" "ڈان" اور "سول" نے غصے والے حکمران۔۔۔ اس آتش فشاں سے بے خبر سو رہے ہیں جو چند ہی روز میں پھٹنے والا ہے "چاند پوری نے کہا۔

اس دوران بابا غوث ڈبل روٹی اور دو لالہ بیالے لے آیا جن میں پائے غوطہ زن تھے۔ میں اخبر بچھانے لگا تو وہ بولا:

"بھت۔۔۔ ٹکڑے کھانے کے لئے "زمیندار" نہیں بچھاتے۔۔۔ یہ لو انگر بھی اخبر "!!!

"بابا۔۔۔۔۔ یہ بھت کیسے لگی "میں نے بابا غوث کے بازو کو دیکھا جس پر چاقو کا تار دکھا دیا تھا۔

"بھت نہیں بھتر خون دے کر آیا ہوں"

"یہ کون سا طریقہ ہے خون دینے کا؟" میں بڑبڑایا۔

"میں بتاتا ہوں۔۔۔۔۔ بابا ختم نبوت کا فارم اپنے خون سے بھر کے آیا ہے۔۔۔ کیوں بابا؟" چاند پوری نے کہا۔

"کیا کر رہا ہے۔۔۔ جس دیس کے لئے ٹکڑے ہار چھوڑا۔۔۔ دو ٹکڑے شائع کرا دئے۔۔۔ اسے مرزائی کے حوالے کر دوں؟ کل رب پر دھمے کا

کہ غوث محمد۔۔۔ کالی کل والے مڑیٹھ کے تخت پر قبضہ ہو رہا تھا۔۔۔ اور توہین پا رہا تھا۔۔۔!!!"

"صرف غوث محمد ہی نہیں۔۔۔۔۔ ہر مسلمان کا یہی جزیہ ہے۔۔۔۔۔ مجلس عمل آن کل تحریک کے لئے رضا کار بھرتی کر رہی ہے۔۔۔۔۔

کیسوں کے سامنے عوام کے ٹھٹھہ لگے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ لوگ کائیوں پر گھاؤ لگا کر خون سے قادم پڑ کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ قطرے قطرے سے دریا

بن رہا ہے بھی۔۔۔۔۔ اور یہی خون کا وہ دریا ہے۔۔۔۔۔ جس نے قتلے کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنا ہے"

غدا عصر کے بعد جلسے کا آغاز ہوا۔ آج بے پناہ ماضی تھی۔ سوچی باغ بھر گیا تو سڑک کے کنارے لوگوں کے سروں کی قطار نظر آنے

لگی۔ تاحیہ نگاہ عوام کا تھا نہیں مدتا ہوا مسند ر تھا۔

کری، صدارت پر ابوالحسنات سید احمد قادری تشریف فرما تھے۔ ہم جلسے میں پہنچے تو مجلس احرار کے ماسٹر حاج الدین انصاری کا انتخاب

عرونی تھا:

"ختم نبوت کے پروانوہ!!!!!"

آج سے ہم ملک بھر میں مرزائیوں کے موٹل ہائیکاٹ کا اعلان کرتے ہیں!!!!!"

آئیے اور ہمارا ساتھ دیجئے۔۔۔۔۔ اس پیار وجود کو جسم سے کاٹ کھجئے جو منت کے لئے سرطان بن چکا ہے!!!!!"

مجلس اپنا پروگرام بنا چکی۔۔۔۔۔ ہم صاف آراہ ہو چکے۔۔۔۔۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں بڑھنے سے نہیں روک سکتی !!!۔۔۔۔۔

اور جو ہمارے راستے میں آئے گا خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گا !!!۔۔۔۔۔

ہمارا ایمان ہے کہ حق فتح یاب ہو گا اور باطل کو شکست ہو گی انشاء اللہ !!!۔۔۔۔۔

اللہ ہمارے ساتھ ہے۔۔۔۔۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی منت ہمارے ساتھ ہے !!!۔۔۔۔۔

کس کی جرات ہے کہ ہمارے راستے کی دیوار ہے۔۔۔۔۔؟؟؟

کون تم بھٹ ایسا ہے جو اس طوفان کا راستہ روکے۔۔۔۔۔؟؟؟

کون جستی ایسا ہے جو ہماری راہ میں گاتے بچھائے۔۔۔۔۔؟؟؟

تکمرانوں من لو۔۔۔۔۔ !!! اٹھکریں نہ انی ہو چکیں۔۔۔۔۔ چیزیں کوڑمک لگ چکا !!!۔۔۔۔۔

ہم پھر وہی جہنکار منہا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ پھر وہی زیور پہنتا چاہتے ہیں !!!۔۔۔۔۔

تم نے کیا سمجھا انگریز چلا گیا تو مجلس احمدیہ کی۔۔۔۔۔؟؟

ہرگز نہیں۔۔۔۔۔ جس ملک میں مرزائی حاکم ہوں اور مسلمان غلام ہوں۔۔۔۔۔ وہاں احمدی خاموش نہیں بن سکتے !!!۔۔۔۔۔

ہمیں قید خانوں میں رہنا منظور ہے۔۔۔۔۔ لیکن قسم بخواتی کوئی سمجھتا منظور نہیں۔۔۔۔۔

ہم تیار ہیں۔۔۔۔۔ تیار ہیں۔۔۔۔۔ تیار ہیں:

تو ذرا پیچیز تو دے تشنہ، معز اب ہے ساز

نفعے جہاب ہیں ہمارے نکلنے کے لئے

رات گئے جلسہ قسم جو اتو بھوک سے انتہیوں سکڑی تھیں۔ ہم بھوک مٹانے سدا کر ان ہاڑ کی طرف چلے گئے۔

یہاں ایک طرف کھلے میدان میں بہت بڑا خمیر اور ققمیں لگا کر ہوئل بنایا گیا تھا۔ دور دور تک اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

یہ ہوئل شاید نیا کھلا ہے۔۔۔۔۔ آؤ ذرا اس کا ذائقہ بھی چکھتے ہیں "چاند پوری نے کہا۔

"خوشبو تو لا جواب ہے۔۔۔۔۔ دیکھیں کچا ان ایسا ہو"

پنڈال کے اندر بہت سے لوگ کھانا تناول کر رہے تھے۔ ہم بھی ایک دسترخوان پر اُلٹی پالٹی مار کر بیٹھ گئے۔

ایک شخص دھڑکی والا نوجوان ہماری طرف آیا اور بولا:

"جناب آپ اس طرف تشریف لے آئیں۔۔۔۔۔ شرفاء کے لئے وہاں کرسیاں لگائی گئی ہیں"

چاند پوری پھڑک کر بولے "کمال کرتے ہو صاحب۔۔۔۔۔ ہوئل میں شرفاء اور غرباء کی تقسیم؟"

"یہ ہوٹل نہیں جناب.... مرزا کلیم بیک کا احمدی دسترخوان ہے.... فی سبیل اللہ"

چاند پوری ایک دم کھڑے ہو گئے اور کہا:

"آپ کو پہلے بتانا چاہئے تھا.... اللہ کا شکر ہے ہم نے کچھ کھاپی نہیں لیا...."

"کیا ہو گیا حضرت؟ ہم بھی اسی رسول کا کلمہ پڑھتے ہیں.... آپ کی طرح نماز پڑھتے ہیں.... قرآن و حدیث پڑھتے ہیں"

"مسئیر کذاب کی دست بھی یہ سارے افعال انجام دیتی تھی.... شکر یہ ہم چلتے ہیں..."

"چلیں آپ کی نظر میں ہم کافر ہی سہی.... مذہب انسانیت کا رشتہ تو ہے.... آخر عند و مشرک کا پکا ہوا طوطہ بھی تو مسلمان کھا لیتے تھے.... یہ تو پھر بھی حلال کچان ہے.... غیر احمدی قصاب سے گوشت لاتے ہیں ہم"

"ہات حلال حرام کی نہیں مرزا صاحب... اصول کی ہے.... قادیانیوں نے اسلام کے مقابلے میں ایک ڈپلیکیٹ مذہب ایجاد کیا ہے.. دن دہائے ڈاکہ مار کر ختم نبوت کا مال توڑا ہے.... اور بھائے اپنے اس فعل پر شرمندہ ہونے کے فخر کرتے ہیں.... گوشت بھلے حلال جانور کا ہو.... مذبح بے شک مسلمان کے ہاتھ کا ہو.... لیکن جب ایک ڈاکو کے دسترخوان پر سجا ہے تو از خود حرام ہو جاتا ہے"....

مرزا کلیم موندہ دیکھتے رہ گئے اور ہم بھڑال چھوڑ کر پھر نکل آئے۔

رات ۱ بجے ہم بابا فوٹ کی ریزیڑی پہنچے۔

"بابا دیوالے سری ہائے دینا" چاند پوری نے آواز کیا۔

"ہت سری ہائے تے ختم ہو گئے.... چکڑ چھو لے آہیں" ہمارے عاجزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے.... وہی لے آؤ"

"احمدی دسترخوان کی خوشبو یہاں تک آرہی ہے....؟" میں نے ٹھنڈی ڈیل روٹی توڑتے ہوئے کہا۔

چاند پوری ایک ٹھنڈی سانس لیکر بولے:

"جدید دور کے یہ سیائی پہلے دسترخوان پر بٹھاتے ہیں.... پھر شادی نوکری اور ایچھے مستقبل کا جھانسا دیتے ہیں.... پھر مرزا کی مسیحت کا

قائل کرتے ہیں.... پھر مہدایت کی اولاد میں اترتے ہیں.... اور جب بندہ اگلے اگلے تک دھنسن جاتا ہے تو مرزا کی نبوت کا اقرار کر دیا

کے نبی ﷺ کی محبت بھی چھین لیتے ہیں.... جو ایک منہ کار ترین مسلمان کی آخری پوچھ ہے.... اس لئے.... قسطوں میں ایمان لٹوانے

سے بہتر ہے بندہ فوٹ محمد کے چکڑ چھو لے ہی کھالے" !!!

پورے شہر میں ہو کا عالم تھا۔

ایسی ہڑتال کہ ہنسنا بستا لاہور شہر خوشاں کا منظر پیش کرنے لگا۔

دکانیں، منڈیاں، ریسٹورینٹیں، ٹھیلے سب الٹے پڑے تھے۔ آن وزیر اعظم کی لاہور آمد کا امکان تھا۔

صرف ایک رات پہلے مجلس عمل کے چند علماء مندیوں کے تمکیدیاروں سے ملے اور ایک دن کے لئے کاروبار بند رکھنے کی درخواست کی تاکہ تحریک ختم نبوت کا پیغام حکومت کے کانوں تک پہنچایا جاسکے۔

عصر کے بعد ہم زمیندار کے ایڈیٹر مولانا خضر علی خان کی گاڑی میں بیٹھ کر شہر کے حالات دیکھنے نکلے۔ منظر مظفر قسسی اور جناب ماسٹر صاحب الدین انصاری اصرار تھے۔ بہار کا موسم تھا۔ آملن پر پست کی پتھوں کا رنگ تھا اور شہر میں ختم نبوت کے پر والوں کا۔ بیرون دہلی گیت سے ابھرتی ہوئی، مجاہد ملت، عبدالستار خان نیازی کی مترنم آواز ماحول کو مزید پر کیف بنا رہی تھی۔

دنیا نے آیا کوئی تیری نہ مثال دا

میں لمحہ کے لے آواں کتنوں سو ہوتا تیرے نال دا

شہر میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے جلوس نظر آئے۔ مولانا خضر علی خان گاڑی روکتے اور انہیں جلد سے جلد جاس کا دیکھنے کی تاکید کرتے۔ بول لائن پہنچے تو ڈی۔ اے۔ وی صاحب کاٹھ کے سامنے کچھ کشیدگی نظر آئی۔ مولانا صاحب کاررواک کرہاں پہنچے گئے۔ ایک پولیس آفیسر بھاگتا ہوا ہماری گاڑی کے قریب آیا۔

"نعم الدین کیا مسئلہ ہے؟ سڑک کیوں بلاک ہے؟" مولانا خضر نے دریافت کیا۔

"حضرت.... ڈی اے وی کاٹھ کی محبت سے کچھ لوگوں نے مظاہرین پر پتھر اڑا دیا ہے.... ہم صورتحال کو کنٹرول کر رہے ہیں"

"ایک منٹ.... میں سمجھتا ہوں" یہ کہ کر قسسی صاحب گاڑی سے اترے اور مظاہرین کی طرف چلے گئے۔

"حضرات.... میری بات سنیں.... آپ لوگ ختم نبوت کے مہاکام کے لئے آئے ہیں.... فساد کے لئے نہیں"

"ہم نے فساد نہیں کیا حضرت.... کاٹھ کی محبت سے ہم پر پتھر اڑا ہوا ہے"

"انہیں اپنا کام کرنے دو.... اور تم اپنا کام کرو.... سب لوگ جلسے میں پہنچو.... ابھی فوراً..." قسسی صاحب نے عداوت کی۔

"کاٹھ سے کون پتھر اڑا کر رہا ہے؟؟" میں نے پوچھا۔

"قادیانی.... اور کون.... ڈی اے وی پنجاب کا سب سے بڑا کاٹھ ہے.... اندھیر گھری دیکھو اس کاٹھ پر بھی کھل طور پر مرزائی قابض

ہیں"

”کون ہیں یہ بزرگ؟؟“ میں نے چاند پوری سے دریافت کیا۔

”مولانا ظفر علی خان.... زمیندار اخبار کے بانی.... مولانا اور شاہ صاحب 1920ء میں چلنے والی تحریک خلافت کے رفیق تھے۔

مسلمانانِ بزمِ صغیر نے ایک الگ وطن کی جدوجہد شروع کی تو راستے جدا ہو گئے۔“

”لیکن زمیندار تو تحریک کا ساتھ دے رہا ہے“ میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

”ہاں وہ تو ہے.... لیکن ظفر علی خان اور حضرت بغدادی کے بچے مسجد شہید فتح واقعہ کے بعد محضت تھی..... جو آج دور ہوئی.....

الحمد للہ“ !!!

امیر شریعت نے مولانا کا تقاضا دیا۔ سینے سے لگایا اور مہراؤ نکرا بیچ نکالائے۔

مولانا ظفر علی خان مانگ رہے آئے اور کپکپاتے لہجے میں حوصلہ دل سنا یا:

زکوٰۃ بھی، حج اچھا، روزہ اچھا، نماز اچھی

مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کہ مروجوں میں خواجہ دیرپ کی عزت ہے

خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

امیر شریعت ڈانس پر آئے اور مجمع سے نعرے لگوائے۔

”تحریک خلافت کا شہسور!-----مولانا ظفر علی خان----- زندہ ہو !!!

تحریک آزادی کا ہے پاک سالار-----مولانا ظفر علی خان----- زندہ ہو !!!

مرزا بیت کے سرکاری وار-----مولانا ظفر علی خان----- زندہ ہو !!!

مجمع میں شاید ہی کوئی آنکھ ہو جو نہ نم نہ ہوئی ہو۔

شاہ صاحب وہاں تقریر کرنے لگے تو قضا میں سائرن کی گونج سنائی دی۔

وہ تقریر روک کر کھڑے ہو گئے۔

پورا مجمع مزہ کر شاعرہ کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے ہونہر بھائی سرکاری گاڑیوں کا ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ وزیراعظم سرگودھا میں فنکار کھیل

کر واپس آ رہے تھے۔

مجمع سے کسی نے کہا:

”خواجہ صاحب لاہور پہنچ گئے ہیں“

شاہ صاحب یہ وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ انہوں نے اپنی ٹوپی سر سے اتاری اور کر بے:

”سنو۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔ چھوڑو ساری باتیں۔۔۔۔۔ لاہور والو!!!!“

کوئی ہے۔۔۔۔۔؟؟؟ کوئی ہے جو میری یہ ٹوپی خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جائے۔۔۔۔۔؟؟؟“

مجمع سے سسکیوں کی آوازیں آنے لگیں۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ جاؤ میری یہ ٹوپی خواجہ ناظم الدین کے قدموں میں ڈال دو!!!“

یہ ٹوپی آج تک کسی کے سامنے نہیں جھکی۔۔۔۔۔ کسی انگریز کے سامنے کسی لارڈ کے سامنے نہیں جھکی!!!۔۔۔۔۔

جاؤ اسے خواجہ کے قدموں میں ڈال دو!!!۔۔۔۔۔

جاؤ جاؤ اسے بتادو۔۔۔۔۔ ہم تیرے سیاسی حریف نہیں ہیں!!!۔۔۔۔۔

ہم تیرے رقیب نہیں ہیں۔۔۔۔۔ ہم انکیشن نہیں ٹریں گے۔۔۔۔۔ تجھ سے اقتدار نہیں چھیننے کے۔۔۔۔۔

ہاں ہاں۔۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔۔ میری یہ ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ سرکاری خزانے میں اگر سڑکوں کا کوئی ریلوے ہے

نٹاری وہ بھی چرانے کو تیار ہے!!!!۔۔۔۔۔

مگر شرط صرف یہ ہے۔۔۔۔۔ شرط صرف یہ ہے کہ سرور کو نین فہ ایبل وائی ٹی وی کی ختم رسالت کا قانون بنادے!!!۔۔۔۔۔

کوئی میرے آقا علیہ السلام کی توہین نہ کر سکے!!!!۔۔۔۔۔

دستار ختم نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے”!!!!۔۔۔۔۔

شاہ صاحب بول رہے تھے اور مجمع بے قابو ہو کر دھاڑیں مار مار کر رہا تھا۔

16 فروری۔۔۔۔۔ 1953ء گورنمنٹ ہاؤس لاہور

تحفظی سیاہ رات میں ہم گورنمنٹ ہاؤس کا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔

کافی دیر بعد بغلی دھچک پوسٹ کی کھڑکی سے ایک مردلی نے سر باہر نکالا۔

”اکتوں ملنا ہے؟“

”وزیر اعظم صاحب کو“ مولانا ابوالحسنات نے کہا۔

"خیریت اسے؟ انیس ویلے؟"

"وزیراعظم کو بتاویں کہ مجلس کا وفد آیا ہے"

سنتری کھڑکی بند کر کے اندر گیا۔ تقریباً س منٹ بعد کھڑکی دوبارہ کھلی۔

"اپنا اپنا تے سیاسی وابستگی دتو؟"

"میں جمیعتِ علمائے پاکستان سے ہوں.... اور باقی لوگ مجلسِ احرار سے"

"سوری چاچا.... احراریاں واسطے منع کیا PM سب نے "ہرولی" کہا۔

"میں اپنے وفد کے بغیر اندر نہیں جاؤں گا.... آپ وزیراعظم سے بات کریں" ابو الحسنات نے جواب دیا۔

اردلی کچھ روڈ وکد کے بعد اندر چلا گیا۔ ہم گورنمنٹ ہاؤس کے پورے صحنے پر تھے۔ سردی کی وجہ سے ہمارے مونہوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پچا پچا واپس آ گیا:

"آ جاؤ چاچا.... گیٹ کھلا ہے...."

گورنمنٹ ہاؤس کے وسیع، عریض لان سے گزر کر ہم ایک شاہراہ پر پہنچے۔ سردی ہمیں نرم صوفوں پر بٹھا کر

وزیراعظم کو اطلاع دینے چلا گیا۔ کمرے کی تزئین و آرائش لاجواب تھی۔ صوفیوں پر خوبصورت نقش و نگار، قد آدم جیسی سنگرز، دیدہ

زیب، رنگ دروغن، بیش قیمت عفرے، نگہ بان، خوبصورت قالین، انگلیشی میں چلتے کوٹے کی حدت۔

ہمیں اسی وقت نسبتاً روڈ پر رات کے جلسے کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ عاشقینِ قسم نبوت سردی میں صحنے کا پتہ لگاتے لگاتے کا خطاب

سننے کے لئے جمع ہو چکے تھے۔

کچھ ہی دیر میں اچکن اور جناح کیپ پہنے وزیراعظم کمرے میں داخل ہوئے۔ ہم سب نے اٹھ کر استقبال کیا۔ وہ ہمیں ٹھٹھنے کا اشارہ کر کے

سامنے والا ٹیبل گھیر کر بیٹھ گئے۔

"جی... ملونا سا ڈب.... سٹہ ہے لیور میں کوئی بڑا قول؟ گیر وہاں ہے؟" انہوں نے بظاہر سکون نظر آنے کی کوشش کی۔

"جی ہاں.... اب خود ہی فیصلہ کیجئے کہ عوام کیا چاہتی ہے" ابو الحسنات بولے۔

"ہم تو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، اب ایک ہی دعا کرتا ہے.... یہ ہند!!! ہم کو اٹھالے.... یا بھڑا اللہ کو اوپر بلا لے" وزیراعظم نے کہا۔

"اللہ آپ دونوں کو غرض خیر عطا کرے.... کسی کے مرنے سے مسائل حل ہوتے تو اس وقت نسبتاً روڈ پر مجمع کے ہاتھ میں پتھر ہوتے

"...."

"چیلک ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہوگا؟" وزیراعظم نے پوچھا۔

"چیلک اپنے نیک وزیراعظم کے لئے اچھا سوچتی ہے اور نیک امید رکھتی ہے۔ آپ فی الحال صرف سر ظفر اللہ کو درخواست کر دیں۔۔۔

عوام بھی شانت ہو جائے گی اور آپ کا سیاسی قدم بھی بڑھ جائے گا" ابو الحسنات نے کہا۔

"یقیناً... یہ کاغذ اٹھ جائے تو قوم کا درد نصف رہ جائے گا" ماسٹر جان الدین نے تصدیق کی۔

"ماسٹر سوب... تم سے ہمارا بات نہیں ہے۔۔۔ ہم تو ملتان سے بات کرتا ہے" وزیراعظم نے انتہائی ناگوار سی سے کہا۔ ان کے سچے میں وہی خواہش تھی جو مسلم لیگ اور تحریک احمدی میں تیس برسوں سے چلی آ رہی تھی۔

"بہت بہتر جناب !!!" ماسٹر صاحب بولے۔ "میں اب خاموش رہوں گا"

"وزیراعظم صاحب !!! اچھا ہم آپ کی مشکلات بڑھانے نہیں، ان کا دوا کرنے آئے ہیں۔۔۔" ابو الحسنات رونے لگا "میں آپ

سے محمد ردی ہے۔۔۔ آپ نیک آدمی ہیں۔۔۔ فرمائیے تو کسی آخر مشکل کیا ہے۔۔۔ تاکہ ہم اس مشکل کا کوئی حل نکالیں؟؟"

"آپ کو ہمارا مسئلہ کا احساس ہوتا تو پھر کیا مسئلہ تھا" وزیراعظم ایک ٹھنڈی مائنس لہر بولے۔

"پوری قوم آپ کی پشت پر کھڑی ہے وزیراعظم صاحب !!!۔۔۔۔۔ آپ قدم تو بڑھائیں۔۔۔۔۔ آج اگر آپ ہمارے مطالبات مان لیں،

یقین کریں آپ کے نام کے ڈکے بچا نہیں گئے۔۔۔۔۔ پھر کسی کو عزت نہ ہوگی کہ آپ کی طرف سبلی آنکھ سے بھی دیکھ سکے"

"ہم جانتا ہے" وزیراعظم غمری سے پشت لگا کر بولے "زانا ہے ہم کہ آج آپ کا بیٹا زانا لے تو چیلک یو بہت خوش ہوگا۔۔۔ ہمارے

گلے میں غلوں کے ہار ڈالے گا۔۔۔۔۔ جندو ہڈ کا نعرہ لگائے گا۔۔۔۔۔ زانا ہے" !!!

"تو پھر بسم اللہ کیجئے۔۔۔۔۔ دیر کس بات کی۔۔۔۔۔ قوم آپ سے کپڑا نہیں مانتی۔۔۔۔۔ روٹی نہیں مانتی۔۔۔۔۔ رہنے کو مکان نہیں مانتی۔۔۔۔۔ ختم

نبوت کا قانون ہی تو مانگ رہی ہے۔۔۔۔۔ لوگ پھر سردی میں آپ کے فیصلے کے خنجر کھڑے ہیں" !!!

"دیکھو ملتان سب۔۔۔۔۔ ہم آپ کو سزا دے۔۔۔۔۔ کس باتیں یو بہت جگہ بولتا ہے۔۔۔۔۔ پنجاب کا پارلیمنٹ ہوا۔۔۔۔۔ برا برا؟؟۔۔۔۔۔ اب بھارت نے

کیا کر ا کہ تینوں دروازوں کا پانی بند کر دیا۔۔۔۔۔ ایک دم مولک میں سونگھنے لگا۔۔۔۔۔ پروبر؟؟۔۔۔۔۔ پاکستان کی آجی کی کو پاؤنس سال ہو اور بھارت

ہماری سہ رگ پکڑ کے بیٹھ گیا ہے۔۔۔۔۔ نہ بھارت کرتا ہے۔۔۔۔۔ نہ کسی نے کو ریڈی ہے۔۔۔۔۔ ہم ورلڈ بینک گیا۔۔۔۔۔ وہ بھی ہمارا بات نہیں سنا

۔۔۔۔۔ اب کوئی ننگی آنکھ کے چوک میں کھڑا ہو جائے تو آدمی کیا بولے؟؟ یہ مسئلہ ہے ہمارا۔۔۔۔۔ بھارت ہمیں غبر کرنے پہنچا ہے" !!!

کچھ دیر کے لئے کمرے میں سکوت سا چھا گیا۔

"لیکن اس مسئلے کا سر ظفر اللہ خان سے کیا تعلق ہے؟" کچھ توقف کے بعد ابو الحسنات بولے۔

"آپ کو ملک کی گجائی صورتحال کا علم نہیں۔۔۔۔۔" وزیراعظم نے دراز سے ایک فائل نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ محکمہ خوراک کا پھانسل ہے

..... جتنا فہم ایشیاک میں تھا.... سب کھلاں ہو گیا ہے.... کال ہمارے سر پر کھڑ ہے.... پبلک گندم کے دانے دانے کو ترسنے والا ہے.... "وزیراعظم کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔"

ایک اردلی چائے اور پانی کی ٹرالی دھکیلتا ہوا تھر دواخل ہوا۔ مگرے کی بو بھل فقہاء میں چائے کی خوشبو پھیلنے لگی۔

"یو بہت مشکل وقت ہے" وزیراعظم نے خاموشی توڑی۔ "اس نابلت وقت میں.... سر جعفر اللہ خان اپنے جاتی تعلقات استعمال کر کے امریکی کانگریس سے ایک بل منظور کروانے کا کوشش کر رہا ہے.... اگر یہ کام ہو گیا تو امریکہ ہم کو سات لاکھ پچاس ہزار ٹن گندم فری میں دے گا.... یہ کام صرف جعفر اللہ خان ہی کر سکتا ہے.... اگر آپ کر سکتا.... تو ہم جعفر اللہ کو بھنا کے گل ہی آپ کو وجہ غار زوینا دیتا"

"آپ بے فکر ہو جائیں.... نہیں بڑے کا قلم" ابو الحسنات چلی رکتے ہوئے بولے "رزق دینے والی ذات ہر کت اللہ تعالیٰ کی ہے، ہم سب دعا کریں گے، لہذا استقامت چھیں گے، قسم نبوت کے صدقے رب ہماری ضرورت سنے گا"

"آسمان سے آنا برسنے سے تو رہا" وزیراعظم نے کہا "پبلک روٹی مانگتا ہے.... پیٹ نہیں بھرے گا تو سورا کرے گا.... ہمارا قریبان بھرے گا.... قوم کا بھانجہ بدلتے کون سا دیر آتا ہے.... چند ہوا سے مردہ ہوا ہونے میں صرف ایک روٹی کا بھرق ہے.... ایک روٹی کا بھرق.... کیا بولے گا؟"

"اجازت ہو تو ایک بات کہوں؟" ماسٹر جان الہ یں بول ہی پڑے۔

"جی بولے" وزیراعظم فائل دراز میں رکھتے ہوئے بولے۔

"خواجہ صاحب!!! قوموں کی زندگی میں بعد گھڑیاں انتہائی فیصلہ کن ہوتی ہیں.... عوام کا مقدر کسی ایک شخص کی منہمی میں دے دیتا ہر ترین غلامی ہے.... جب لیڈر ملک سے زیادہ اہم ہونے لگے تو ہر قوم کا مقدر بن جاتی ہے.... کیوں نہ چند دن صبر کر کے.... روکھی سوکھی کھا کے.... گزار کیا جائے.... اور قوم کو سر ظفر اللہ سے آزادی کرایا جائے.... کہیں ایسا نہ ہو وہ گندم کے بدلے قوم امریکہ کے پاس گروی رکھ آئیں.... اور ہماری آنے والی نسلیں آنے کے لئے ہمیشہ امریکہ کی طرف دیکھتی رہیں.... شاید یہی ہماری اصل آزادی کا نظارہ ہو"

وزیراعظم خاموش ہو کر جھٹ کے فانوس کو دیکھنے لگے۔

25 فروری.... 1953.... کراچی

الہی معلم کی معیاد ختم ہو گئی۔

ہم حاجی گھسٹا خان حلیم شاپ "پر ٹیچ اڈا رہے تھے کہ بندر روڈ کی طرف سے ایک سفید رنگ کی موٹر کار آتی دکھائی دی۔ لوگ اندازہ کر اس کار کا استقبال کر رہے تھے۔ جس کا بیس چلتا موٹر کار کو چومتا، کوئی ہاتھ لگا کر نہال ہو جاتا، کوئی روپاں مس کر سہ۔ غرض کہ عجب منظر تھا۔ ان حالات میں کار رینگتی ہوئی گورنمنٹ ہاؤس روڈ کی طرف مڑ گئی۔

"کون آیا ہے اس گاڑی میں" میں نے چاند پوری سے پوچھا۔

"وہی جن کی دنیا دیوانی ہے بھینا.... ختم نبوت والے.... اب چھوڑو حلیم اور نکلو" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

نگلی اشارہ پر ایک خلعت کشیدہ کھڑی تھی۔ لوگ پہ وانوں کی طرح رہنماؤں پہ نوٹ نوٹ کر گردے تھے۔ کراچی والوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔

میں بمشکل اتنا ہی دیکھ لیا کہ مہوئی کی اس کار میں دو بریلوی، دو دیوبندی، اور ایک شیعو عالم سوار ہیں۔ ابو الحسنات سید احمد قادری اگلی سیٹ پر جلوہ افروز تھے۔ شاید اسی لئے بناؤ گائے چل رہی تھی۔

عوام جوش و خروش سے نعرے لگا رہے تھے.... جن تختہ ختم نبوت.... زندہ ہو!!!

گورنمنٹ ہاؤس پہنچے پہنچے ہمیں ایک گھنٹہ لگ گیا۔

علامہ کا یہ وفد اقامت جنت کے لئے آخری پارو میرا عظمٰی خواجہ ناظم الدین سے ملنے آیا تھا۔ وفد کی قیادت مولانا عبدالحمید الہادی کر رہے تھے اور وفد میں ابو الحسنات ماسٹر حاج الدین انصاری، مولانا لال حسین اختر اور مظفر علی قسسی شامل تھے۔

وزیراعظم بھی شاید وفد ہی کا انتظار فرما رہے تھے۔ سرور عبدالرب نشتر بھی موجود تھے۔ وزیراعظم نے حسب معمول علماء کا پر تپاک استقبال کیا اور نہایت ادب و احترام اور عاجزی سے پیش آئے۔

"اختر علی خان نظر نہیں آ رہے" وزیراعظم نے ملنے ہی پر چلے۔

"وہ بہاولپور میں ہیں.... آج وہاں APNS کا قیام عمل میں آ رہا ہے" مولانا الہادی نے وضاحت کی۔

"ابن کو بلاؤ یاد.... سیکرٹری!!! واہی تنگ سیرو...." بھولا "وزیراعظم نے کہا۔

"میں سر!!!" سیکرٹری ڈائری میں نوٹس لینے لگا۔

میں نے سرگوشی کی "واقعی واہی تنگ جائے گا مولانا کو لینے؟"

چاند پوری آنکھ مارتے ہوئے بولے "مرے نہیں یاد.... بدشاہ سلامت کچھ باتیں حالت جذب میں بھی کیا کرتے ہیں"

حال احوال پوچھنے کے بعد وزیراعظم نے کہا:

"امید ہے کہ آپ حجراتِ دہرا حکومت کی جیت دو کار کا بروہر کھیال رکھے گا"

"ہاں اب بھی امید ہے کہ آپ ہمارے مطالبات پر ضرور غور فرمائیں گے" بروہی صاحب نے کہا۔

"دیکھئے... پانچابا بات تو یہ ہے کہ... میں آپ حجرات کو یہ سنبھالے کہ ختمِ نبوت کو ہم ایک دم بروہر مانا ہے... کیا بولے گا؟؟ لیکن کیا ہے کہ ہم وجہِ انہم ہے... ہمیں بوہر کس دیکھنا چاہتا ہے... ملکی سیکرٹس ایسٹیشن ہے کہ کوئی نیا نیٹیشن لیا جائے... چائے ہی بوہر نیٹیشن ہے... کیا بولے گا...؟؟"

"خواجہ صاحب!!! اگر آپ... اس وفد سے وعدہ ہی کر لیں کہ مسلم لیگ مرزاہیت کو دہرا اسلام سے خارج کرنے کے لئے کامیاب میں قرار دالائے گی تو ہم اپنی تحریک کو نرم رکھ سکتے ہیں" بروہر احسانت نے کہا۔

"دیکھو... یہ جو سرکاری قادیانی کو سرکاری طور پر کافر بنانے کا ماسک ہے... یہ تھوڑا سا سلیکیٹنڈ ہے... مطلب... سید حائیس ہے... کیا سزا؟"

"خواجہ صاحب!!!... یہ مسئلہ تو بچے کی طرت سید صاحب" مولانا قال حسین نے کہا۔
وزیرِ اعظم نے کرسی سے پشت لگائی اور بولے:

"دیکھو ملونا... مر جویوں کا دوسیکٹ ہے... کیا بولے گا؟؟؟"

ایک سیکٹ جس کو ہم لکھ دی ہوتا ہے، دوسرے جا کو یہ وقت مانتا ہے... بروہر؟؟

دوسرا سیکٹ جو ہے... لہوری گروپ... دوسرے جا کو یہ وقت نہیں ہوتا... نام ہوتا ہے... کیا سزا؟؟؟

اب کس کیا ہوتا ہے... کس کیا ہوتا ہے!!!

اب مسئلہ یہ ہے کہ لہوری گروپ کو کائے کافر بتایا جائے گا؟؟... اور اس سے بھی بڑا مسئلہ جو ہے... وہ یہ ہے کہ معلوم کیسے پڑے گا کہ غلوں نسراہر جا کو نام مانتا ہے... اور غلوں یہ وقت!!!

اب ریاست جو ہے... کیا ایک ایک مرئی کا لنگی آٹھا کے بچے سے گا کہ شہر جا کو یہ وقت مانتا ہے... نام مانتا ہے یا کس اور مانتا ہے؟؟... مطلب اس میں تھوڑا سا سلیکیٹنڈ ہے... کیا بولے گا؟؟؟"

"دیکھئے خواجہ صاحب" مولانا بروہر احسانت نے کہا۔ "کریلا صرف کریلا ہوتا ہے، کیا ہو، نیم چڑھا ہو یا چور اپکا... لہوری گروپ جس شخص کو نام مانتا ہے، اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں نہیں، بجا تکہ دلِ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور جو شخص جھوٹے دلِ نبوت سے عقیدت رکھے، اس کے لئے نرم گوشہ اختیار کرے، اسے نام کا درجہ دے یہ صلاح کار سمجھے، بہر صورت کافر ہے"

"ایک دم بروہر... ہم صرف یہ بات بولنا ہے کہ بہر حال یہ ایک ناچک ماسک ہے"

اس کے مولانا ابوبنی بول اٹھے:

”جناب ہم ہر بار آپ کو مسئلے کی نزاکت ہی تو سمجھانے آتے ہیں.... باہر آکر کوئی شخص سڑک پر کھڑا ہو کر وزیراعظم پاکستان ہونے کا اعلان کر دے... تو پانچ منٹ میں آپ کی پولیس اسے اور اس کے پیشروؤں کو ہریسٹ کر لے گی.... یہاں مسئلہ دعویٰ نبوت کا ہے.... یہ ہم سب کے ایمان کا سوال ہے.... کل ہمیں اپنے رب کے سامنے پیش ہونا ہے.... جواب دینا ہے.... کیا اللہ ہم سے پوچھے گا نہیں کہ میرے نبی ﷺ کے تحت نبوت پر ڈاکہ مارنے والوں کو آپ نے دُشمنوں کے تاج پہنار کئے تھے؟؟ یہ صرف چند سولویوں کا نہیں... ہر مسلمان کے ایمان کا مسئلہ ہے“

اس دوران سردار عبدالرب نشر بولے:

”اوپر مزارائیوں کو غیر مسلم قرار دینے میں ایک اور خدشہ ابھی ہے غیر مسلم قرار دینے کے بعد ان کے حقوق تسلیم کرنا ہونگے.... اور انہیں ہاقاعد والوں ان ہالامیں سنبھال دینا چاہیگی“

”ہم مزارائیوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے نہیں آئے....“ مولانا ابوبنی نے وضاحت کی ”ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ عمر عربی کا بی دکار اور مزارا کا دیانی کا پیشرو ایک خانے میں نہ لکھا جائے.... ان کے لئے الگ الگ خانے ہوں.... تاکہ صحیح معنوں میں جہاں انتقامات ممکن ہو سکیں“....

”آپ کا سب بات ایک بروہر ہے.... اللہ جانتا ہے کہ ہم بھی مروجی کو کاٹری سمجھتا ہے.... بروہر ۲۲ قانونی بات بھی تم نے سب سزا دیا.... لیکن ہمارا مزیداری ہے.... کاس ہم آپ کا بات مان سکتا.... ہم کو بروہر افسوس ہے.... فی الحال ہمارا ایسا پوزیشن ہے کہ آپ کا بات مان سکے“

”آپ کی مجبوریاں ہو گئی....“ مولانا ابوبنی اٹھتے ہوئے بولے۔ ”ہماری کوئی مجبوری نہیں.... ہم تو بس اپنا فرض ادا کرنے آئے تھے.... آپ کے پاؤں میں اگر نیاداری کی چیزیں ہیں.... تو حشر سول شریف نے ہمارے بھی ہاتھ بندھ رکھے ہیں.... فیصلہ قسم نبوت کی حفاظت کے لئے ہم سوہا بھی آپ کے پاس چل کے آئے کو تیار ہیں.... لیکن ایک قدم پیچھے ہٹنا ہمارے بس کی بھی بات نہیں رہی“

”کیا کریں.... ہمیں اپنا مزیداری بھی تو نبھانا ہے!!!“ وزیراعظم نے زنجی ہو کر کہا۔

”آپ اپنی ذمہ داری نبھائیں... ہم اپنا حشر نبھائیں گے“ ابو الحسنات نے صوفیانہ دھار سے جواب دیا۔

وزیراعظم وفد کے ساتھ چلتے ہوئے گیسٹ تک آئے پھر سونر کار کلاؤر وازو کھول کر کھڑے ہو گئے۔ بڑے دلوں و احترام سے مولانا ابو الحسنات کو سوار کر لیا۔ اکابرین بھی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ سونر کار اسٹارٹ ہوئی اور دھواں چھوڑتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وزیراعظم نے جیب سے رد مال نکال کر آنکھیں صاف کیں اور حشر صاحب کو ساتھ لئے تھکے قدموں سے واپس دفتر کی طرف چل دیے۔

ہم مزک ناپ کر سیدھا آٹا پتھر اور ایک کھوکھلے پر چنہ کر چائے پینے لگے۔

ریڈیو پاکستان کراچی مذاکرات کی جھوٹی سخی خبریں دے رہا تھا۔ موسم کو مذاکرات میں پیش رفت کی گھاس کھلائی جا رہی تھی۔ شہر پسندوں پر کڑی نظر رکھنے کی تاکید کی جا رہی تھی اور ملک میں امن و امان اور شانتی کا ڈھنڈور بیٹا جا رہا تھا۔

خبروں کے بعد محسن بھوپالی کی غزل شہر بھوئی تو میری بھی آنکھیں بجیک اٹھیں:

چاہت میں کیا نیاداری، عشق میں کیسی مجبوری

لوگوں کا کیا سمجھانے دو، ان کی اپنی مجبوری

میں نے دل کی بات رکھی اور تو نے دنیا والوں کی

میری عرض بھی مجبوری تھی ان کا عزم بھی مجبوری

روک سکتا تو پہلی بارش کی بوندوں کو تم روکو

کتنی مٹی تو مہلے کی ہے مٹی کی مجبوری

26 / 25 فروری.... 1953.... کراچی

پورا دن انوائسوں اور چے میگیٹوں میں گزار گیا۔

حکومت آخری چارے کے طور پر ”موتو یوں“ کو توڑنے کی جدوجہد کرتی رہی جو کسی ہانڈی طرح آپس میں جڑ چکے تھے۔ کچھ روز پہلے ہی

مولانا مال حسین اختر کی کوششوں سے مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا مفتی محمد شفیع کی صلح ہوئی تھی۔ اب حکومت پر انداز لگا کر اہل

تشیع کو تحریک سے الگ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پہلے سید مظفر علی قسسی صاحب کو اکیلا وزیراعظم بلاس طلب کیا گیا۔ ڈرایا دھمکایا

گیا۔ پھر ریڈیو پر وزیراعظم کا یہ بیان سنایا:

”بااثر علماء ہمارے ساتھ ہیں“ !!!

”قسسی صاحب اور مودودی صاحب تو گئے !!!“ میں نے خیال ظاہر کیا۔

”قسسی صاحب ایسا نہیں کریں گے.... ہاں مودودی صاحب کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ عوامی مظاہروں کے حق میں نہیں.... وہ

اس جنگ کو قانونی طریقے سے لڑنا چاہتے ہیں.... البتہ عوامی مزاحم کچھ اور ہے“

ہم آرام باغ کے محفل گھاس پر بیٹھے سمو سے کھا رہے تھے۔

کچھ ہندو خا کروہ ہانڈی صفائی میں مصروف تھے۔ رات کو یہاں مجلس عمل کا جلسہ ہونے والا تھا۔

"یہ وہی جگہ ہے جہاں کبھی رام اور سیتا نے اپنے دن بٹائے تھے" چاند پوری بول اٹھے۔

"ایک فی افواہ!!!!!" میں نے کہا۔

"یقین کر دو.... اس کا نام "رام باغ" تھا.... جو بگڑ کر آرام باغ ہو گیا"

"واہ!!! بڑی ہرخی جگہ ہے.... اچھا اور کیا کیا ہوا تھا اس باغ میں؟" میں نے سوسے کھاتے ہوئے چاند پوری کو مصروف رکھنے کی کوشش کی۔

"ہنگوہ آزادی 1857ء کے مجاہدین کو توپوں سے ہتھکڑ کر اڑایا گیا تھا اسی باغ میں "انہوں نے انکشاف کیا۔

"اللہ اکبر.... اس لحاظ سے تو اس کا نام "خونی باغ" ہونا چاہئے تھا"

1947ء میں جڑوں میں مہاجرین آکر غمیرے تھے اسی باغ میں.... تب سے اسے آرام باغ کہا جانے لگا"

"سبحان اللہ.... پھر تو آرام باغ ہی ٹھیک رہے گا۔"

ایک ہاکر ہمارے پاس سے گزرا تو میں نے شام کا اخبار خرید لیا۔

"یہ ہمارے وزیراعظم جانے کس دھرم کے ہیں.... بیل میں تو لٹل میں ماشہ...." میں نے کہا۔

"کیوں کیا لڑتے ہیں....؟؟؟"

"فرماتے ہیں گراہی ہماری راجدھانی ہے.... باہر سے آنے والے چند نکلاں یہاں قبضہ نہیں کر سکتے"

"اٹکھو دوست.... سیاسی، سماجی اور سیاسی کا کوئی دھرم نہیں ہوتا.... یہ لہتی سوجی کے خود فدا ہوتے ہیں"

"واہ کیا بات کہی!!!.... سبحان اللہ!!!!!" میں نے آخری سوسر لپیٹے ہوئے کہا۔

راستہ ہوتے ہی جہانگیر پارک میں سرفروشوں کا میلہ جڑ گیا۔

تین روزہ ختم ہوتے کانفرنس کا آج آخری جلسہ تھا۔ شام ہوتے ہی لوگوں کے ٹھونگ لگ گئے۔ پارک میں ریل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو لوگ اوپر اوپر مارتوں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ کم و بیش ایک لاکھ کی حاضری تھی۔ جلسے کا نظم و ضبط اور حاضرین کا جوش و خروش مثالی تھا۔ اور اس جوش و خروش کی سب سے بڑی وجہ گراہی کے دو بڑے علماء کے سچے ہونے وہی صلح تھی۔

مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا شفیع بھٹی بدایا کی استیج پر ظہر ہوئے تو خطاب فرقوں کے پر جوش کارکنوں نے اختیار اٹھ کر ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔

علامہ مظفر علی شمسی استیج پر نظر آئے تو عوامی نعروں سے پورا ہلچل مچ اٹھی:

"شمسی صاحب جواب دو.... آپ کس کے ساتھ ہو"!!!

لوگ اس پر دیکھنے کے کا توڑ چاہتے تھے جو ان کی وزیراعظم سے تھاملا کات کے بعد ہیہا ہوا تھا۔

شمسی صاحب بھی دن بھر کے دباؤ کی وجہ سے خوب ہوا میں تھک چکے تھے تاکہ پر آئے تو جوش و جربات کے سمندر پہلا ہے:

"خواجہ صاحب فرماتے ہیں... کراچی میری راجد حانی ہے اور ہم پھر سے آئے ہوئے چند بے قیمت نکالیں... ۲۲

کراچی والو!!! ہاؤ... کراچی کس کی ہے؟ ۲۲؟ خواجہ ناظم الدین کی ۲۲؟

مجھے سے شورا تھا "میں... نہیں"

"یاندایان ختم نبوت کی ۲۲.... ہاؤ ہاؤ"!!!!

"آج ہر سچ اپنے آپ کو ہر ارسی ہے.... کیا حسین رضی کے ہاؤ ہاؤ بن جیم ہو گیا ہے؟

کیا کراچی ہمارے لیے کوف بن گیا ہے؟

خواجہ صاحب من لیجئے!!! ہم یہاں سوراگری کرنے نہیں آئے.... نہ ہی تمہاری کرسی مجھنے آئے ہیں... سرکار مدینہ ﷺ کا تانی

نبوت خطرے میں گمراہ ہے... ہم حکومت سے ناموس رسالت کی تحقیر حانی مانگتے آئے ہیں.... ہمیں وزارت نہیں چاہیے، دولت نہیں

چاہیے، ہم اسلام کے بنیادی مسئلے کی خاطر تمہارے پاس آئے ہیں اور تم کہتے ہو کراچی میری راجد حانی ہے؟ ۲۲؟ وزیراعظم صاحب

!!!!!! ڈر ہاؤ اس سے باہر آئیے.... اور آکر دیکھئے کہ کراچی کس کی راجد حانی ہے؟ ۲۲؟

ہر شخص دیوانہ و مستانہ ہوا جاتا تھا۔ لوگ اسی وقت جیل جانے کو تیار تھے۔ جب شمس صاحب نے پوچھا کہ ناموس رسالت کے لئے کون

کون جیل جانا چاہتا ہے تو مجمع بے قابو ہو کر اسٹیج پر ٹوٹ پڑا۔

اس موقع پر ماسٹر تاج الدین نے حوام سے ہدایت کی کہ امن رہنے کی بات کرتے ہوئے کہا:

"ہم خواجہ صاحب سے التجا کرتے ہیں.... کہ وہ حوام کے مطالبات پر کان دھریں.... ابھی رات باقی ہے.... صبح ہمیں بلو لیجئے.... تسلی

سے سوچئے.... ایک ہار پھر غور کر لیجئے.... اور قوم کو نیک فیصلے سے سرفراز کیجئے.... ہم آپ سے الجھنے نہیں آئے.... نہ ہی شہر کا امن تباہ

کرنا چاہتے ہیں.... ہماری اب بھی دلی دعا ہے... کہ کل کا سورج کسی سمجھوتے کی نوید بن کر ابھرے.... خدا را قوم کے منفعت مطالبات

مان لیجئے.... اللہ آپ کو اس کی توفیق دے.... آمین... ثم آمین"!!!!

⊙-----⊙

حضرت امیر شریعت نے جربات سے بھرپور تقریر کی اور مشق مصطفیٰ کا حق ادا کر دیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو مشق مصطفیٰ میں پر غم نہ تھی۔ اور

کوئی دل ایسا نہ تھا جو عشق رسول میں خوب نہیں رہا تھا:

"قل ان ملائقہ..... وُنسکی..... وُنجائی..... وُنملاتی..... سر..... سرپ العالمین..... ہے شک..... میری نماز....."

میری قربانی..... میرا جینا..... میرا مرنا..... ہنہ کے لئے ہے..... جو سارے جہانوں کا رب ہے.....

لائی بعد محمد ﷺ..... لا امت بعد امت محمد ﷺ..... کراچی والو!!!! یاد رکھو..... یہ نماز..... یہ روزہ..... یہ حج..... یہ زکوہ..... یہ شریعت..... یہ طریقت..... یہ حقیقت..... یہ تہذیب..... یہ تمدن..... یہ اخلاق..... یہ مذہب..... یہ پورا دین اسلام حضور ﷺ کی ختم المرسلین کے مگر طواف کر رہا ہے!!!!

"مسلمانو.....!!!! ختم نبوت کے عقیدہ کو یوں سمجھو جیسے یہ ایک مرکز دائرہ ہے..... جس کے چاروں طرف توحید و رسالت،

قیامت، ملائکہ کا وجود، صحفِ ہادی کی صداقت، قرآن کریم کی حقانیت و اہدیت، عالم قبر و برزخ، یومِ انشور یومِ الحساب گردش کرتے ہیں۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ہل جائے تو سارا نظام و رہنم برہم ہو جائے گا۔ دین نہیں بچے گا، بات سمجھ میں آئی.....؟؟"

مزید سمجھیے.....!!!! جس طرح روشنی کے تاب مراحب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں..... اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراحب و کمالات کا سلسلہ بھی حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود و مسود پر ختم ہو جاتا ہے..... آپ کی نبوت و رسالت وہ مہر و خشاں ہے جس کے طلوع کے بعد اب کسی روشنی کی مطلق ضرورت نہیں رہی..... سب روشنیاں اسی نورِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم میں مدغم ہو گئی ہیں..... جیسی تو بخیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر آتی موسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں زندہ ہوتے تو انھیں بھی بجز میری اتباع کے چارہ کار نہ ہو..... اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آخر زمان میں تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ابو بکر و عمر کی طرح امتی اور خلیفہ کی حیثیت سے.....

حکومت کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص بھی ختم نبوت کے تحت کی طرف مقلد آئندہ سے دیکھے گا، ہم اس پر قہر الہی اور صدیق اکبر کا انکلام بن کر لوٹ پڑیں گے.....!!!!

صاحبزادہ سید فیض الحسن تقریر کے لئے اسٹیج پر آئے تو کسی مرید نے ان کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال دیا۔ انہوں نے وہ ہار فوج پھینکا اور کہا "یہ وقت ہار پہننے کا نہیں میرے عزیز!!!!... سرکارِ دو عالم ﷺ کی آبرو کو خطرہ ہو اور میں پھولوں کے ہار پہنتا پھروں؟؟ جھٹکریاں پہننے کا موسم ہے..... جڑیاں پہننے کا موسم ہے..... ہمیں چاہیہ نہ نچر کر کے دیکھو..... ہمیں زندگانوں میں چھٹو..... ہمارے جسم کو لہو پیر کے رکھ دو..... پھر دیکھو ہمارے ماتھے پہ شبنم بھی آتی ہے کہ نہیں!!!!"

آرام باغ کی نضاء فلک و کاف نعروں سے گونج اٹھی۔

نعرہ و نغمہ..... اللہ اکبر!!!!

تاج و تخت ختم نبوت..... زندہ ہو!!!!

رات گیارہ بجے ایک نیلے رنگ کی کار بند روڈ سے آرم ہائی کی طرف مڑی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جلسہ گاہ کے قریب آئی۔
سیاہ شیشوں والی اس گاڑی میں اسٹیمبلر ٹنٹ کے دو شاطر کھلاڑی سو رہے تھے۔
ڈیفنس سیکرٹری اسکندر مرزا اور کیپٹن سیکرٹری مسٹر جی۔ احمہ !!!

26 فروری 1953

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔

نیلے رنگ کی چارہ کار جلسہ گاہ سے قریب آکر رُک گئی۔

کراہی کے عوام نہایت اشتیاق سے صاحبزادہ فیض الحسن کی تقریر سن رہے تھے جو شب کی جولانی میں سداں بھلاؤں کی طرح گرج برس رہے تھے۔

"انگریز چلا گیا۔۔۔۔۔ اور اپنی باقیات چھوڑ گیا !!!"۔۔۔۔۔

ہم نے انگریز کو بھی جگت لیا۔۔۔۔۔ تمہیں بھی جگت لیں گے !!!"۔۔۔۔۔

انگریز کی قید بھی برداشت کی۔۔۔۔۔ جہادی بھی برداشت کر لیں گے !!!"۔۔۔۔۔

تمہیں آزادی مبارک ہو۔۔۔۔۔ تم تو پہلے بھی آزاد تھے۔۔۔۔۔ اب بھی آزاد ہو۔۔۔۔۔ ہماری آزادی کا سورج سب طلوع ہو گا جب

ناموس رسالت کا قانون بنے گا۔۔۔۔۔ جب منکرانِ ختم نبوت کا فیصلہ ہو گا۔۔۔۔۔ جب مسلمان کو انصاف ملے گا !!!"۔۔۔۔۔

"اوہین بیڑوی کو اگین..... کون ہے یہ غلام.....؟؟" گاڑی میں بیٹھے سکندر مرزا نے سگریٹ سلاکتے ہوئے کہا۔

"اگراری ہے..... صاحبزادہ فیض الحسن..... تیس ہزار مرید ہیں اس کے..... جہاں جاتا ہے کھیلوں کی طرح ہنسی جاتے ہیں" مسٹر جی احمد نے دندا سکرین سے پار جھانکتے ہوئے کہا۔

"مقرر بھی تو کمال کا ہے".....

"میں تو کہتا ہوں واپس چلیں..... ان نکلاؤں کی تھریر سے مجھے سخت کوفت ہوتی ہے" جی احمد نے مونہہ بتایا۔

"نہیں یاد..... جلسہ دیکھ کر جاگیں گے" سکندر مرزا نے شیوہ سرکاتے ہوئے کہا۔

"اور..... اسے... شیوہ بند کر بھائی... سردی آ رہی ہے" مسٹر جی احمد جھنجھلا کر بولے۔

"کیا تقریر کرتا ہے یہ بڑکا..... ایک دم مست"

"چل پھر اس مستی میں تھوڑی اور مستی بھی شامل ہو جائے" !!!

"کیا ارادے ہیں؟؟؟"

"زائد شراب پیئے دے جلے میں بیٹھ کر....." جی۔ احمد ڈیش پور ڈسے ہو گل نکالتے ہوئے بولا۔

"مردانے کا ہنسند... کسی مولوی نے دیکھ لیا تو؟؟؟"

"کم آن یاد... شیشہ اچھی طرح ہڑھکا دے" جی۔ احمد ہیک بٹاتے ہوئے بولا۔

"یار ایک لاکھ بھیڑ بکریاں کیسے کھینچ لاتے ہیں یہ لوگ.... وہ آکٹ پلٹنی.... یہ ہے 14 اگست کو ہم لوگ پرائم فیسٹر کی تقریر کے لئے پندرہ سو بندہ مینٹا نہیں کر سکے تھے" !!!

"اسٹریٹ پاور اڈانٹ احمد فی" جی۔ احمد نے گھونٹ بھرتے ہوئے زیریلا سامانہ بتایا۔ "لوگ رات بھر بخاری کی اسکیچیں سنتے تھے اور دوت صبح جناح کو دے آتے تھے... یہی پبلک کا مزاج ہے" !!!

"لیکن اس بار حالات کچھ اور ہیں یاد...." سکندر مرزا سگریٹ جھڑتے ہوئے بولا "لگتا ہے یہ لوگ مرزائی کو کافر کر کے ہی دم لیں گے... تم ابھی سے اپنا کوئی اچھا سا نام سوچ لو.... کھڑک سنگھ کیسا رہے گا؟؟؟"

"ہا ہا ہا ہا.... کھڑک سنگھ.... اور تم بھی سوچ لو.... اسکندر ناتھ" !!!

"کیوں بھائی.... آئی ایم ناٹ کافر" !!!

"موت سے کس کو رشتہ داری ہے... آج ہم کل تمہاری ہاری ہے...." !!! "جی۔ احمد نے کہا۔
"کیا مطلب؟"

"پہلے ایک پیکی لگا.... پتا ہوں..."

"یار تو بھی ناں.... مردائے گا.... چل اب بتا.... میں کیسے کافر ہوا" اسکندر جام چڑھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھ..... آج اگر مرزائی کافر قرار دے دیا گیا ناں.... تو کل انکا نمبر شیعہ کا ہو گا" !!!

"اسپا سبل.... شیعہ اڈانٹ اے کو نسیم...." !!! "سکندر سگریٹ مسل کر بولا۔

"دی نیم ول اینڈ نوڈن اینڈ کو نسیم ول رائز.... یہ عارضی گٹھ جوڑے بھائی.... آج احمدی کے خلاف سب ایک ہیں.... کل شیعہ کے خلاف ایک ہو گئے"

"شیعہ کے خلاف کیوں؟؟؟"

"دیکھ.... جب جنگل میں سوکھا پڑتا ہے ناں.... تو شیر، چیتا اور ٹیل گائے ایک تالا سب پر راضی ہو جاتے ہیں.... اسے دائرہ دوس کہتے

تھا.... برسات میں یہ نروس جب ٹوٹا ہے تو شیر چھیل کر نکل گئے کا شہر کرتے ہیں.... کبھے یا کوئی اور مثال دوں؟؟؟

"شیعہ ازلے سیکٹ آف اسلام.... وہ احمدی کی طرح لوکل آئٹم تھوڑی ہے بھائی!!" سکندر مرزا نے کہا۔

"اگرے مرے برائڈ آئٹم دیکھ.... وہ اپنی، نئی میں لاکھ اختلافات سہی... لیکن جب بھی کڑا وقت آتا ہے.... ایک آہستہ بن جاتے ہیں...

کیوں؟؟؟ اس لئے کہ سوہرا عظیم ایک ہے.... جبکہ شیعہ ایک اقلیت ہے.... وہ ریپبلک نو سوہرا عظیم" !!!

"شیعہ کیسے اقلیت ہو گیا؟؟؟... سی اڈاپارٹ آف ایم پاء" !!

"ہاں... لیکن انڈر کی ایم کچھ اور ہے.... مولوی اپنا کام نکالنے کے لئے شیعہ کو استعمال کر رہا ہے.... کام نکل جائے گا تو اختلافات شروع

!!!"

"اختلافات تو سب فرقوں میں ہیں مگر"....

"بات اختلافات کی نہیں سوہرا عظیم کی ہے"....

"یہ لاکھ عظیم کہاں سے آگئے پارکچ میں؟؟؟"

"لگتا ہے کچھ زیادہ ہی چڑھ کی ہے.... لاکھ عظیم نہیں مائی لارڈ.... سوہرا عظیم.... سپریمہ اتھارٹی آف مسلمہ سہارنی... حنفی، شافعی، مالکی،

حنبل.... یہ سب ایک سوہرا عظیم ہے.... ہٹ.... شیعہ ازلے کو آئٹ ڈفرنٹ ریلیجیئس چین" !!!

"مطلب... ان حالات میں شیعہ کو کیا کرنا چاہئے؟؟؟" سکندر مرزا پریشان ہو گئے۔

"مرزا ایت کا ساتھ دینا چاہئے... اور کیا کرنا چاہئے؟؟؟ آج سوہرا عظیم ہمارے خلاف ایک ہے.... کل شیعہ کے خلاف ایک ہو گا.... آج

احمدی اکیلا ہے.... کل شیعہ تنہا ہو گا.... ایک ایک کر کے ٹکڑے کر کے دفن کریں گے ہمیں" !!! "نئی احمدی نے کہا۔

"آئی ڈونٹ ویلو آن ڈاٹ !!!" سکندر مرزا نے کہا۔

"اسی لئے تو کہتا ہوں کارل مارکس کو چھوڑ.... لارڈ می کرتا میں نے حاکم.... تعین آ جائے گا"

"ادھائی گوش !!! اس کا مطلب ہے قسمی اپنے پاؤں پر خود کلبازی مارنے چلا ہے...." سکندر مرزا کی آواز ڈوگ گانے لگی۔

"آف کورس !!!!!!... قسمی ازلے میڈ !!!!!! وہ اسی شان کو کاٹ رہا ہے جس پر خود بیٹھا ہے" !!!

"ویری ڈیگرس !!!!" سکندر مرزا نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

"نٹ اوئی ڈیگرس.... اٹس سوسائٹل !!!!!!... آج ہی ان سب کو مریت کرو.... صبح ہونے سے پہلے پہلے.... بہت ہو چکا تھا شا

.... اسی میں ہم سب کا بھلا ہے.... باقی رہی پبلک.... جب لیڈر اندر ہوتے.... تو پبلک خود خود شانت ہو جائے گی... چلو اب نکلو یہاں

سے".....

”کہاں؟؟“

”وزیراعظم ہاؤس..... اور کہاں؟؟“

”اس وقت؟ گیارہ بج رہے ہیں یہ“ !!!

”گیارہ نہیں میرے یاد..... ایک بج رہے رات کا..... وقت بہت کم ہے“ !!!

”لیکن..... پلان کیا ہے؟؟“

”سمجھتا ہوں..... سمجھتا ہوں“ ...

”اچھا..... یہ..... قائداعظم والی بات..... جی..... مجھے..... ذرا..... بھر..... سمجھاتا.....“ اسکندر مرزا بڑبڑایا۔

”قائداعظم نہیں لارڈ ہاؤس میں..... سو ہوا عظم“ !!!

یہ کہہ کر جی احمد نے گاڑی ریورس کی اور گورنمنٹ ہاؤس کی طرف بڑھادی۔

اسکندر مرزا اور مسز جی۔ احمد نے نصف شب وزیراعظم ہاؤس کی کھڑکی کھائی۔

خواجہ صاحب لباس شب خوبائی میں ہی بھاگے چلے آئے۔

”کھیریت؟؟ اتارات کئے کیا مشکل ہو گیا؟“

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر مسز جی۔ احمد ایک ٹھنڈی سانس لیکر بولے۔

”سیٹیویشن از ویری کربینکل سر“ !!!

”کیوں..... کیا ہوا..... کیا نزلے میں کوئی سنگھومہ ہو گیا؟“ وزیراعظم نے منکر ہو کر پوچھا۔

”اسکندر مرزا..... وزیراعظم کو ذہنیل بتلاؤ“

اسکندر مرزا نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور جھوٹے ہوئے کیا:

”ہنگامہ نہیں سر..... بغاوت..... مولویز آؤت آؤت آؤت کھڑول..... دسے ہیوز بلیکیز ڈالے دار..... کیمسٹ اسٹیٹ..... گل سے کراچی میں

تباہیاں ہو گئی..... تباہیاں“ !!!

”کھول کا بات ہے..... مولوی لوغ مینٹک میں تو کس اور بولتا تھا..... اب نزلے میں کس اور بول رہا ہے؟؟“

”سر مولوی اور موسم کا کیا اعتبار؟؟..... جو ہڈل آؤت کرن رہے ہیں..... گل برس پڑے تو سب کچھ پھانے گا..... اس لئے جتنا

جلدی ہو سکے..... ان کڑکٹی بجلیوں کو قید کیجئے.... ایکشن مسٹ بی ٹیکن نوٹائیٹ“!!!!

”کیوں مسٹر جی۔ احمد.... آپ کیا بولتا ہے؟؟“ وزیراعظم نے تصدیق چاہی۔

”انگریز دوسرا سر.... کل تک اس طوفان کو روکنا بہت مشکل ہو جائے گا“

سادہ اور پروقار وزیراعظم نے یہ پوچھنے کی زحمت بھی نہ کی کہ جلسے کی رپورٹ دینا تو تشیلہ جنس کی ذمہ داری ہے۔ آپ حضرات کس خوشی میں بادلے ہوئے جاتے ہو۔

”کسٹمر کراہی سے بات کراؤ.... فوراً“ وزیراعظم نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر میں کسٹمر کراہی نے فی نقوی لائن پر موجود تھے۔



رات ایک پہچے جلسہ تمام ہوا۔

بندر روڈ پر عوام کا ایک سمندر موجزن تھا۔ آرمہ پانچ سے لیکر جامدہ کا تھ تک لوگ ہی لوگ تھے۔ راستے میں جگہ جگہ سین اور اسامیل برادری نے دودھ، قبوے، گرم انڈے، ملو پوری اور چائے کے اسٹال لکھ رکھے تھے۔ ماشقان رسول علی نقوی کا تین روزہ میلہ اٹل کراہی کا ایمان جگہ لگا کر آج قسم ہو رہا تھا۔

میں چاند پوری صاحب کے ساتھ ہانسل پر تھا۔ ہمرے مجمع میں ہانسل کیا چلتی پیدل ہی مصیبت رہے تھے۔ جامعہ کا تھ کے سامنے عالم شاہ بخاری کے مزار پر خوب میلہ تھا۔ ہم وہاں بیٹھ گئے اور چائے کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ تبصرہ کرنے لگے۔ چاند پوری بہت پر جوش اور پر امید تھے۔

”صدیوں بعد، پہلی دفعہ امت محمدی علیہ السلام ایک اسٹیج پر اکٹھی ہوئی ہے یہ.... ماشاء اللہ.... مفتی محمد شفیع، اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے آج ایک ساتھ نماز پڑھی ہے.... سبحان اللہ.... ہاتھوں سے سینک پھسائے ان وہ بڑے علماء کے سچے تعصب کی دیواریں گرانے کا سہرا مجلس احرار کے لال حسین اختر کے سر ہے.... ہیرا آدمی ہے یہ ہیرا.... لال حسین پہلے قادیانی تھا، اللہ نے حدیث دی اور آج امت مسلمہ کو جو زور دیا ہے.... اللہ اسے خوش رکھے“

”واقعی اس جلسے نے مہبت کر دیا ہے کہ عوامی جذبات علماء دین کی مٹھی میں جوتے ہیں.... علماء اہلس میں خلوص سے مصافحہ کریں تو عوام گلے ملتی ہے.... ایک دوسرے پر دھاندلی تو لاٹھیں کرتی ہیں“

”بس یار اب ڈاکا کر دو کہ اتحاد امت قیامت تک قائم رہے.... اور اس کی برکت سے دارالحکومت کال بھی پھیل جائے.... حکومت مطالبات پر غور کرے اور کل کا سورج کوئی ناچھی نوید لیکر طلوع ہو“

"امین.... اب اس اتحاد امت کی خوشی میں ایک پیالہ دودھ چلیں تو کھلا دیں" میں نے فرمائش کی۔

"کیوں نہیں..... ضرور ضرور" یہ کہہ کر چاند پوری ہیکری کی طرف نکل گئے۔

رات دو بجے کا گھل تھا۔ سڑک پر اب خال خال ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ وریہ پر کچھ لوگ بیٹھے قوالی سن رہے تھے۔ ان دنوں ہندوستان

بھر میں دین محمد جاندھری قوال کا طوطی بولتا تھا۔ کم و بیش سارے قوال دین محمد جاندھری کی ہی نقل کیا کرتے تھے۔

چاند پوری دو پیالے دودھ چلیں لے آئے۔ میں دین محمد قوال کے سروں پر سر اٹھنے لگا:

ایہ میلہ محمد ﷺ دے مستانیاں دا

دلہا شہ کہ دیا ہے لکھ انیاں دا

یہ محمد ﷺ کے دیوانوں کا میلہ ہے۔ جاگ اے دل کہ شکر بھلانے کا وقت ہے۔

اچانک ہی فضا سائرن کی آواز سے گونج اٹھی۔

سامنے بند روڈ سے پولیس کی تین گاڑیاں اور ایک پولیس بس گزری۔

چاند پوری اور میں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"یا اللہ خیر.... یہ لشکر جہاد کہاں جا رہا ہے!!!" چاند پوری بڑبڑائے۔

"گلتا ہے.... وزیراعظم صاحب آ رہے ہیں مجلسِ وائوں سے ملنے" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں.... کچھ اور معاملہ ہے.... انھو چل کے دیکھتے ہیں"

ہم بیابانوں اور قوالوں کو وہیں چھوڑ کر روڈ کی طرف بھاگے۔

گاڑیاں ایک تہیم عمارت کے سامنے آکر رک گئیں۔

پولیس کے چاک وچو بندو سے پوزیشنیں سنبھالنے لگے۔ کچھ افسران سول لباس میں تھے۔ کتاڑ جوائوں کو متعین کر کے گاڑی میں نصب

وائر لیس پر ہدایات وصول کرنے لگا۔

"یس سر... عمارت کو گھیرے میں لے لیا سر!!!... یس سر... سر... سر"

میں نے عمارت کی دوسری منزل پر نصب سبز رنگ کا یورڈن صحنے کو شش کی۔

"دفتر مجلس ختم نبوت.... کراچی!!!"

پولیس افسر ساتھ میں پستول تھامے آہستہ آہستہ میز حیاں چڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ سول لباس میں خفیہ والے بھی تھے۔ انہوں نے زور

سے دروازہ کھٹکھٹایا:

”دروازہ کھولو ورنہ توڑ دیا جائے گا“....

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور پولیس افسر ان اندر چلے گئے۔

کوئی دس منٹ تک خاموشی رہی۔ فضا میں صرف قوالی کے بول ہی باقی رہ گئے....

ہرے داساتی، بے درساں دوستی

اوستی، جیندے وقع ہے مستان دی مستی

جے سرائے کے مل جائے، اے مئے ہے سستی

ہے اس مئے کدے وقع، بلند ہی ناں ہستی

ہے عرش بریں فرش مستانیاں دا

سب سے پہلے سید ابوالحسنات مصائب نیکے پہنکے۔ ان کے پیچھے میر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نظر آئے، پھر صاحبزادہ سید فیض الحسن اترے.... خواہ مشق محمد ﷺ سے سرشار ان مستانوں کے لئے آزادی اور زندہ ان میں فرق بھی کیا تھا؟؟ ان کی تو نصفہ دل میں اور باقی جیل میں کئی تھی، کہ تو ان بے بصیرت حکمرانوں پر تھا جنہوں نے ملانے حق کے مطالبات کو نظر انداز کر کے میر جعفر کے چہ پرتے کا مشورہ مان لیا۔ جنہوں نے ذریت مرزا کو کھلا چھوڑ کر سید زبوں کو چاب و زنجیر کر دیا۔

دفتر سے کل آٹھ غلام، گرفتار ہوئے۔ ان میں مولانا لال حسین اختر، جناب عبدالرحیم جوہر، جناب نیاز لدھیانوی، اسد نواز ایڈیٹر حکومت، اور باستر جیج اللہ بن انصاری بھی شامل تھے۔ مولانا حامد بدایونی اور مظفر علی قسسی صاحب اگلے روز گھروں سے گرفتار کئے گئے۔ پولیس گاڑیاں ہوٹریہاتی ہوئی سینئر جیل کراچی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ میں اور چاند پوری صاحب تھکے قدموں سے واپس چل پڑے۔ ہم دونوں خاموش تھے اور بے حد افسردہ۔

ہم ایک بار پھر ہم باہم عالم شاہ بخاری کے سزا پر جانچے، جہاں قوال گرد و غیش سے بے خبر مئے خانہ، عشق و مستی کا احوال سنا رہے تھے:

عجب مستیاں قین، اس مئے وے اندر

کہ ہے قطرے قطرے دی تہہ وقع سمندر

جنتیں بوند جیتی ادنیایاں قلندر

نہ معبد کلیسا نہ مسجد نہ مندر

ہو یا دل اسے دیوانہ مئے خانیاں دا

ہر سینے والا ہے، سینے کدہ کچھ نرالا
 ہر اک جام ہے، دور کی توحید والا
 چراغ محبت اور حق والا جالا
 دیتا جس نون ساقی نے، عشق دایا والا
 براہیم ہے سارے رت خانیاں دا
 ایہ میلہ محمد فاضلؐ، دے مستانیاں دا

27 فروری.... 1953.... کراچی

ہم سویرے سویرے ہی منزل جیل پہنچ گئے۔

چاند پارمی نے پہلے تو وارڈن کو اچھی خاصی تبلیغ کی۔ جب وہ نس سے مس نہ ہوا تو منت حاجت کی۔ اس پر بھی دال نہ گئی تو ایک بھاری سی
 قہقہہ جیب سے نکال کر اس کی جب میں گھسیڑی اور کہا:
 "پورے دس روپے کا بھان ہے.... اب روک کے دکھا".....

وارڈن بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رات کو گرفتار ہونے والے مولویوں کی پہلی ملاقات اس قدر قیمتی بھی
 ہو سکتی ہے۔ ایک ہزار "ہندی پیسہ" بخشیش لیکر اس نے جیل کا گیٹ کھول دیا۔
 سوئاس دور میں 400 روپے فی تول تھا۔

تھوڑی سی دیر بعد ہم جیل کے اے کلاس، ارڈ میں بیٹھے ماسٹر صاحب کی چٹا لکھ رہے تھے:

"بھائی ہم تو ہم اللہ عرصاد مر سکا.... پتہ نہ کر پوئیس کی گاڑیوں میں سوار ہو گئے.... حکومت سے یہی امید تھی.... اگر جھانکا ہوتا تو دفتر کا
 پچھلا دور وازہ نکلا تھا اور پوئیس بھی بوجھ موجود نہ تھی.... لیکن ایسی اسیر تھی سو آڑوایں قربان جس کا تعلق ناموسی رسالت سے ہو....
 جیل یا تاراج ہمارے لئے فی ہات نہیں.... ہماری بیشتر زندگی جیل خانوں میں ہی گئی ہے.... ہم یہاں کے ادب آداب سے خوب واقف ہیں
 بلکہ ان جیل خانوں میں مولوی کا آنا بھی باعث رحمت ہے.... ایک مدت کے بعد آج یہاں ذرا ان فخر کو بھی ہے.... باجماعت نماز
 ہوئی ہے.... باقی رہا جیل افسران کا رویہ.... تو ہم جانے بچانے قیدی ہیں.... جو پر راحند وستان تھوم پھر کرواپس جیل میں آ جاتے ہیں
 اب تک تو اچھا بھلا رہا ہوا.... سونے کو ہنگ مل گئے.... صبح کے ناشتے میں ذیل روئی آئی.... چائے آئی.... وہی چائے جس کا ذائقہ کیکر

کی مسواک جیسا ہوتا ہے ”انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

ماسٹر تاج الدین انصاری لدھیانہ کے ایک بہت بڑے رئیس اور سمنہ تھے۔ تقسیم کے وقت لدھیانہ میں پاکستان سے آنے والے مہاجرین کے میزبان تھے۔۔۔۔۔ بعد میں پاکستان تشریف لے آئے تو یہاں بھی مہاجر کیمپ کے انچارج بن گئے۔۔۔۔۔ اگر تو مولودریاست میں اپنا کاروبار شروع کرتے تو یقیناً کروڑ پتی ہوتے لیکن حرم کے فقیروں سے دوستی ہوئی تو پوری زندگی مزدوریت کے خلاف لڑتے ہوئے گزار دی۔۔۔۔۔ اس جرم عظیم کی پاداش میں پہلے انگریز کی قید و بند برداشت کرتے رہے اب پاکستان کے ناما قہت اندیش حکمرانوں کی قید و بند رہے تھے۔

”سیاسی گرفتاری کے سبب فی الحال تو ٹیل کی A کلاس وائرڈ سیڑ آئی ہے۔۔۔۔۔ میز کرسی چادر پائی سب کچھ نیا ہے۔۔۔۔۔ کافی کھانا کمرہ ہے ماشاء اللہ۔۔۔۔۔ دو چنگ اور مہمت والا پٹنما بھی ہے۔۔۔۔۔ یہ وہی کمرہ ہے جہاں کہی مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر تحریک خلافت کی پاداش میں قید رکھے گئے تھے۔۔۔۔۔ بھگت سنگھ وہی ہیں، اسیر بدل گئے ہیں۔۔۔۔۔ پہلے یہاں انگریز کے ہائی رکنے جاتے تھے اور اسپڈریت انگریز کے ہائی قید تھے۔۔۔۔۔ ہائی۔۔۔۔۔ جس زمانہ ان میں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے زمانہ اول موجود ہوں۔۔۔۔۔ صاحبزادہ فیض الحسن جیسے خوش مزاج سپاہی تشریف فرما ہوں۔۔۔۔۔ قسسی صاحب جیسا سراسر پابنگام نوجوان موجود ہو۔۔۔۔۔ اور ہمارے جیسے بدل رخ موجود ہوں وہاں اسیری چیخ کی کیا ہے“ !!!۔۔۔۔۔

ہے اسیری اعتبار افزا، جو ہو نظرت بلند

قطرہ نیساں سے ہوتی ہے صدف میں درجنہ

مشک از فرج چیز کیا ہے اک سو کی بوند ہے

مشک ہو جاتی ہے ہو کے ناقد آہو میں بند

ہم ماسٹر صاحب کی چٹا لکھ رہے تھے کہ جنیل سپرڈنٹ کو حرا آگلا۔ اس کے ہاتھ میں ڈنڈے کی بجائے تسبیح تھی۔ اس نے کمرے میں جھانک کر پوچھا:

”بھیر صاحب کہاں تشریف فرما ہیں؟“

ماسٹر صاحب نے اشارے سے ساتھ والے کمرے کا بتایا۔

”کون سے بھیر صاحب؟؟“ چاند پوری نے حیرت سے پوچھا

”اپنے سید عبدالغلام بدایونی صاحب۔۔۔۔۔ جنیل سپرڈنٹ کا پورا اعتماد ان کا مرید ہے۔“ ماسٹر صاحب نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”کمال ہے۔۔۔۔۔ بھیر صاحب جنیل میں اور مرید سپرڈنٹ۔۔۔۔۔ ابھی تک یہ گستاخ سز کے سوا نہیں ہوا“ !!!

اتنی دیر میں وارن نے آکر اطلاع دی کہ پریذنٹ صاحب دو سرے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ ہم ہائیٹی صاحب کے کمرے میں چلے آئے۔ جیل پریذنٹ جی صاحب کے سامنے کھٹے ٹیک کر بیٹھا تھا۔

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ختم کیجئے.... رہائی کے علاوہ" پریذنٹ نے کہا۔

"ہم رہائی چاہتے بھی نہیں" جی صاحب نے کہا۔ "اگر ہو سکے تو ہمارے لئے ایک الگ کچن بنو دیجئے... اور کچن راشن دے دیجئے.... ہم اپنا کھانا خود پکائیں گے.... جیل کا کھانا ہمارے مزاج کا نہیں ہے"

ٹھیک نصف گھنٹے بعد جب ہم جیل خانے سے باہر آ رہے تھے تو مسٹری اور مزدور اینٹ سیمنٹ لئے جیل کے سامنے کھڑے تھے۔ جی صاحب کی کرامات کا ظہور ہو چکا تھا۔

ہم شہر کی صورت حال جاننے کے لئے صدر کی جانب روانہ ہو گئے۔

شہر بھر میں ہڑتال تھی اور تمام ہر کیٹس اور ٹرانسپورٹ بند۔ بند روٹی، عوام کا ایک بڑی بکراں موجزن تھا۔ یہ جمیعت علمائے اسلام کا جلوس تھا جو صدر کی طرف روانہ تھا۔ ہم جلوس کو چرتے بمشکل سیون ڈیزل تک پہنچے۔ سامنے جامع کالج کی طرف سے جمیعت علمائے پاکستان کا جلوس چلا آ رہا تھا۔ سیون ڈیزل سے ہم صدر کی طرف کھوئے تو انجمن تحفظ حقوق شیعہ کا جلوس ایپریس مارکیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ عوام بے جوش تھے اور پالیس پریشان۔

تقریباً چھ سات ہزار نفوس یہاں جمع تھے۔ پالیس کی صرف چھ گاڑیاں اور ایک ٹرک جلوس کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ ایک پالیس انسپکٹر دائرہ پالیس پر کشمکش کر رہی اسے فی نقوی کو صورتحال بتا رہا تھا۔

"سر ہجوم بڑھ رہا ہے.... ہمارے پاس فورس بہت کم ہے.... اور..."

"اگر یہ لوگ بے امن احتجاج کرتے ہیں تو ان کو کرنے دو.... اور..."

"سر یہ لوگ گرفتاریاں دینا چاہتے ہیں.... اور..." انسپکٹر نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... جو گرفتاری دینا چاہتا ہے.... اسے گرفتار کر لو.... اور..."

"لیکن سر!!.... ہمارے پاس گاڑیاں صرف تین ہیں اور یہاں چھ ہزار آدمی کھڑے ہیں.... مزید لوگ بھی آ رہے ہیں"

"باری باری سب کو بٹھا کر جیل خانے چھوڑ آؤ.... اور..."

ہجوم جو پہلے ہی بے تاب کھڑا تھا، پولیس گاڑیوں پر نوٹ بڑا سیل بھر میں چھو باکس دین اور ایک ٹرک لہا لب بھر چکے تھے۔

یہ سب لوگ جیل جانا چاہتے تھے.... جیل انتظامیہ ایک ساتھ اسے قیدی سنبھالتے کو تیار نہ تھی۔ قید کرنے کے لئے اچھی خاصی سنبھالی کاروائی کرنا پڑتی ہے۔ انسپکٹر نے ایک بار پھر اسے۔ فی۔ نقوی سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا "ٹھیک ہے.... بغیر اندراج کے اندر جانے دو"

اس بے ہجوم تمام رکاوٹوں کو توڑتا جیل خانے میں گھس گیا۔ انوکھا منظر تھا کہ ہر کوئی عشق کا قیدی بننا چاہتا تھا۔ بڑے تو بڑے بچے تک گھروں سے اسیری کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔ پہلے دن چار ہزار مسلمانوں نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ کراچی سینٹر جیل کسی رابطے پلیٹ فارم کا منظر پیش کرنے لگی۔ ہر شخص یہاں اپنے لئے ایک مناسب منجرے کی تلاش میں تھا، جہاں قید ہو کر وہ قسم نبوت کے اسیروں میں اپنا نام لکھوا سکے۔

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم لگا دو ملازکہ ہیں دام و نفس سے بہرہ مند
شہر زان و زغن در بند قید و مصید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاقہیں کردادند

28 فروری.... 1953.... کراچی

دوسرے دن شہر بھر بند ہوا۔

آج پولیس کے دو ٹرک تین لاریاں اور آٹھ وینیں آئی ہوئی تھیں۔

صبح نو بجے جلوسوں کی آمد شروع ہوئی۔ تھوڑی سی دیر میں ایمپریس مارکیٹ سے لیکر ڈارگ، وڈنگ سری سر نظر آنے لگے۔ ڈارگ رولڈ شاہراہ فیصل کا پہلا نام ہے۔ لوگ گرفتاری دینے کے لئے نرگوں اور لاریوں پر چڑھ گئے۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح گرفتار ہو کر جیل پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔

پولیس قیدیوں کو لیکر سینٹر جیل پہنچی تو ایک فی مصیبت کھڑی ہو گئی۔

جیل سپرٹنڈنٹ نے قیدیوں کو لینے سے صاف انکار کر دیا۔ جیل کا گیت بند کر کے جال لگوا دیا۔

"انسپکٹر صاحب.... یقین کریں.... ہمارے پاس بالکل گنجائش نہیں ہے" جیلر نے کہا۔

"سر.... آپ انہیں جیل کے احاطے میں بخادیں" پولیس انسپکٹر نے سخت کی۔

"بھائی احاطے میں کیسے بخادوں.... اتنے لوگوں کا کھانا کون پورا کرے گا؟؟؟"

"لیکن میں ان کو کہاں لیکر جاؤں؟؟؟" انسپکٹر نے بے چارگی سے کہا۔

"یہ آپ کسٹمر صاحب سے پوچھو... جنہوں نے گرفتاری کے احکامات دیے تھے"

انسپکٹر وائریس پر کسٹمر کراچی ہے۔ ٹی۔ تقویٰ سے رابطہ کرنے لگا۔

"اچھ کیون... اچھ کیون... سر جیلر صاحب قیدیوں کو ایک میسج نہیں کر رہے... اور... !!!"

"کتنے لوگ ہیں یہاں... اور... !!!" کسٹمر صاحب نے پوچھا۔

"سر یہاں تو تقریباً... تین سو کے لگ بھگ ہیں... لیکن صدر میں ایک لاکھ آدمی کھڑا ہے... اور... !!!"

"تمہارے پاس کتنے ٹرک ہیں... !!!"

"سر... فی الحال دو ٹرک ہیں... اور تین لاریں... !!!"

"ایسا کرو... انٹیکس لاریوں میں بخانا اور کمرہ لٹی سے دس کلو میٹر دور چھوڑ کر آ جاؤ... !!!"

"کہاں چھوڑ کے آنا ہے سر... !!!"

"کراچی سے دور چھوڑ آؤ... کہیں بھی... اور... !!!"

"او کے سر... !!! اور ایڈ آؤٹ"

اس کے بعد انسپکٹر لاریوں میں چننے ہوئے مساتوں سے مخاطب ہوا:

"سنو... آپ سب کو حیدر آباد جیل بھیجنے کا آرڈر ملا ہے... اگر کوئی ایس جانا چاہتا ہے تو ابھی اتر جائے..."

کوئی ایک شخص بھی لاریوں سے نیچے اترنے پر آمادہ ہوا۔

عاشقوں کا قافلہ انجانی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ پولیس وین بھی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ وہ گھنٹے کی مسافت کے بعد یہ قافلہ کراچی سے

تقریباً آٹھ دس کلو میٹر دور ایک ویرانے میں جا کر روک گیا۔

"سب لوگ نیچے آ جاؤ بھائی" پولیس والے نے کہا۔

"کیا حیدر آباد آ گیا؟" ایک بزرگ قیدی نے پوچھا۔

"حیدر آباد کا آرڈر کینسل ہو گیا ہے... اب یہیں اترو..."

"لیکن تم نے تو حیدر آباد جیل بھانے کا وعدہ کیا تھا" قیدیوں نے شور کیا۔

"حیدر آباد جیل میں گنجائش نہیں ہے باباجی... جلدی کرو ہم نے باقی قیدیوں کو بھی لیکر آنا ہے"

قیدی اطمینان سے نیچے اترنے لگے۔

یہاں دو درجن تک کوئی آبادی نہ تھی۔ سب طرف نیلے، کھانیاں، مہرائی تصویر اور کانٹے دار جھانڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

لاریاں قیدیوں کو اس ویرانے میں اٹھ کر واپس چلی گئیں۔

لوگ اس بے آب و گیاہ صحرا کو چرتے واپس کراچی کی طرف ہو گئے۔ ان میں سترای سال بوزھے بھی تھے اور سات آٹھ سال کے بچے بھی۔ عام دیہاتی دھرمز دور بھی تھے اور ستموں لوگ بھی۔ بریلوی بھی تھے، کھڑکھٹ بھی، دیوبند بھی اور شیعہ بھی۔ لیکن اس وقت یہ سب اس راہِ عشق کے مسافر تھے جس کے کانٹے بھی پھول معلوم ہوتے ہیں۔

ساراؤن کراچی کی پولیس قیدیوں کو لاریوں اور ترکوں میں ڈال کر کراچی سے باہر ویرانوں میں چھوڑتی رہی اور ساراؤن عشق کے مسافر پیدل چل کے واپس کراچی پہنچتے رہے۔

پولیس کاروینہ قیدیوں کے ساتھ دوستانہ تھوڑی قیدی بھی کسی سے الجھ نہیں رہے تھے۔ ہر کوئی کوئی ایسی ذمہ داری نبھاتا تھا اور اصل تحریک قسم نبوت کے پیرانوں کی تربیت کا بنیادی جزوی برداشت اور قربانی تھا۔

بڑے تو سب کے جوان تھے لیکن ایک سات سال کے بچے کا جہاز دیکھ کر پولیس والوں کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

ایک پھیرے کے دوران جب پولیس قیدیوں کو ویرانے میں اٹھانے لگی تو ان میں ایک ننھا سا بچہ بھی تھا۔ سفید قمیض میں ملبوس یہ پھول سا بچہ جانے کب چپکے سے لاری میں سوار ہو گیا اور اب ویرانے میں کھڑا مسلسل "سبح و تحنہ" غنم نبوت.... زندہ ہو" کے نعرے لگا رہا تھا۔

پولیس انسپکٹر شجاع الہوچستان کاربنے والا اور ہل بچے در آدمی تھا۔ جب سب قیدی ترچکے تو اس ننھے بچے کو دیکھ کر شجاع کا دل لچکا، اس نے ڈرائیور کو لاری راکنے کا کہا۔

"آؤ بیٹا.... میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں" انسپکٹر لاری سے بچے اتر آیا۔

"نہیں.... میں ساتھیوں کے ساتھ پیدل ہی آؤں گا" بچے نے جواب دیا۔

"لیکن دینا تم اتنا پیدل نہیں چل سکو گے... آ جاؤ میرے ساتھ"

"کبھی نہیں.... میری ماں نے مجھے ناموس رسالت شریف سے قربان ہونے کے لئے بھیجا ہے"

بالاخر انسپکٹر نے ڈرائیور کو لاری بڑھانے کا حکم دیا۔ ابھی وہ بمشکل نصف کلومیٹر ہی چلے گئے تھے کہ انسپکٹر کو پھر بچے کا خیال آ گیا۔ اس نے ڈرائیور کو گاڑی واپس موزنے کا حکم دیا۔ انسانی مہم روی، اسلامی جذبہ، باپدارت شفقت غمی کہ انسپکٹر شجاع ایک بار پھر بچے کی منت زاری کر رہا تھا۔

"چٹا میرے ساتھ آ جاؤ.... دیکھو ضد نہیں کرتے"

ساتھی رضاکاروں نے بھی بچے کو سمجھایا کہ لاری میں بیٹھ جاؤ، تمہاری حاضری ہوگی لیکن وہ نہ مانتا اور ٹھک کر بولا "آپ لوگ زیادہ ایمان

والے ہو... اور مجھے کمزور سمجھتے ہو... میں ہر گز نہیں جاؤں گا.....؟؟؟"

آخرو رماندہ دل انسپکٹر ہد گیا اور عشق کا یہ نھا پھول جیت گیا۔

پتا نہیں یہ بچہ کون تھا؟؟ اس نے کتنی زندگی گزاری؟؟ اس واقعے کو 61 برس بیت گئے... خدا جانے آج ان کتنے عاشقوں میں سے کوئی حیات بھی ہے کہ سب اللہ کو یاد سے ہو چکے؟؟ ہم تو اس روکی دھول کو بھی نہیں پہنچ سکتے کہ جہاں ان عاشقانِ صدا و کان کے قدموں کے نشان ثبت ہیں -

آئے عشاق گئے وعدہ وہ فردا لے کر

اب انہیں ڈھونڈ چرائی غریب زبانی لے کر

29 فروری.... 1953 !!!

ہم خمیر میلہ پہنچ کر لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔

"خمیر میل وہ گاڑی ہے جو اس ہاک دھرتی پہ 1947ء سے چل رہی ہے "چاند پارٹی نے بتایا۔

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ نہ تو آج تک وقت پر آئی ہے نہ ہی وقت پر پہنچی گئی ہے "میں نے کہا۔

"یہ گاڑی کا نہیں.... ریلوے انتظامیہ کا قصور ہے"

70 "سال سے انتظامیہ بھی تو نہیں بدلی... باپ فوت ہوا تو رٹا بیٹھ گیا... رٹا فوت ہوا تو چچا آکر بیٹھ گیا" ...

اندرونِ سندھ تک تو کوئی خاص رش نہ تھا، لیکن جو ٹیٹا، خباب شردہ ہو ایک میلے کا ماساں بندھ گیا۔

ہر طرف ختم نبوت کے سبز جھنڈوں اور بیڑوں کی بہار تھی۔ کیا شہر اور کیا گاؤں ہر طرف ایک جوش اور ولولہ دکھائی دے رہا تھا۔ صبح چھ

بجے ہم رحیم یار خان پہنچ گئے۔ یہاں کوئی 15 منٹ کا سناپ تھا۔

چاند پارٹی اخبار کی تلاش میں نکلے اور کچھ دیر بعد نوائے وقت ملے کر لوٹے۔

"ایک کانپلی زمیندار کی بھی لے آتے..... بک گیا تھا کیا....؟؟؟"

"ہاں نہیں.... بند ہو گیا ہے.... زمیندار بند.... آرمی بند.... چنان بند.... افسان بند.... ہر دو اخبار جو ختم نبوت کی بات چھاپتا تھا سرکار

نے بند کر دیا ہے" !!!

ایک دیہاتی بزرگ پلیٹ فارم پر لوئی لپیٹ کر کھڑے تھے۔ ہماری بات چیت سن کر پاس چلے آئے۔

"کتھوں آ رہے اوہائی جی....؟"

"کراچی سے"....

"کی حالات میں دار حکومت دے.... مجلس والیاں دی کوئی خیر خبر؟"

"مجلس عمل کی قیادت تو گرفتار ہو چکی بابا.... آپ کو نہیں معلوم؟"

"نہیں پتہ.... اخبار دیکھتے نہیں آیا.... ویسے اچھے وی سب لوں پھڑپھڑا...."

"حالات بہت خراب ہیں بابا"....

"پتہ میںوں تے اے سمجھ نہیں آؤمیری کہ مسلم لیگیاں پہلے اسلام دے ناں تے مسلمان لوں گھروں کڈ دیا.... تے بن اسلام دے ناں

تے اندر کر رہے نہیں"....

"اندھیر گھری ہے بابا.... اندھیر گھری"!!!!

"آہو تے ہوہری.... پہلے جناح ہوہراں نوں منہ سے لایا.... فیہ لیاقت علی خان دا کڈا کڈ دیا.... تے بن ملک لوں منہ سے لان دا

پہ و گرام ایس.... پہلے مسلم لیگ سی.... بن مرزائی لیگ بن کی کے"....

کراچی میں مجلس کے رہنماؤں کی گرفتاری خفیہ رکھی گئی تھی۔ یہاں تک کہ اخبارات کو بھی ہتک نہ مل سکی۔ ٹیلی فون ضرور کھڑکائے گئے

لیکن یہ آگ بھی ان دنوں خاص خاص واقعات میں ہی بجتا تھا۔ اگلے دن پنجاب بھر میں گرفتاریوں کی لہر چل نکلی۔ جگہ جگہ بھاپے پڑے تو

عوام کو پتا چلا کہ تحریک شمع نبوت کا کڑا مرحلہ "ڈائریکٹ ایکشن" شروع ہو چکا ہے۔

چاند پوری نے اخبار میری گو دھیں پھینکا اور ہٹ جانے کا حکم نامہ جاری کیا....

"لاہور میں سر ظفر اللہ خان کا جنازہ"....

"کیا؟؟.... فوت ہو گئے؟؟" دوایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"نہیں جناب.... دیال سنگھ کالج کے طلباء نے کل لاہور میں سر ظفر اللہ خان کا ایک علامتی جنازہ نکالا.... اس موقع پر احمدی اور غیر

احمدی طلبہ کے بڑے شدید ہتھراؤ ہوا.... متعدد طلبہ زخمی"

انہوں نے ایک ہندوئی سانس لیکر میٹ سے پشت لگالی۔

"قلقی والا.... ہندوئی قلعی.... چائے والا.... گرم چائے...." پلیٹ فارم پر صدا گئی بلند ہو رہی تھیں۔

"اور کوئی خبر؟؟" انہوں نے پوچھا۔

"حقیقی کہنے کی ہے؟؟" میں نے کھڑکی سے سر ہار نکال کر پوچھا۔

"اک پائی دیاں دو"

"ایک پائی نکالنے کا...." میں نے قہقی پکڑتے ہوئے چاند پوری سے کہا۔

"یار تم مجھے پائی پائی کا محتاج کر کے چھوڑو گے... فردری میں کون قطنیاں کھاتا ہے؟؟" انہوں نے ہا کر کو پائی کا سنک پکڑاتے ہوئے کہا۔

"پچھلے اسٹیشن سے جو پکڑے کھائے تھے وہ گری کر رہے ہیں..."

"اب اگلے اسٹیشن پر سروی نہ دور کرنے لگ جاتا.... بڑھو آگے" !!! ...

"لاہور نامہ نگار.... نار تھو ویسٹرن ریلوے ورکشاپ میں ایک احمدی نے.... ایک غیر احمدی کے سر میں قہقی مار کے.... اوہ سوری

..... سریمار کے شدید زخمی کر دیا.... تصلیات کے مطابق احمدی کو کی روز سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا تھا.... احمدی روپوش...

پولیس طرم کا سر اٹھ گاری ہے"

"پولیس تو صدیوں سے سر اٹھ گاری ہے.... چھپ گیا ہو گا یو میں جا کر.... آگے بڑھنے !!!

"لاہور میں رات بھر چلے.... احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں"

"ماشاء اللہ.... لاہور ابھی تک چٹان بن کر کھڑا ہے.... اور کچھ؟؟"

"سماجیوال میں غیر احمدیوں نے دو احمدی مبلغین کے سونے کاٹے کر دیے"

"پہلے مفید تھے کیا؟؟.... اچھا.... اور کچھ؟؟"

"لاہور میں ایک غیر احمدی دوکاندار نے ایک احمدی عورت کو آٹا فروخت کرنے سے انکار کر دیا"

"گھنٹیا خبر.... اور کچھ؟؟"

"سٹ ہنگر کے ایک پرائمری اسکول میں ایک احمدی بچے کو چند غیر احمدی بچوں نے کھیر لیا.... چھڑ مارے.... اور مرزائی کتا کے نعرے

لگائے"

"انڈازہ کرو یا.... اگر یہی خبریں سمجھتی رہیں تو مسلم اور غیر مسلم کی اصطلاح ختم ہو جائے گی.... احمدی اور غیر احمدی ہی رہ جائے گا"

"وہی بے حیرت ہے کہ ملک میں ابھی تک کوئی بڑا فساد یا تشدد کا واقعہ نہیں ہوا" میں نے کہا۔

"تین سال تک علماء نے عوام کی تربیت کی ہے.... تب ان کو سڑکوں پر لے کے نکلتے ہیں.... ورنہ آج قادیانیوں کے گھلوں سے دھواں ت

اٹھ رہا ہوتا" -

ملتان اسٹیشن پر چاند پوری باقر سے، اور وہاں ہی درجن بھر سموسے اور "رونامہ مزدور" لیکر چلنے۔

”واہ کیا نظم کھٹی ہے یہ.... شاعر نے مزہ آگیا... سنو گے؟“ انہوں نے اشہد کھولتے ہوئے کہا۔

”پہلے سو بے نہ کھائے جائیں....“ میں نے تجویز پیش کی۔

”نہیں... پہلے نظم“ چاند پوری ضد پر اتر آئے۔ ”بہت قیمتی نظم ہے.... دیکھو.... تقریباً سال پہلے کا واقعہ ہے.... 19 جولائی 1952ء

... اسی مکان شہر میں مظاہرین پر پولیس نے اندھا دھند گولی چلائی تھی.... ہتھ لوگ سب انسپٹر مصطفیٰ خان کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کر

رہے تھے جس نے ختم نبوت کے پر امن جلوس پر تشدد کیا تھا.... پندرہ دن میں 70 گولیاں چلائی گئیں.... جس سے 6 افراد شہید

ہوئے اور 15 زخمی.... ختم نبوت تحریک میں بہنے والا یہ پہلا خون تھا... اسی واقعہ پر نظم کھٹی ہے شاعر نے.... کمال کے مصرعے ہیں

”...“

”ہے...“ میں نے کہا۔

چاند پوری نور سے ترنم سے نظم پڑھنے لگے:

مکان کے شہیدو!!! مکان کے ستارو!!!

مکان تم پر قرباں

مکان تم پر نازاں

سرور ہو گی کہیں مکان کی فضا میں!!!

پر نور ہو گی کہیں مکان کی فضا میں!!!

مکان مسکرایا!!!

مکان جھگایا!!!

مکان جھومتا ہے!!!

مکان چومتا ہے!!!

نقش قدم تمہارے مکان کے دلارو!!!

مکان کے شہیدو مکان کے ستارو!!!

”واہ... سبحان اللہ.... نظم بھی خوب ہے اور آپ کا ترنم بھی قابلِ ذکر“

”آداب.... آداب!!!“ چاند پوری کھل اٹھے۔

”کبھی کس نے ہے اتنی خوبصورت نظم؟“

"لاہور کا ایک مست حال شاعر ہے.... فٹ پاتھ پر رہتا ہے.... لوگ کہتے ہیں نشہ کرتا ہے.... ساغر صدیقی !!!

"ساغر صدیقی؟؟".... وہ.... بھان اٹھ " !!!

"یہ کچھ رب کی عطا ہے بھائی.... جو ہات بڑے بڑے ملل دلائے کچھ سکے.... رب تعالیٰ نے ایک خانماں پر ہار، مست حال شاعر کو سمجھا دی.... خوش نصیب ہے وہ شخص جو ختم نبوت کے کام میں کہیں نہ کہیں استعمال ہو گیا.... اور انتہائی بد نصیب ہے وہ انسان جو اس تحریک کے سامنے مقرر کا بت بن کر کھڑا ہو گیا"

خیر میل ہمیشہ کی طرح لیٹ ہو گی !!!

تقریباً مغرب کا وقت تھا اور زرین مایہ وال میں کھڑی تھی۔

لو جو الوں کی ایک ٹولی ذبے میں سوار ہوئی اور ہر طرف نعروں کا شور مچا گیا۔

تاج و تخت ختم نبوت.... زندہ ہوا !!!

مولانا شفیع اوی کا زاری.... زندہ ہوا !!!

انہی کی زبانی ہمیں معلوم ہوا کہ اپنی اہلسنت، خطیب اعظم مولانا شفیع اوی کا زاری بھی اسیر ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ تحریک میں شامل ہونے کے لئے لاہور چارہ تھے۔ اس سے پہلے مکان اسٹیشن پر ہر مولانا، مفتی محمود کی گرفتاری کی خبر بھی من چکے تھے۔

چاند پوری گاڑی سے اترے اور کچھ عرصے بعد "ذہن" بغل میں دہانے والی آئے۔

"یہ کیا؟ اب آپ ذہن پر مہیں گے؟.... یہ تو تحریک کے مخالف لکھتا ہے"

انہوں نے بے ساختہ شعر پڑھا:

شیر آسیب میں آنکھیں ہی نہیں ہیں کافی

ان لکھو گے تو کچھ سید حاد کھائی دیکھا

میں نے کہا "وہ تو تمہیک ہے.... لیکن کم از کم افیاد تو سید حاد کچھ نہیں"

گاڑی ابھی چلی نہ تھی کہ ریڈ ہو گیا۔ ایک پولیس پادنی بوکی میں داخل ہوئی اور شور کیا:

"چلو اوسے باہر نکلو.... مولوی لوگ سب باہر نکلو.... جلدی" !!!

نوجوانوں کی نوئی نعرے لگاتے ہوئے گاڑی سے نیچے اترنے لگی۔

ایک پولیس والا تیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھا:

”سنا نہیں..... مولوی لوگ..... نیچے اتر سب“.....

چاند پوری جیسے سے جھانکتے ہوئے بولے۔

”ہاں، فیسر آفتاب چاند پوری..... کچھ ہم سے کہا آپ نے؟“

”نہیں..... نہیں..... سر آپ نہیں..... ہم تو مولویوں کو ہند رہے تھے..... لاہور میں بنگاے شروع ہو گئے ہیں“

صبح سویرے سورج نکلنے سے بھی پہلے ہم لاہور پہنچ گئے۔

پلیٹ فارم سے نکلے تو پولیس کی بے شمار گاڑیاں نظر آئیں۔

باہر سے آنے والے مسافروں کی تلاشی کا عمل جاری تھا۔ ہم نے پلیٹ فارم سے سی ”ڈیلی سول“ کی دو کاپیاں خریدیں اور انگریزی اخبار
پڑھتے ہوئے ہنسے آرام سے شہر میں داخل ہو گئے۔

ہم بیرون بارغ و حملی دروازہ پہنچے تو حوام کا سندرہ خاصا ہمارا تھا۔ یہ لوگ گراچی میں مجلس کے رہنماؤں کی گرفتاری پر براہمنہ تھے۔

لوگ اسٹیشن میں تھے کہ قادیانیوں کے دفاتر اور مکانات ہلا کر بھسم کر دینا چاہتے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد اسٹیج پر مولانا لاہوری رن کی آمد ہوئی۔ حوامی شور و گھٹت ختم کیا:

”ختم نبوت کے ہاں والو!!! ہم قربانیاں دینے آئے ہیں..... جانوں کے نذرانے پیش کرنے آئے ہیں..... قید ہونے کے لئے آئے ہیں

..... ختم نبوت کے لئے تکالیف برداشت کرنے آئے ہیں..... یہی امتحان کی گھڑی ہے..... اللہ تعالیٰ ہمارا عشق آزمائے رہا ہے..... یہ سکون

رہنے..... اور حکومت کو کوئی ایسا موقع مت دیجئے کہ وہ ہماری ہر امن تحریک کو مسترد کر دے“

مولانا لاہوری کی تقریر سن کر لوگ کسی قدر شامت ہو گئے۔ ہم بیرون بارغ سے نکل ہی رہے تھے کہ ایک دین میں کچھ بزرگان چمٹے نظر

آئے۔ ان میں مجلس احرار کے محمود غزنوی، الامجدیٹ عالم مولانا محمد اسماعیل، مولانا مین اصلاحی اور مولانا عبدالستار نیازی شامل تھے۔

چاند پوری بھاگ کر دین کے پاس گئے، کچھ بات چیت کی۔ پھر مجھے بھی اشارہ کر کے بلا لیا۔

ہم دین میں بیٹھ گئے۔ یہاں ایک پر جوش نوجوان بزرگان کو اپنی چٹا سارہ تھے۔

..... ”والد محترم کی گرفتاری کی خبر مجھے بڑی پر۔ ٹیلیفون موصول ہوئی۔ میں خفیہ کالج لاہور کا اسٹوڈنٹ ہوں..... 27 فروری سے ہی

پنجاب بھر میں چھاپے اور گرفتاریاں شروع ہو چکی ہیں“.....

”بھائی آپ کا تعارف؟“ چاند پوری نے دریافت کیا۔

”سید ظلیل احمد..... میں ابو الحسنات سید احمد قادری کا بیٹا ہوں“

”ماشاء اللہ..... ایک عظیم باپ کا مشن..... ایک قابل فخر بیٹائی آگے بڑھا سکتا ہے.... آپ کے والد سے کراچی ٹیل میں ملاقات ہو چکی ہے.... وہ بخیریت ہیں“ چاند پوری نے کہا۔

والد محترم کے ذکر پر سید ظلیل مزید بے جوش ہو گئے اور کہا:

”اگرچہ حکومت پوری قوت لگا کر اس تحریک کو کچلنا چاہتی ہے لیکن ہم اس تحریک کو قہقہے نہیں دیں گے مولوی آپس کے بغض قسم کر کے ایک کشتی میں کیا سوار ہوئے، سارے کے سارے مسٹر ڈاکو ریاست کے جہاز پر چڑھ گئے“!!!

”اب کیا ہو گرام ہے آپ کا؟؟؟“ چاند پوری نے پوچھا۔

”ہم قیادت کی تلاش میں ہیں.... عوام سینہ جان کر گھروں سے نکل چکی ہے.... اور باہر کوئی ایسا ہتھیار نہیں.... جو تحریک سنبھال سکے.... لے دے کے جماعت اسلامی ہی بچی ہے.... اس نے بھی شرعی دھنیا پالی لیا ہے“

”شرعی دھنیا؟؟؟“ چاند پوری نے حیرت سے پوچھا۔

”مودودی صاحب کے پاس کل بھی جا چکے ہیں.... آج پھر جا رہے ہیں.... خدا کرے وہ حابی بھر لیں“

ٹھیک گیارہ بجے یہ وفد امپور میں مودودی صاحب کی رہائش پر پہنچ چکا تھا۔

ابوالاعلیٰ نے وفد کا یہ تپاک استقبال کیا۔ اور بزرگان کو ایک کمرے میں قائلین پر بٹھا کر چائے پانی کے لئے جانے گئے۔

سید ظلیل احمد نے کہا ”حضرت والا.... چائے پانی پھر کبھی.... پہلے ہماری بات سن لیجئے“

”جی فرمائیے....“ وفد کے سامنے تشہد کی حالت میں بیٹھ گئے۔

”ہم کل بھی آئے تھے.... آج پھر حاضر ہوئے ہیں.... آپ ہماری قیادت فرمائیے“

”لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ تحریک کو کن خطوط پر چلانا چاہتے ہیں؟“

”ہم روزانہ جلسے کریں گے.... اور گرفتاریاں پیش کریں گے“

”دیکھیں میں کل بھی آپ کے ساتھ تھا.... آج بھی آپ کے ساتھ ہوں.... لیکن جہاں تک ”ڈائریکٹ ایکشن“ کا تعلق ہے فی الحال

میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا.... اس لئے کہ عوام میں تحریک کے لئے مودودی کے وہ جزایات نہیں ہیں.... جو ایسی تحریکوں کا خاصا

ہوتے ہیں.... یہ وقت عوامی شعور بلند کرنے کا ہے.... نہ کہ گرفتاریاں دینے کا“

”آپ میرے ساتھ باہر چلیں.... اور لوگوں کا جوش و خروش دیکھیں.... عوام تو دل و جان سے تحریک کے حامی ہیں.... اور ہر قربانی

کے لئے تیار ہیں....“ سید ظلیل نے کہا۔

"دیکھو بھائی..... مجھے تحریک سے حمد و دی ہے.... لیکن میں ڈائریکٹ ایکشن کی تجویز سے فی الحال متفق نہیں ہوں" انہوں نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کمپنی نے کیا تھا حضرت.... اور آپ کمپنی کا حصہ ہیں.... اس نازک گھڑی میں ساتھ چھوڑنے کا مقصد؟؟.... یہ تو سراسر دھوکا ہے" !!!

"بھائی ایسی بات نہیں ہے.... اگر سب لوگ ایجنیشن کریں گے.... گرفتاریاں دیں گے... تو پیچھے لڑے گا کون؟؟؟ قلمی محاذ پر بھی تو کوئی ہونا چاہئے.... میرا خیال یہ ہے کہ کچھ لوگ سامنے آکر لڑیں اور کچھ اندر گراؤنڈ چلے جائیں.... تمام اند سے ایک ہی قہیل میں رکھ دیے تو نقصان ہوگا"....

مولانا نیاز نے کہا:

"حضرت لوگ تو بس یہی ہیں جو یہاں بیٹھے ہیں.... اس میں سے کتنے اندر گراؤنڈ جائیں گے... کتنے فرنٹ پر لڑیں گے؟؟؟"

مولانا دودوی نے جواب دیا:

"دیکھئے میری تجویز یہ ہے کہ جماعت اسلامی، بے یو آئی اور جمعیت احمدیہ پیچھے رو کر کام کریں... لٹریچر وغیرہ شائع کریں.... باقی مجلس احرار، جمعیت علمائے پاکستان اور اور وہ توفیق حقوقی شیعہ فرنٹ محاذ پر لڑتے رہیں.... ہم پیچھے رو کر ان کے لئے پروپیگنڈا کرتے رہیں گے"....

اس پر احمدیہ مولانا اسماعیل بول اٹھے:

"جمعیت احمدیہ تو ڈائریکٹ ایکشن میں کود چکی مولانا... فیصل آباد میں احمدیوں نے گرفتاریاں پیش کر دی ہیں.... اور بے یو آئی کے مولانا دودوی دن ابھی ابھی جلسہ عام میں تقریر کر کے محاذ محال چلے گئے... اب تو لے دے کے آپ ہی بیٹھے ہیں.... اس وقت سب کی نظریں آپ پر ہیں"

"تحریک ناکام ہونے لگے گی تو میں اسے منہ بال لٹکا.... فی الحال ہم پیچھے رو کر لٹریچر وغیرہ شائع کریں گے"

"آپ چلائیں تشکیلاتی محاذ کا چھاپہ خات" "سید ظلیل احمد کھڑے ہوئے۔" ہم چلائیں گے تحریک... ہم ہمارے کھائیں گے....

گرفتاریاں بھی دیں گے.... اور جانیں بھی دیں گے.... یہ ختم نبوت کا مسئلہ ہے.... کوآملال حرام کا مسئلہ نہیں ہے... جس پر کاغذ سیاہ کئے جائیں" !!!

مولانا دودوی صاحب سے رخصت ہو کر وفد و پار و بیرون ہاؤس جا رہا تھا۔

ہیران بلغ جیسے میں اب جمع کی تعداد دو گنی ہو چکی تھی۔

اندرون پنجاب سے لوگ مسلسل لاہور پہنچ رہے تھے۔ بڑے بڑے جلوس سیلاب کی طرح شہر میں داخل ہو رہے تھے اور پولیس کا حفاظتی حصار کسی کچھ بند کی طرح ٹوٹ چکا تھا۔

مولانا یازمی اسٹیج پر تشریف لائے اور اعلان کیا:

”آج سے تحریک ختم نبوت کا نیا مرحلہ شروع ہو چکا ہے۔۔۔ قیادت پابند ملاح ہو چکی۔۔۔ آج سے تحریک کی قیادت سید غلیل کریں گے۔۔۔ ابو الحسنات کے فرزند۔۔۔ امین الحسنات سید غلیل احمد قوری“ !!!

غزوں کی گونج میں سید غلیل احمد مانگ پڑے اور کہا:

”ختم نبوت کے جانثار !!! میں کوئی واعدا مفتی نہیں ہوں۔۔۔ غیبہ کالج کا طالب علم ہوں۔۔۔ فن تقریر سے بھی ناواقف ہوں۔۔۔ اور میں آج آپ کے سامنے اس لئے نہیں کھڑا کہ میرے والد محترم قید ہو گئے ہیں۔۔۔ سرکارِ ہندوستان کے تان و تختِ نبوت کی حفاظت کا سوال ہے۔۔۔ اگر آج بھی ہم نے اُٹھے تو پھر کوئی نہ اُٹھ سکے گا“ !!!

دور دور تک السالوں کا ایک سندر موجزن تھا۔

شام ساڑھے چار بجے مولانا غلام دین کی قیادت میں 25 رضاکاروں کا ایک جمہور گرفتاری دینے کے لئے چیخ کر اسٹک کی طرف روانہ ہوا۔ سفید ابلے لباس پہنے، گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے، عاشقانِ ختم نبوت اپنے آپ کو زردالوں کے سپرد کرنے نکلے۔ ان کے پیچھے کم و بیش ایک لاکھ مسلمانوں کا ہوا نہیں مارا ہوا سندر تھا۔

سڑک کے دونوں جانب گھروں سے ان پھولوں کی چٹیاں نچھاور کی جا رہی تھیں۔

جلوس کا نظم و ضبط حیرت انگیز تھا۔ جزاات پر قانون کا مکمل کنٹرول تھا۔ دیکھنے والے دم بخود تھے کہ وہ کون سی طاقت ہے جو السالوں کے اس متحرک جنگل کو سنبھالے ہوئے ہے۔ نمازِ عصر کا وقت آیا تو میدان میں جس قدر لوگ سہاکتے تھے کھڑے ہو گئے۔ مولانا غلام دین کی معیت میں نمازِ عشق ادا ہوئی پھر رضاکاروں نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

پولیس کی گاڑیاں قیدیوں کو لیکر شاہی قلعہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ سب کو معلوم تھا کہ گرفتاری کا مطلب عزتِ ناک قید، یا شہادت کے سوا کچھ نہیں۔ انتظامیہ میں پولیس سے لیکر جیلر تک ہر جگہ مرزائی مسلط تھا۔ مگر اس کے باوجود عاشقانِ پاک طینت کے قدم ایک لمحہ کے لئے بھی نہ اُٹھ گئے۔

اگلے روز اسٹیبلشمنٹ کے درجہ والے مر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

مرزاہیت کے خلاف علماء کا اتحاد لاکھوں کے اجتماعات، شیر شیر سے اڈتے جلوس اور قافلے، یہ سب گورنمنٹ کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ اس پر امن تحریک کو بہر صورت سبوتاژ کرنا چاہتی تھی۔ لاکھوں کے اس مجمع پر نہ تو لاکھی چارج ممکن تھا اور نہ ہی یہ آنسو گیس ان دنوں عام تھی۔

یکم مارچ 1953ء کو لاہور میں دفعہ 144 نافذ کر دی گئی۔

دہلی دروازے پر اس روز بھی ساتھ بزار فداہین کا مجمع تیار تھا۔

”آج کون سے رہنماء گرفتاری دیں گے“ لوگ ایک دو سرے سے پوچھ رہے تھے۔

اچانک مولانا محمد علی لاہوری مدح لاکھی نیکے ہوئے اسٹیج پر تشریف لائے۔ سفید برقع ولامی، چہرے پر بڑھاپے کا نور، بیچ اند سال اور مسلسل بیماری سے جسم لاغر !!!

”آج رضاکاروں کے ساتھ گرفتاری دینے میں جہاں کا“ !!!
فخراہ نعرہ، بکیر سے گونج اٹھی۔

زندگی بھر انگریز جیل کی جگہ پہنے والے احمد علی لاہوری مدح کو رب تعالیٰ نے شوقِ محبت و محبت کی قید کے لئے بھی قبول فرمایا تھا۔ آپ نے اعلان کیا:

”حکومت جان لے.... ایک مسلمان کے لئے قسم نبوت پر جان مارنے سے بڑی کوئی سعادت نہیں.... آج ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان کی رمت بھی موجود ہے.... تختِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دقار کے لئے سینہ سپر ہے.... حکومت عوام سے لکھانے کا نتیجہ سوچ لے.... یہ سراسر خسارے کا سودا ہے“ !!!!!!

اس کے بعد مولانا لاہوری مدح نے رضاکاروں کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہوئے اللہ کی رضا میں منتیں برداشت کرنے کی حدایت فرمائی اور ہر قسم کی اشتعال انگیزی سے بچنے کی تاکید کی۔ آپ رضاکاروں کا قافلہ لیکر گورنمنٹ ہاؤس کی طرف چلے تو عوام کا ایک سندر پیچھے پیچھے تھا۔ رضاکاروں کے گنگے میں پھولوں کے ہار تھے اور سوائے درود و سلام کے مجمع سے اور کوئی صدا بلند نہ ہو رہی تھی:

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوبِ سبحانی

سلام اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی

فدا یانِ ختم نبوت کی جوجھ اور مقبولیت دیکھ کر حکومتی ایوان لرز اٹھے۔

گورنر ہاؤس سے کچھ دور ہی رکاوٹیں لگا کر جلوس کو روک لیا گیا۔ جلوس کی کاروائی روکنے کے لئے آئی۔ جی، ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ، کمشنر اور عوام بیکر ٹریڈز ایت خود موجود تھے۔ آج پولیس نہایت ہی اونچے تختوں پر اتاری ہوئی تھی۔ جگہ جگہ رکاوٹیں لگا کر نہ صرف جلوس

گورو کا چار ہاتھ بالکل لائچی چارن سے مشتعل کرنے کی ہر ہد کو شش بھی کی چار ہی تھی۔ جلوس کے شرکاہ اگر چاہتے تو ایک جست میں ان رکاوٹوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا سکتے تھے۔ لیکن مبر و قفل کا درس اس موقع پہ کراں گورو کے ہوئے تھا۔

پولیس نے حضرت مولانا لاہوری راجہ کا مضمی احسان احمد شہان آبادی راجہ اور دیگر رضاکاروں کو پہلک سیفنی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا۔ گرفتار شدگان کے گرد پولیس نے گھیر ڈال لیا۔ اس کے بعد پولیس کی گاڑیوں میں حضرت لاہوری راجہ کو لے کر شاہی قلعے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اور رضاکاروں کو دواڑوں میں سوار کر کے لاہور سے 80 کلومیٹر دور چھانچکا نکاح میں جا کر رہا دیا گیا۔

میشن کے مسافرات بھر بھر کے پیاسے، سفر کرتے کرتے انکے دن شام کو دہلا ہوا پہنچ گئے۔

حکومت تحریک کو تھکا کر مارنا چاہتی تھی۔ اس حکومتی ممل سے عوام کسی حد تک بد نظم ہو گئے۔ چنانچہ یکم مارچ کو سارا دن غیر منظم جلوس نکلتے رہے۔ جہاں ہارضاکار، پھولوں کے ہار پہن کر دواڑ ۱۱ شریف پہنچتے ہوئے نکلتے رہے اور پولیس طاقت کے زور پر انہیں منتشر کرتی رہی۔ اس روز یہ حیرت ہو گیا کہ حکومت مجلس ممل کا جلیج قبول کر کے بری طرح پتہ لگی ہے۔ اور اس کے پاس اوجھے جھکنڈوں کے سوا اب کوئی ہتھیار نہیں رہا۔

2 مارچ.... 1953... لاہور

راستہ میں پہلے ہم سوئی ہاؤز میں ایک پرانی بلڈنگ کے سامنے کھڑے تھے۔

خط سردی کے باوجود شہر میں پولیس کا گشت بڑھایا گیا تھا۔ اس علاقے میں سڑک پر خال خالی لوگ نظر آ رہے تھے۔

"دواڑ دواڑ نامہ افلاک کا دفتر.... اوہ...." چاند پوری موند سے بھاپ چھوڑتے ہوئے بولے۔

"واہ.... تو شامین ہے، سیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں" میں نے سردی سے کھپاتے ہوئے جو تھی منزل پہ بنے ایک در پہ لہا، آفس کی پتہ پرائی کی۔

"میں چاہ رہا تھا کہ اپنا چھاپہ خانہ یہاں سے شفٹ کر دوں، آج کل چھاپوں کا سیزن چل رہا ہے"

"کوئی ہانگل ہی ہو گا جو یہاں چھاپہ مارے گا"

"کل زمیندار کے آفس میں اچھی خاصی توڑ پھوڑ ہوئی ہے..."

"زمیندار کی بات الگ ہے.... دیسے بھی وہ لوگ اختر علی خان کے اچانک گناہ پلے جاتے ہیں ہم تھے"

"وہ والد محترم کی بیمار داری کے لئے گئے ہیں.... آج آجائیں گے.... بہر حال ہمیں اپنا چھاپہ خانہ آج ہی اٹھالینا چاہئے"

"لیکن شقت کہاں کریں گے؟... لاہور میں تو اب کوئی بھی ٹھکانہ محفوظ نہیں رہا"

"بابا غوث محمد چھوٹے والے کے پاس"

"بابا غوث تو مہاجر ہے... اس کے پاس ٹھکانہ کہاں...؟"

"وہ" ٹھک بازار "میں چوکیداری کرتا ہے رات کو.... وہیں بلڈنگ کی سیز میوں کے ساتھ ہے.... وہاں کچھ کالہ کھاڑا کھا کر کھا ہے

اس نے.... وہیں چھپا دیں گے... حالات بہتر ہوتے ہی واپس لے آئیں گے"

اسی دوران پولیس کی ایک گاڑی سائرن بجاتی ہوئی لاہور سے گزری تو ہم بلڈنگ کی اوٹ میں ہو گئے۔

دن بھر پولیس اور مظاہرین کے سچ جھڑپیں ہوئی تھیں۔ پولیس نے جلوس پر لاکھی چارج کیا تو مظاہرین میں سے کچھ نے بوتلیں اور لاندے پھینکنے شروع کر دیے۔ سارا لون مسجد وزیر خان سے اعلان ہو رہا کہ کارکنان اشتعال کا مظاہرہ نہ کریں۔ لیکن مظاہرین میں ایک ایسی اقلیت بھی شامل ہو چکی تھی جو شرارت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔ ان میں اکثر قادیانی تھے جن کا مقصد انتشار پیدا کر کے تحریک کو سبوتاژ کرنا تھا۔

ہم ماچس کی تیلیاں جلاتے ہوئے سیلن زدہ حالت میں داخل ہو گئے۔ بلڈنگ کے چیدہ چیدہ پارٹمنٹس ہی آ رہے تھے۔ لوگ سردی اور شہر کے حالات کی وجہ سے بستروں میں دیکھے پڑے تھے۔ کہیں کہیں سے ریڈیو بجنے کی آواز آرہی تھی۔ ہم ملی کی طرح بچوں پر چلتے ہوئے چوتھی منزل تک پہنچے۔ چاند پوری نے جیب سے چائیں گچھا نکالا اور کچھ دیر "کڑی کڑی" کرنے کے بعد بھاری بھر کم جالہ کھول لی لیا۔ دروازہ ایک غنچیل پر آہستہ کے ساتھ کھلا۔

اندر عجیب سی دواؤں اور سپرٹ جیسی بو پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے آنے والی لائٹ پول کی روشنی میں ہم نے سائیکلا سٹائل مشین ایک گھنٹری میں باندھی۔ پھر اسے اٹھا کر بمشکل نیچے لائے۔ چاند پوری مجھے بلڈنگ کی سیز میوں کے پاس بٹھا کر گدھا گاڑی کی تلاش میں نکل گئے۔

اس دوران وہاں سے دو پار پولیس دین گزری۔ پھر ایک نعت خانوں کی ٹولی کا گمزدہ بوجھو بوجھو اونچی اونچی آواز میں بڑھتے جا رہے تھے...

مہینے کو جاگیں یہ جی چاہتا ہے....

میں سیز میوں کے نیچے خاموش دبکا کھڑا رہا۔

تقریباً نصف گھنٹہ بعد چاند پوری پلٹے تو سردی سے میری قحقی جم چکی تھی۔

ہم نے ٹھنڈا ٹھنڈا چھاپہ خانہ اٹھا کر گدھا گاڑی پر ڈالا اور خود بھی جست لگا کر بیٹھ گئے۔

جگہ تک پہنچا کر لیس کا ناکر تھا لیکن ہمیں کسی نے نہ پوچھا۔ ابکار کھیل اڑھے گھنٹوں کے بعد روں میں رونق بجائے بیٹھے تھے۔ کہنے کو شہر میں دفعہ 144 نافذ تھی لیکن پو لیس اور مظاہرین آپس میں شیر و شکر ہو چکے تھے۔ کہیں چائے تیار ہو رہی تھی کہیں بسکٹ بن رہے تھے تو کہیں حلہ پوری تقسیم ہو رہی تھی۔ لاہور کا درجہ حرارت 28 گری سینٹی گریڈ کو چھو رہا تھا سو دروازے آنے والے قدامتین بستر کھیل بھر لائے تھے مگر اہلیان لاہور نے بھی خدمت گزاروں میں کمرٹ چھوڑی تھی۔ لوگ گھروں سے بستر چھوڑ کر کھیل، کھانے اور ضرورت کی چیزیں اٹھا کر مہمانانِ قسم توڑ میں تقسیم کر رہے تھے۔

حکومت نے دہلی دروازے اور موچی گیت کی حد دو میں اجتماع پر پابندی لگائی تو قدامتین نے مسجد وزیر خان کو آہوا کر لیا۔ پنجاب بھر سے آنے والے رضا کاروں کے قافلے اب مسجد وزیر خان کا رخ کر رہے تھے۔ آنے والوں میں نوجوان بھی اور بوڑھے بھی۔ دفعہ 144 اور ہڑتال کے باوجود اتنی بڑی مخلوق کو سنبھالنا ان کے کھانے پینے، رہائش کے انتظامات، گناہن کے مسئلے مسائل، روزانہ کی بنیاد پر ان کی ترتیب اور گرفتاریاں، پو لیس سے بھڑکیاں، تحریک کا سب سے مشکل اور کڑا امر ملے تھا جسے ہلسنت قدامتین بڑی جانفشانی سے نبھا رہے تھے۔

مجلس احرار، جنسیت الیحدیث اور جمیعت علمائے اسلام کی قیادت پس زنداں تھی۔ تحریک کی قیادت اب مولانا غلیل احمد قادری، مولانا غلام غوث ہزاروی، پندھری شاہ، بھٹہ، مولانا بہا، مافوق قادی اور مولانا محمد السار نیازی کے ہاتھ میں تھی !!! لاہور کے درود و دعا مولانا نیازی کی پروردگار سے اب بھی گونج رہے تھے:

میں لہجہ لاں دے لڑ گئیوں، میرے توں غم پہرے رہندے

مری آسماں، اُمیدیاں دے، سدا لانے پرے رہندے

خیال یاد دہن میں مست رہتاں ہاں دے راتی

مرے دل و جی بچن و سدا امرے دیدے خیرے رہندے

تقریباً نصف گھنٹہ لاہور کی مختلف سڑکوں پر گدھا گاڑی دھڑانے کے بعد ہم ”تنگ ہزار“ کی ایک سخت حال ہڈنگ کے سامنے جا گئے۔ مشین اٹار کر نیچے رکھی اور ریڑھی بان کو تین پائی ڈیکر رخصت کیا۔

”ہا ہا غوث..... ہا ہا غوث“ چاند پوری نے صدا لگائی۔ میرے دانت مروی سے گونج کر رہے تھے۔

”ہا ہا غوث..... او..... ہا ہا غوث“

اس دوران اوپر والی کسی منزل پر کھڑے ہوئی۔ پھر ایک کھڑکی کا نصف ہٹ کھلا۔

”ہا ہا غوث تے فوت ہو گئے نیں....“ ایک بزرگ نے کھڑکی سے جھانک کر کہا۔

"واللہ والاعلیٰ راجعون.... کب فوت ہوئے" چاند پوری نے کہا۔

"ہفتہ ہو یا...." بابلی نے کہا۔

"افسوس.... ہم کراچی گئے ہوئے تھے.... چاندی نہ چل سکا"

"سانوں وی نہیں چٹا چلیا ہتر.... صفائی کروں والے نے دسیاک باپا دون توں اعلیٰ نہیں.... دیکھتے ہیں واسطے اٹھ چکیا سی"

"کوئی بیماری وغیرہ تھی....؟؟"

"سر دی توں وہی کیہڑی بیماری مہاجروں...." یہ کہ کر بزرگ نے کھڑی کھپٹ بند کر دی۔

ہم نے سائیکلو اسٹائل مشین محسبیت محسبات کر میز میوں کے نیچے رکھی اور چھلے قدموں سے مسجد وزیر خان کی طرف چل پڑے۔ لاہور کی ویران سڑکوں پر چلتے ہوئے چاند پوری نے کہا:

"خدا ہا غوث بھی آزادی کی تسلیں چکاتے چکاتے تہ خاک جا سو یا.... دولہ حیات میں ایک خوبصورت گھر چھوڑ کر آیا تھا.... خانہ ان رستے میں کٹ گیا.... جمع پونجی پاس نہ تھی.... رہنے کو ٹھکانہ نہ تھا.... بس لے دے کے چھوٹوں کا ایک ضیلہ تھا.... یہیں رات کو میز میوں کے نیچے نہ جاتا تھا.... اکڑ کہا کرتا تھا.... جس دن روئے کی زمین مسلمان مہاجرین کو ملے گی.... اس دن میں بھی پاکستان میں اپنا گھر بنائوں گا.... روئے کی زمین تو نہ مل سکی.... لیکن گھر آ خر مل ہی گیا.... کئی مٹی کا گھر"!!!!....

2 مارچ... 1953ء.... لاہور!!!!

دن کے اچھے ٹھانہ سول لائن کے سامنے ایک گاڑی آن کر رہی۔

"آئی جی ساپ آگئے.... آئی جی ساپ!!!!" باہر سے ایک منتری جھانک رہا تھا۔

ایس ایس پی نعیم مرزا جو میز پر ناگھیں پھیلائے قیلولہ کر رہا تھا، بڑبڑا کر اٹھا اور نوپا پہن کر وارنٹ ہو گیا۔ باقی ملے بھی اٹھ کر آنکھیں ملنے لگا۔

"سیدھے ہو جاؤ.... جلاہ نازل ہونے والی ہے" ایس ایس پی عملے کو حواہیات دیتا ہوا باہر دوڑا۔

آئی جی نے گاڑی سے اترتے ہی پوچھا "سب لوگ آگئے؟؟"

"کک.... کون لوگ سر....!!!!" ایس ایس پی بکھلایا۔

"سینئر مینیجر، کسٹمر صاحب..... ہوم سیکرٹری؟؟؟"

"نہن..... نو سر"!!!!.....

"مینٹگ روم تیار کر آؤ..... آر جینٹ مینٹگ ہے"!!!

یہ کہہ کر آئی جی صاحب لان میں کھڑے ہو کر سکرٹ سلکانے گئے اور ایس ایس پی مرزا نعیم مینٹگ روم کی طرف دوڑا۔
کوئی نصف گھنٹہ بعد کسٹمر لاہور، ہوم سیکرٹری اور مینیجرینٹ بھی پہنچ گئے۔
دوبہے تھانے سول لائن میں اعلیٰ سطح کا اجلاس شروع ہو چکا تھا۔

"آج شام کا جلوس بہت سرکش تھا....." آئی جی نے کہا۔ "مظاہرین کی طرف سے اینٹوں ڈنڈوں پر ٹکوں کا آڑ ہوا نہ استعمال ہوا ہے.....
کراڈ کے چور اب چل رہے ہیں".....

"پولیس لائشی چارٹ نہ کرتی تو ہجوم اتنا مشتعل نہ ہوتا....." کسٹمر نے کہا۔

"کیا کر سہے پولیس.....؟؟؟ لائشی چارٹ نہ کرتی تو یہ لوگ گورنمنٹ ہاؤس پہنچ جاتے..... اتنے بڑے کراڈ کو ہینڈل کرنا آسان کام
ہے؟؟؟"

"فکرت کریں..... ہم ہر ڈر پولیس منگوا رہے ہیں..... وہ لوگ ہائی ریسک میں کام کرنے کے عادی ہیں" ہوم سیکرٹری نے کہا۔

"لیمٹ الدین صاحب!!! پوزیشن یہ ہے کہ بغائب حکومت کی کوئی سٹاف نہیں، ہور مرکز کو کسی کی پرواہ نہیں..... ان حالات میں پولیس
جانوں کا ریسک کیوں لے" آئی جی کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"بغائب حکومت قصہیں بٹھیار اور اختیار خودے چکی اور کیا کرے؟؟؟" ہوم سیکرٹری نے کہا۔

"تو اب کیا بندوق لیکر سوب پر گولیاں چلانا شروع کر دیں.....؟؟؟"

"آف کورس!!! بندوق کا کوئی اور مقصد اگر ہے تو مجھے سمجھا دیجئے"!!!

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟؟ ایک بار خون کے ٹھہینے اس وردی پہ لگ گئے تو عمر بھر نہیں رمل سکیں گے"

"پھر کھاتے رہو ڈنڈے اور بوتلیں....."!!! "ہوم سیکرٹری نے طنز کیا۔

"میرے خیال میں آئی جی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں....." کسٹمر لاہور نے کہا۔ "آج ہم اپنی قوم پر غائر کھولیں گے تو کل ہمیں اپنا سر
کھلوانے کے لئے بھی تیار رہنا پڑے گا" کسٹمر نے کہا۔

"تو پھر حل کیا ہے؟؟؟" ہوم سیکرٹری نے پوچھا۔

"مارشل لا"!!!

"مارشل لاء ۴۴.... آر پو میڈ.... ۴۴" "حوم سیکرٹری نے کہا۔

"ر سوائی سے بچتا ہے تو فوج کو بلاؤ.... مارشل لاء لگواؤ اور جان چھڑاؤ!!!" کشنر نے کہا۔
"لیکن مسئلہ اتنا گنہگار بھی نہیں کہ مارشل لاء...."

"دیکھئے غیاث الدین صاحب!! مارشل لاء ہی اس مسئلے کا واحد حل ہے.... لوگ فوج کی گولی آرام سے کھا لیتے ہیں لیکن پولیس کی لاٹھی تک ہضم نہیں کر سکتے.... ایک سال پہلے ملتان میں پولیس نے ایسے ہی ایک کراؤڈ پر تشدد کیا تھا اور لوگ تھانے کو آگ لگانے پہنچ گئے تھے"!!!....

"تجربہ تو اچھی ہے.... لیکن.... چیف منسٹر نہیں مانیں گے" حوم سیکرٹری نے خیال ظاہر کیا۔

"چیف منسٹر سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ۱۲، ۱۳ آئی ایم اقداری!!!" سینئر میجسٹریٹ نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... کل مشورہ کریں گے جنرل اعظم سے...." حوم سیکرٹری نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کل تک بہت دیر ہو جائے گی.... ابھی بات کریں.... مرزا نعیم فون اٹھا کے لاؤ!!!" آئی جی نے کہا۔

ایس ایس پی مرزا دودو سرے سرے سے فون اور ڈائریکٹری مافٹ لایا۔

آئی جی سگریٹ چنے باہر لان میں چلے گئے۔ کشنر اور میجسٹریٹ محاطے سے لا تعلق ہو کر آپس میں گپ شپ کرنے لگے۔
حوم سیکرٹری ٹیلی فون ملانے میں مصروف ہو گئے۔

تقریباً کوس منٹ تک مبہم گفتگو کے بعد انہوں نے کریڈل رکھتے ہوئے کہا:

"کمال ہے.... جنرل اعظم مان گئے"!!!

کشنر اور میجسٹریٹ یک زبان ہو کر بولے.... "کا محرمٹ"!!!

"جنرل صاحب کو یہیں مدعو کر لیتے تو بات یہی ہو جاتی" آئی جی نے براہ راست سے آواز لگائی۔

"جی میں نے کی ہے بات.... وہ خود تو نہیں آ رہے.... کرمل شیریں خان کو بھیج رہے ہیں"

"کرمل شیریں کون ۴۴" کشنر نے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں اسے.... پاپا احمد ہی ہے.... جیسا سمجھ کر لڑے گا.... دو دن میں شیر صاف کر دے گا" حوم سیکرٹری نے کہا۔

تقریباً تیس منٹ بعد کرمل شیریں دو فوجی افسران کے ہمراہ تھانے پہنچ گئے۔

"تم نے بلایا اور ہم چلے آئے" کرمل صاحب موقع سے زیادہ جوش تھے۔

"ہم نے نہیں.... ان صاحب نے دعوت دی ہے" کشنر نے میجسٹریٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنکھ ماری۔

"نہیں نہیں.... ہم نے تو صرف دو تجویز کی.... درود تو آئی ہی صاحب کے پیٹ میں اٹھا تھا" میجر میجر نے قہقہہ لگایا۔
 "ہم کافر اس درود کو نصف مدی سے سر رہے ہیں...." کرمل شیریں خان نے کہا۔ "بھرے جگت میں ایک مولوی گھس آئے تو اسن تپا
 ہو جاتا ہے.... تم لوگوں نے پورا شیر مولویوں سے بھر دیا"....

"حکومت اگر ان کے کچھ مطالبات مان لیتی تو آج یہ حالات نہ ہوتے" کشن نے کہا۔
 "کیا ہیں ان کے مطالبات؟؟؟" کرمل تاڑی آیا۔ "پہلے جناح صاحب کو کافر کہتے تھے.... اب احمدیوں کو کہتے ہیں.... پہلے تقسیم کے
 مخالف تھے.... اب قوم کو تقسیم کرنے پختے ہیں"....
 "ارے صاحب حکومت کی بھی مجبوری ہے...." حوم سیکرٹری نے لقمہ دیا۔
 "کاہے کی مجبوری صاحب؟؟ حکومت شروع سے انہیں قابو کرتی تو آج سانپ کے مونہ میں چھو نہ رہتا ہوتا.... لیکن حکومت
 بھی تو درود میں لیوں نچوڑ کر شربت بناتی ہے!!!....

"یہی خیالات یہ لوگ آپ کے بارے میں رکھتے ہیں... بس لیوں کی جگہ بیٹا صاحب کا قطرہ کر لیجئے" کشن نے جواب دیا۔
 "بس اس سے بھی برے خیالات رکھتا ہوں ان کے بارے میں.... آگاہ کروں آپ کو؟؟؟" کرمل ہلکا اٹھا۔
 "یہ قدر اس لا حاصل بحث کو چھوڑو.... یہ بتاؤ پلان کیا ہے" حوم سیکرٹری نے کہا۔
 "پلان تو شب بنے گا جب حکومت فوج سے باضابطہ درخواست کرے گی" کرمل نے جواب دیا۔
 "ابھی کر لیتے ہیں... میجر میجر میٹ ہیں ناں.... نعیم مرزا.... بچے لے کر آؤ"
 "ناں جناب ناں!!! ڈسٹرکٹ میجر میٹ کے بلانے سے نہیں آئیں تو ہمیں....!!!" کرمل شیریں نے کہا۔
 "پھر کیسے آتی ہیں جناب؟؟.... آئین میں میجر میٹ کو اختیار ہے کہ"....
 "آئین کیا تیل لینے لیں!!!" کرمل نے مجسٹریٹ کو فوکا۔ "فوج بلانے سے پہلے آئین کو لپیٹ کر صندوق میں رکھنا پڑتا ہے"....
 "تو کیا اب نکل جھانپنے کا....؟؟؟" میجر میٹ زچہ ہو کر بولا۔

"دیکھئے جناب.... فوج کا پٹا ایک بجٹ ہوتا ہے.... مونسٹ الاؤنس ہوتا ہے.... میسٹک الاؤنس ہوتا ہے.... مفت میں نہیں آتی فوج
 آپ ایسا کریں.... چیف فیسٹر سے ایک تحریری درخواست بنام کمانڈر 10 ذویحین بجوا لیں... تاکہ بعد میں اخراجات کا مسئلہ پیدا نہ
 ہو"....!!!....

"دیکھئے ہم ہندوستان سے فوج نہیں منگوا رہے جو آپ ایڈوائس خرچا مانگ رہے ہیں" آئی جی نے کہا۔ "میں حکومت پنجاب کی طرف سے
 تحریری مطالبہ پیش کئے دیتا ہوں.... حوم سیکرٹری اور ڈسٹرکٹ میجر میٹ اس پر ابھی سائن کر دیں گے.... باقی رہا رٹن پانی کا مسئلہ

.... لوکایند ہے ناں.... کھینچ پستول رکھ جتنا چاہے راشن اٹھا لیجئے گا" !!!

"چلیں ٹھیک ہے.... تو.... کب سے لگو تا ہے مارشل لا؟؟؟؟"

"شام کو سی ایم کی میٹنگ ہے.... ان سے پوچھ سائن کروائے آپ کو مجبوری ہو گئے.... کل صبح سے ٹیک ہو رہے ہیں" ہوم سیکرٹری نے کہا۔

پہرہ 3 بجے لاہور کے سول لائن قحانہ میں نوکر شامی کے ہاتھوں پاکستان کے پہلے مارشل لا کی رشتہ رکھی جا چکی تھی۔

رات 9 بجے آئی بی، کمشنر اور محوم سیکرٹری وزیر اعلیٰ کی کوٹھی پہنچے۔

گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے انہوں نے دروازے پہ کھڑے گارڈز سے سیلوٹ وصول کیا اور اندر چلے گئے۔

وزیر اعلیٰ میٹنگ روم میں دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔ کایند کے ہاتھ ممبران بھی یہاں موجود تھے۔

"ہاں آئی بی صاحب کیا صورتحال ہے؟؟" وزیر اعلیٰ نے پوچھا۔

"صورتحال بہت گنہگار ہے سر" !!!

"کیا مطلب؟؟" وزیر اعلیٰ پریشان ہو گئے۔

"پولیس کی رکاوٹوں کے باوجود ایک لاکھ آدمی لاہور پہنچ چکا ہے...." آئی بی نے بتایا۔

"یہ تو بڑی بات ہو گئی.... اور کچھ؟؟"

"دفتر 144 لگنے کے باوجود مظاہرین مسجد وزیر خان میں مورچہ بٹائے بیٹھے ہیں.... آئے روز وہاں سے جلوس نکلتے ہیں.... نعرے لگتے

ہیں.... گرفتاریاں ہوتی ہیں"

"یہ سب کچھ تو میں سی آئی ڈی بریفنگ میں روز سناتا ہوں.... کوئی نئی بات ہے تو بتاؤ" وزیر اعلیٰ نے کہا۔

"نئی خبر یہ ہے کہ آج پولیس پہ انڈے اور پتھریں پھینکی گئیں جس سے گیارہ پولیس افسر زخمی ہوئے ہیں"

"سی آئی ڈی بریفنگ میں سن چکا ہوں.... اور کچھ؟؟"

استے بڑے کراؤ کو ویٹل کرنا شامی پولیس کے بس کی بات نہیں"

"ہارڈ پولیس بھی آجائے گی.... اور؟؟"

"کل سے لاہور فوج کے حوالے کرنا ہو گا" !!!

"وٹ نان سینس؟؟"

"ایڈٹو سول ہاؤس.... سر....!!!" ہوم سیکرٹری نے کرسی کھینچے ہوئے کہا۔

"ناٹ ایٹ آل.... نوٹری رول.... نیو!!!" وزیراعلیٰ بے ساختہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے سگڑنے لگے۔

"دیکھئے سر!! جب سول اقدار نیز ناکام ہو جاتی ہیں تو فوج کو آگے آنا ہی پڑتا ہے" منشی نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"جانتا ہوں.... بیٹ سول اقدار نیز آرا بیل ان ورک.... ہم پولیس کی نفری بڑھا دیتے ہیں" وزیراعلیٰ نے کہا۔

"مسئلہ نفری کا نہیں ہے سر.... حکومت کی بدنامی کا ہے"

"وہ کیسے؟؟"

"پولیس تشدد کرے گی تو حکومت بدنام ہوگی.... فوج تشدد کرے گی تو ریاست.... یقیناً ہم میں سے کوئی نہیں چاہے گا کہ حکومت بدنام ہو" ہوم سیکرٹری نے کہا۔

"دیکھو فوج کو سر پہ ست بھاء.... قائد اعظم نے کہا تھا آؤ نہ فور سزاؤ دی سر دنت آف بچہل.... دسے ڈونٹ میک وی نیشنل پالیسیز" وزیراعلیٰ نے کہا۔

"نیشنل پالیسیز کو کون چھیڑ رہا ہے سر.... فوج تین دن میں شہر صاف کرے گی اور واپس چلی جائے گی"

"فوج کو بلانا آسان ہے.... واپس جہ کس میں بھیجنا بہت مشکل.... یہ نہ ہو کہ کل فوج اندر نہیں ہو اور مسلم لیگ ایوان سے باہر کھڑی ہو...." وزیراعلیٰ نے فکر کا اظہار کیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا سر.... جنرل اعظم سے بہاری بات ہو چکی ہے...."

"لیکن پھر بھی اس میں خطرہ تو ہے.... حکومت کے لئے" !!!

"حکومت کو فوج سے نہیں.... مجلس احرار سے زیادہ خطرہ ہے" آئی جی نے بتا دیا۔

"وہ کیسے؟" وزیراعلیٰ متفکر ہو گئے۔

"سر یہ ری CID کی وہ خفیہ رپورٹ جو آپ تک نہیں پہنچ سکی" آئی جی نے جیب سے ایک پلندہ نکالتے ہوئے کہا۔

"مجلس احرار جو تحریک پاکستان کی مخالفت کی وجہ سے پنجاب کے عوام کی نظروں سے گر گئی تھی.... پاکستان کو دل و جان سے قبول کرنے

اور مسلم لیگی قیادت کی طرف رجحان رکھنے کی وجہ سے دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو چکی ہے.... موجودہ مفتی احمدی تحریک مجلس احرار کو

بہت ٹوٹ کر رہی ہے.... اور اس کی وجہ سے ان کا گراف بڑی تیزی سے اوپر جا رہا ہے.... اگر یہ تحریک کامیاب ہوگی تو ملک بھر میں

احرار کا ڈنکان فضا میں گام.... اس کے بعد وہ مسلم لیگ کو مدینے کے لات اور اپنی الگ سیاسی جماعت بنالیں گے.... اور اگلے الیکشن میں مسلم

لیگ کا بیڑ بھا کر رکھ دیں گے۔"

"اوو... آئی... سی...!!!" وزیر اعلیٰ مستزو وگٹا نے حیرت سے ہونٹ سکیز لئے۔

"مسلم لیگ... جس نے خون کی ندیاں بھا کر یہ ملک بنایا... وہی ملک میں اجسی ہو کر رہ جائے گی... اور مجلس احرار جو شروع دن سے تقسیم کی مخالف تھی... پاکستان پر راج کر رہی ہوگی"

"لیس... یو آر رائٹ !!!"

"اس لئے... اس تحریک کو... ہر صورت... ناکام ہونا چاہیے... " آئی جی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"بھلے اس کے لئے خون کے دریا بہا نا پڑیں !!!" ہوم سیکر ٹری نے موافقت فرمائی۔

"اور یہ کام فوج سے بہتر کوئی نہیں کر سکا !!!" وزیر اعلیٰ نے ٹاکل ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ رہی مارشل لاہ کی درخواست... اس پر سائن کرو دیجئے... تاکہ پاک فوج کل سے لاہور کا انتظام سنبھال سکے " آئی جی نے پرجہ آگے بڑھایا۔

وزیر اعلیٰ نے اتنی تیزی سے دستخط کئے کہ قلم کاغذ میں شکن ڈال گیا۔

آئی جی اور ہوم سیکر ٹری واپس گاڑی میں آکر بیٹھے۔

"سنا کیسی چھوڑی ہے؟" آئی جی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"حاحا حاحا... کمال کے بندے ہوید... کیا راج رٹ تراشی ہے ہاں قسم؟؟" ہوم سیکر ٹری نے کہا۔

"اگر ناپا تہ ہے حضور... پالیس کا فرض ہے... مدد سرکاری"

"بے چاری عوام... اپنی سرخسی سے کسی کو پسند بھی نہیں کر سکتی... سوائے مسلم لیگ کے " ہوم سیکر ٹری بوعلی کھولتے ہوئے بولا۔

"حکومت میں احراری آگئے تھیری بوعلی کو بھی ڈھکن لگ جائیں گے " آئی جی نے اچانک بڑیک مارتے ہوئے کہا۔

"ارررے !!! گاڑی کیوں روک لی؟؟؟" ہوم سیکر ٹری پریشان ہو گئے۔

"یار ایک غلطی ہوگی... واپس جانا پڑے گا سی ایم پلاس !!!"

"کیا ہوا؟؟؟... سگریٹ تو نہیں بھول آیا؟؟؟"

"نہیں ید... ہم درخواست میں یہ لکھنا بھول ہی گئے کہ کتنی فوج چاہئے... مطلب ایک ڈویژن... دو ڈویژن... یا ساری کی ساری"

آئی جی نے پریشانی سے کہا۔

"کمال کرتے ہو ید... فوج اور برادری جتنی مل جائے اتنی ہی اچھی ہوتی ہے... بھلے ساری کی ساری پلٹن آجائے... تیری جان تو

چھوٹے کی ہاں... چلا گاڑی " !!!

اگلی صبح جناح کارڈن کے چیمپے سے سورج سر نکلا تو فوجی گاڑیاں شہر میں داخل ہو رہی تھیں۔

کلکتہ تاریخ کا سیاہ ترین سورج طلوع ہو رہا تھا !!!

3 مارچ.... 1953.... لاہور

لاہور شہر میں جزوی کر فیو لگا دیا گیا۔

صبح ہی صبح فوج کے دستے ہری جناح، مول لائن اور کوئٹہ میں گشت کرنے لگے۔ کر فیو کا اثر شہر کی بیرونی سڑکوں پر ضرور تھا لیکن اندرون شہر انسانوں کا سمندر تھا۔ انھیں مارا جاتا تھا، سبھا بھر کے دیہات اور شہروں سے عوام قافلوں کی صورت میں اب بھی مسلسل لاہور پہنچ رہے تھے۔

مارشل لا، کلکتہ ہی پولیس کا مرل کھوڑا بھی ہوتا تھا۔ کھڑا ہو۔ شہر میں ہر طرف (نڈا) درخوری کی ٹولیاں مٹکنے لگیں۔ دوپہر تک ہزار پولیس، خفیہ پولیس، سی آئی ڈی، ملٹری، ٹیلیجنس، اور جانے کون کون سی بلا میں شہر میں نازل ہو چکی تھیں۔ مسٹر وزیر خان کے معمولات میں ہل برابر فرق نہ آیا۔

مولانا نیاز کی رنج کی شعلہ بیانیوں بھی جاری تھیں، غلیل احمد قادری صاحب کا زور خطابت بھی عروج پر تھا، مولانا غلام غوث جزاروی کی نگار پر بھی چل رہی تھیں، صبح صبح سرفروشوں کے جلوس بھی روانہ ہو رہے تھے اور نعت خوانوں کے گلہائے عقیدت بھی فضا میں خوشبو نکھیر رہے تھے۔

تیریاں تے صفتاں دا، کوئی دی حساب نہیں

توں تال کتھے، تیریاں غلاماں دا جواب نہیں

خود اس نونوں توں روپ وندیں، جیٹی بلال دا

میں لہہ کے لیاواں کتوں سوہتاں تیرے تال دا

نماز فجر کے بعد مسٹر وزیر خان میں جزاروں کے اجتماع سے مولانا عبد الستار نیازی کا خطاب جاری تھا:

"یہ کہتے ہیں۔۔۔ مرزائیوں کا مسئلہ محض ایک مذہبی مسئلہ ہے۔۔۔ اسے مدارس میں سلجھاؤ۔۔۔ حکومت کو اس میں مت الجھاؤ۔۔۔ اسے ایوان تک مت لیکر آؤ۔۔۔ چار مولوی بیٹہ جاؤ۔۔۔ جسے چاہو سلطان کہو۔۔۔ جسے چاہے کافر بناؤ۔۔۔ بس ہمیں مت چھیڑو۔۔۔ یہ حکومت کا درد سر نہیں ہے۔۔۔ میں کہتا ہوں تم لوگ اس تحریک کو یا تو سمجھ نہیں سکتے۔۔۔ یا سمجھنا نہیں چاہتے۔۔۔ تحریک ختم نبوت کے بارے میں سب سے بڑی misconception یہی ہے کہ اسے صرف ایک مذہبی تحریک سمجھایا ہے۔۔۔ دولتان صاحب !!!۔۔۔ تحریک ختم نبوت محض ایک مذہبی تحریک نہیں ہے۔۔۔ یہ ایک سیاسی تحریک بھی ہے۔۔۔ یہ ایک معاشی جدوجہد بھی ہے۔۔۔ کیا ایک مسلمان کا دین اس کی دنیا سے جدا ہے؟۔۔۔ کیا مسلمان کی سیاست اس کی عبادت سے الگ کوئی چیز ہے؟ ہرگز نہیں۔۔۔ کیا ان خداتوں کے خلاف ہمیں اٹھنے کا حق نہیں جو نبوت کا نور ملک و کشور یہ کے حق سے کشید کرتے ہیں؟۔۔۔ کیا ان اقتصادی بدحالتوں کو روکنے کا ہمیں حق نہیں جو ملکی غنہ و سہن کے رستے اسمگل کر کے ملک میں قحط کی صورتحال پیدا کر رہے ہیں۔۔۔ جو پاکستان کو امریکی گوداموں میں سڑتی گندم کی منڈی بناتا چاہتے ہیں۔۔۔ ہاں ہاں یہ ایک مذہبی تحریک بھی ہے۔۔۔ جس طرح تحریک پاکستان ایک مذہبی تحریک تھی۔۔۔ تحریک کشمیر ایک مذہبی تحریک تھی۔۔۔ اور مستقبل میں سود کی لعنت کے خلاف جو تحریک اٹھے گی۔۔۔ وہ بھی ایک مذہبی تحریک ہوگی۔۔۔"

ای آئی جی میاں محمد انور نے تو ان سے کھڑکی بند کی اور کمری پر آکر ڈھیر ہو گیا۔

"یار۔۔۔ ان ملاؤں سے کب جاں چھوڑنے کی۔۔۔ سات دن ہو گئے۔۔۔ مہینے سے سو بھی نہیں پایا؟"

"نیازی کو گرفتار کر لو، تحریک خود بخود ٹھنڈی ہو جائے گی" حوم سیکرٹری نے چھوٹی سی پوسٹ کاؤٹن کھولتے ہوئے کہا۔

"لیکن کرے گا کون میرا ہاپ؟؟۔۔۔ بچاس ہزار آدمی مسجد میں بیٹھا ہے"

"فوج کو چال چھولے کھانے بلایا ہے؟؟ کہہ کر بے تمہارے عمل شیریں" !!!۔۔۔

اس دوران دفتر میں رکھا انٹر کام بج اٹھا۔

"کہا ہے؟"

"سر کراچی سے ڈیفنس سیکرٹری اسکندر مرزائی کال ہے" سیکٹری نے کہا۔

ای آئی جی نے فون اٹھایا۔

"جی سر۔۔۔ کیا حال ہیں؟"

"سناہیر۔۔۔ کتنی لاشیں کراچی؟؟"

"لاشیں۔۔۔؟؟ فی الحال تو خود زندہ لاش بنے بیٹھے ہیں"۔۔۔

"کیوں؟؟ کیا ہوا؟"

"ہونا کیا ہے.... کہنے کو کرفیہ لگائے بیٹھے ہیں... لیکن نکلاں آ رہی ہیں اور ہم دفتروں میں قید"

"دیکھو!!! جب تک شرافت دکھاتے رہو گے، بندی ہے رہو گے.... باہر نکلو.... کوئی گولی شولی چلاؤ.... لاشیں گراؤ.... یوں دفتر میں بیٹھے رہو گے تو خاک امن قائم ہو گا..."

ڈی آئی جی نے فون رکھائی تھا کہ سیکرٹری کا آخر کام پھر بیچ اٹھا۔

"سرگورنر صاحب لائن پہ ہیں"

"سر! فور علی!!!!" ڈی آئی جی نے فون اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ڈی آئی جی صاحب!!! گید ز کی طرح کھود میں بیٹھے رہو گے یا کچھ کرو گے بھی.... باہر نکلو اور جلوہ دکھاؤ.... یہی حالت رہی تو مجھے ایک ڈی آئی جی کی قربانی دینا ہی پڑے گی؟؟"

"سر آپ فکر نہ کریں.... میں نے تمام ڈی ایس جیز کو بلا پایا ہے!!! آج پو لیس کھل کر اپنا جلوہ دکھائے گی سر"

"کل تک مجھے لاہور صاف چاہئے... ورنہ اپنی قربانی کی بجھو"!!!!....

"سس... سر... بس ایک موقع اور دیں... کل تک صاف ہو جائے گا شہر"!!!!....

"پھر ایسا کرو.... کہ اپنے گلے سے ایک عسکر قسم کا جانور ڈھونڈ دو... اور اس کی قربانی کر دو.... سو کھی نکلیں چلنے سے انکار کر دیں تو لیول ڈالنا ہی پڑتا ہے"

"بس سر... مجھ گیا سر.... ہو جائے گا سر"!!!!

آئی جی نے فون رکھتے ہی نکل بھاگی۔

"ڈی ایس پی فردوس شاہ اور ایم اے چوہدری کو بلاؤ فوراً"

"بس سر" اردلی کھڑا ک سے سیلوٹ کر کے باہر چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فردوس شاہ موٹوں کو تاکاؤ دیتا ہوا آفس میں وارد ہوا... اس کے پیچھے پیچھے ڈی ایس پی ایم اے چوہدری تھامہ دونوں نے پاؤں مار کر زمین پھاڑ سیلوٹ کیا۔

"ڈی ایس جیز!!!! بس پوچھتا ہوں.... کیا تم لوگوں کے باپ آئے ہوئے ہیں شہر میں؟؟"

"نہن... تو سر!!!!" فردوس شاہ نے سیلوٹ اوپر کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بھائی.... جوتا.... چچا.... تایا.... سالا.... سالی وغیرہ؟؟؟.... کیوں چوہدری؟؟؟"

"نوسر....؟؟"

"تو پھر لاٹھی چارج کیوں نہیں کرتے بے غیر تو!!!!!! آئی جی پوری قوت سے دھارا۔"

"سر.... پس.... پراسن.... مظاہرین...."

"ماں کی آنکھ.... !!! پراسن مظاہرین؟؟.... سات دن سے شیر بند ہے.... نو کو شیر بند ہے.... سیکرٹریٹ بند ہے.... ریل نہیں

چل رہی.... ہوائی آؤ بند ہے.... پراسن مظاہرین؟؟؟"

دونوں ڈی ایس بیڑ جھڑکے بت بن گئے۔

"اب کاٹھ کے الوؤں کی طرح میرا منہ کھڑا رہے ہو!!!! جلاؤ اور لاٹھی چارج کرو.... کل تک مجھے شیر خالی چاہئے... کرا سکتے ہو تو

ٹھیک.... ورنہ انہیں مظاہرین میں شامل CID کے لوگ تمہیں بلوے میں مار ڈالیں گے.... سمجھے کہ نہیں؟؟؟"

"سر.... سس.... سمجھ گئے سر.... !!!"

"ٹاگسٹ آؤت.... آئی ول کیپ یو آن مانیٹرنگ!!!!!! آئی جی نے ٹوپی پہنتے ہوئے کہا۔"

"سر.... سر.... ڈی ایس پی سلوٹ مار کر رخصت ہو گئے۔"

ای اٹاء میں وائر لیس نے کھنکھٹ کی۔

"ایچ کیو دن.... نوٹیفن پوسٹ اور"

"میس ایچ کیو دن.... گواہین ڈی آئی جی نے کہا۔"

"نیلا گنبد کی طرف سے جلوس آ رہا ہے سر.... کیا آؤ رہے؟؟؟"

"آغا حعل سے بریانی کی دیکھ منگو.... اور شرکاء میں ہاتھ.... سور کی اولاد.... آؤ اور پوچھ رہے ہو؟؟.... ٹل شند!!!! لاٹھی

چارج کرو.... حذایاں توڑوان کی.... !!!"

"میس سر.... میس سر.... !!!!"

4 مارچ.... 1953ء.... لاہور!!!

تشدّد کی ایک نئی بہرین رقم ہوئی۔

بعد از نماز عصر مسجد وزیر خان سے پراسن رضاکاروں کا ایک جلوس نکلا۔ شرکائے جلوس پنجاب کے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے دیہاتی قسم کے لوگ تھے جو ختم نبوت کی کالہناتن من دہرنے لاہور چلے آئے تھے۔

تقریباً ایک ہزار جانداروں کا یہ جلوس چونک دنگراں سے جو بہاولپور ریلوے اسٹیشن کی طرف جانا چاہتا تھا۔ ان کے گلے میں پھولوں کے ہار تھے اور زبان پر لا الہ الا اللہ کا ورد۔

چونک دنگراں میں سنی پولیس اور بارڈر پولیس کی بھاری جمیعت تیز کھڑی تھی۔ سنی مجلس میں سید حسناں احمد، ڈی ایس پی سید فردوس شاہ اور ملک خان بہادر سپرنٹنڈنٹ بارڈر پولیس نے جلوس کا راستہ روکا اور انہیں فوری طور پر منتشر ہونے کو کہا۔ لیکن ذوقی برائیوں سے سرشار ان دیوانوں کے پاس حکومتی دست خانوں سے نکرانے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا:

یہ وہ اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
منم کہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

یہ غرور پولیس نے آخر رومن اکھاڑا سہا ہی لیا۔ پہلے آنسو گیس کے گولے چھوڑے پھر اٹھی چارن شرع کر دیا۔ یہ لوگ اپنی جگہ پر نہایت ثابت قدمی سے جتے رہے۔ پولیس ان کی امن پسندی کو دیکھ کر اور شیر ہو گئی سو ایک ایک بندے پہ تین تین پولیس والے مسلط ہو کر ضرب و شلاق کرنے لگے۔ غرض کہ پولیس مسلسل روٹی کی طرح انہیں دھتکتی رہی اور ان کا مشق کمال ضبط سے انکی چھڑیاں اور ہڈیاں

رہا۔

یہ نقد فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کے خزاں لا الہ الا اللہ

تشدّد کرنے والوں کے ہاتھ تھک گئے، مصلح جسموں سے ٹھونسنے والی لہو کی دھاروں سے قانون کی درویاں رنگین ہو گئیں لیکن یہ لوگ ایک قدم پیچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوئے۔ پولیس زنجیروں کو محسوسیت کر نرکوں میں پھینکنے لگی۔ مز کہ ہر طرف جانداران ختم نبوت کا خون پھیلا ہوا تھا۔

ڈی ایس پی فردوس شاہ نے آج نکل کر پرہیز جو کھائی۔ ایک بوڑھے مجاہد ذندے برساتے ہوئے اس نے اسے زور کی غصہ کاری۔ بزرگ کے ہاتھوں میں چاندی کے خلاف میں اپنی سائل شریف تھی۔ فردوس شاہ کی غصہ سے کتاب اللہ چاندی کے خول سے نکلی اور ورق ورق ہو کر قریبی تالے میں جا گری۔

پکلی دروازے کا ایک نوجوان محمد شریف عرف کاکا در سے یہ منکر دیکھ رہا تھا۔ کاکا مونٹر کینٹک تھا اور چونک دنگراں کی ایک ورکشاپ میں

ملازم۔ اس دن ہارم بند تھا اور وہ درکشاپ کے تھڑے پر محض تماشا دیکھنے بیٹھ گیا تھا۔

عصر تک فضاء کچھ پر امن ہوئی تو کاکا تھڑے سے اٹھ کر اوپر چلا آیا اور نالے میں اتر کر قرآن کے بوراق سینے لگا۔

وہ اپنے کام میں مصتک تھا کہ اوپر سے آواز آئی۔

"اوتے کاکا..... کی کر داں ایں نالے برج ۴۴"

اس نے چوتھ کر اوپر دیکھا تو مولوی سلیم، میر سے پرکھڑا مسواک چہار ہاتھا۔

"مولوی صاحب..... ایدر دیکھو..... مقدس اوراق.... گندے نالے برج"

"توپ توپ... اے کس نے سنے میں؟؟" مولوی نے کہا۔

"ای ایس پی فردوس شاہ نے.... میرے سامنے قرآن شریف نوں شو کر داری اوں بے فیرت نے...." کاکا کے نے تھک کر کہا۔

"استغفر اللہ.... لاڈلہ اوراق مجھے پکڑوے" مولوی سلیم گھٹنوں کے بل نالے پر ٹھک گیا۔

کاکا نے اوراق اٹھ کر کے مولوی سلیم کو پکڑا لے اور واپس درکشاپ کی طرف جانے لگا۔

"توں.... کتھے جلاں؟؟ میرے ساتھ آ.... یہ کوئی چھوٹی موٹی گل نہیں ہے.... چلک کو جاتے ہیں...."

مولوی سلیم کاکا کے کو ہرولے سید صاحب، من و علی دروازہ پہنچا۔ یہاں کوئی دو از حائی سو کا مجمع کھڑا تھا۔

اس نے جاتے ہی شور کیا "بھائیو.... ایدر دیکھو.... علم ہو گیا علم.... فردوس شاہ.... ڈی ایس پی نے.... قرآن پاک نوں شو کر داری...."

اور.... گندے نالے برجی پینک و تاجیہ دیکھو.... کاکا کو اوپر.... استغفر اللہ "!!!"

یہ سن کر ایک مجمع اس کے گرد ہولیا۔

مولوی سلیم یہ جلوس لیکر مسجد وزیر خان پہنچا۔ مسجد کے قریب انہیں ایک تھانیدار آجڑ کھائی دیا جس کے ہمراہ چند سپاہی بھی تھے۔ یہ لوگ

بے فکری سے جا رہے تھے اور ان کے ہم دکان میں بھی نہ تھا کہ قسم نبوت کے امن پسند رضا کار ان کے درپے آزار بھی ہو سکتے ہیں۔

مجمع نے غرولگایا "ہنجاب پولیس... مردہ ہو... ہارڈ پولیس مردہ ہو"

پولیس واسے پہلے تو ٹھیکھے، پھر مجمع کے تیور دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور روز کر ایک قریبی علیٹ میں جا گھسے، اور اندر سے گیٹ بند کر

لیا۔ علیٹ کے گرد مجمع بڑھنے لگا۔ کھڑکی سے جب بھی کوئی سپاہی سر نکالتا تو نیچے کھڑا مجمع زور زور سے نعرے لگاتا "ہنجاب پولیس مردہ ہو"

"!!!"

ڈی ایس پی فردوس شاہ تھانہ سول لائن میں بیٹھا چھپی کر رہا تھا کہ فون بج اٹھا:

"نہیں.... فردوس شاہ!!"

"کہاں ہو میرے شیر؟" آئی جی صاحب کی کال تھی۔

"سر... دروی پہ خون گر گیا تھا... سوچا دل ہوں"

"مہارک ہو... گورنر صاحب نے آپ کو ورڈی ایس پی خان بہادر کو دو دوسرے زمین انعام میں بخش ہے... میرے سامنے پڑا ہے
الائٹ آرڈر!!"

فردوس شاہ کے ہاتھ سے کریڈل گرتے گرتے پھا۔ وہ بمشکل اتنا ہی کہ سکا "سس.... سر... آپ کی عزت سرر" !!!

"اچھا منٹائی بعد میں کھائیں گے تم سے.... ابھی میرا کرو فوراً مسجد وزیر خان پہنچو... خبر پائی ہے کہ شہر پسندوں نے کچھ پولیس والوں کو
بندی بنا لیا ہے... آئی نوٹو آر اے بریو مین... دو تین سپاہی ساتھ لے لیتا"

"لاؤنٹ وزی سر.... فردوس شاہ کسی سے ڈر سہور تائیں ہے.... ذرا سہور!!! جیسپ ریڈی کرو.... فوراً"

فردوس شاہ تین سپاہیوں کو لیکر مسجد وزیر کے سامنے اترا تو لوگ طیت پہ پتھر اڑا کر رہے تھے۔ وہ دھونس جمانے کے لئے بیسپ کا ہارن
بھانے لگا۔

لوگ دھوم مچاتے ہوئے تو کسی نے غور نہ کیا۔

"وہ ہالردوس شاہ.... اسی بد بخت نے قرآن کو ٹھوکر ماری تھی" !!!!

پھر ابوالمجمع دھوم دڑا اور فردوس شاہ کے راجہ اور نکالنے سے پہلے ہی اسے دیوچ کر ٹھوکر دیا۔ لے لیا۔ ہر شخص اس کا رخیر میں بڑھ چڑھ
کر حنف لے رہا تھا۔ لوگوں نے دکانوں کی چھریوں سے ہانس نکال لئے۔ مجمع زیدو ہونے کی وجہ سے سیدھی ضرب لگانا ممکن نہ تھا۔ لوگوں
نے ہانسوں سے چوک چوک کر فردوس شاہ کا قہر بنوایا۔

دو گھنٹے بعد فردوس شاہ کی سر پریدہ لاش اسی گندے تالے میں پڑی تھی جہاں اس بد بخت نے قرآن کو ٹھوکر لگا کر پھینکا تھا۔

مولوی سلیم کے ہاتھ ڈی ایس پی کا ہسپتال لگا۔ جو اس نے کمال سہوت سے کاکا کو تحفے میں دے دیا۔

نصف گھنٹے بعد مولوی سلیم آئی جی آفس میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

... "ستے باقی رہ گیا آلہ قتل... اوتھانوں شریف کاکاتوں مل جائیں.... اللہ وہ خیر صلا"

آئی جی صاحب نے مولوی سلیم کو ستائشی تحفوں سے دیکھا اور گورنر غلام محمد کو فون بھایا:

"سر.... مہارک ہو.... قربانی ہو گئی... اس مولوی ذہکن کو چھوٹا سونا بھرا کہا تھا... اس نے تو پورا اہل کات مارا... فردوس شاہ از کلڈ ہائی

ایگری موپ" !!!

”فون پر ایسی باتیں نہیں کرتے.... ڈیڈ ہڈی لیکر فوراً تھنڈ سول لائن پہنچو... میں جزل اعظم کو لیکر پہنچا ہوں.... اور ہاں... لینڈ
الائمنٹ پیپر ز شہید کی جگہ تک ضرور پہنچا دیتا“....

مسجد وزیر خان سول ہسپتال کا مستخرج پیش کرنے لگی۔

ہر طرف زخمی ہونے لگا اور ہے تھے۔ ڈاکٹر لوگ بوہڑ بوہڑ بھاگے پھرتے تھے۔ لاہور کے بے شمار طبیب، ڈاکٹر، علماء اور کپوڈرز
حضرات کرفیو کے باوجود اپنا سامان اٹھائے ہوئے چلے آئے تھے۔

حق باطل کی اس کش مکش میں ہر کوئی اپنا اپنا حصہ ڈال رہا تھا۔ ریاست بڑیاں تو زری قحی اور یہ پاری و نمہی سے انہیں جوڑنے میں ممکن
تھے۔ ریاست کے سر پر خون سوار تھا اور یہاں خون دینے والوں کا تاج تاجدار تھا۔

مولانا ظلیل اور دوسرے زعماء خود ایک ایک زخمی کی عمرانی کر رہے تھے۔ اسی دوران کسی نے آکر بتایا کہ مسجد کے دروازے پر ڈی ایس پی
فردوس شاہ کا خون کر دیا گیا ہے۔

مولانا نیازی و ڈے، ڈے، ڈے دروازے پر چلے آئے۔

مشعل جھوم فردوس شاہ کی لاش کھینٹ کر لے جایا تھا۔

”کس نے شہید کیا ڈی ایس پی کو؟ کون تھے یہ لوگ...؟“ مولانا نے پوچھے ہی پوچھا۔

”ہم نہیں جانتے حضرت... مولوی سلیم ان کی قیادت کر رہا تھا... اسی نے بھڑکا سب کو“ پوچھ کرے ایک شخص نے کہا۔
مولانا کے چہرے پر دکھ کا سایہ آکر لہرا گیا۔

”بہت برا ہوا... ایک کلمہ گونگا خون.... اور وہ بھی مسجد کے دروازے پر....“ استغفر اللہ !!! ...

مولانا نے اندر جا کر علماء کبھی کو صورتحال سے آگاہ کیا۔

”یہ ساری واردات حکومت نے خوب سوچ سمجھ کر کروائی ہے“ بیاما الحق قاسمی نے کہا۔ ”میں انتہائی سمجھ داری اور سیاسی سوچو بوجھ کا
مظاہرہ کرتا ہوں گا“

”لیکن حکومت نے یہ نقل کیوں کروایا؟“ مولانا ظلیل نے پوچھا۔

”دو تانہ وزارت کو تشدد کرنے کا بہانہ چاہئے تھا.... جو آج مل گیا“ قاسمی صاحب رنج نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے... ہماری ہر امن تحریک میں غدور شامل کئے جا چکے ہیں“ ...

"سولہ صد... تحریک سے دہشت کوئی مسلمان ایسی حرکت کا سوچی بھی نہیں سکتا.... فردوس شاہ کا قتل تحریک مقدس کی سفید چادر پر ایک بد نما داغ ہے.... جو مرزائی اور مرزائی نواز انتظامیہ نے لگایا ہے.... اس کا مقصد ایک پراسنہ میں تحریک کو سفاک اور خون آشام بنانا ہے"

"آج بعد نماز عشاء میں اپنی تقریر میں حکومت کی یہ سازش طلشت از جام کروں گا.... ہمیں شریکوں پر کڑی نظر رکھنا ہوگی" مولانا نیاز نے اٹھتے ہوئے کہا۔



تھانہ سول لائن کے سامنے ایجوکیشن آکرز کی۔

دو سپاہیوں نے اسٹریکچر پر دھری، سفید چادر میں لپٹی لاش نکالی اور تھانے کے لائن میں آکر رکھ دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد آئی سی، منجانب انور علی، ڈی آئی سی، اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، تھانہ سول لائن پہنچ گئے۔ خفیہ انجینسیوں کے اہلکار بھی لاش کے آس پاس کھینچوں کی طرح بھنبھناتے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد دو فوجی گاڑیاں تھانہ کے سامنے آکر رکیں۔ ایک میں سے جزل اعظم اور دوسری سے دیگر فوجی افسران اترے۔

تھانے کے سامنے کھڑی گاڑیوں نے بند و قید کھڑکا کر سلام کیا۔ جزل اعظم بھاری قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے دھڑکے جہاں پولیس کی "قرہائی" ان کا انتظار کر رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے آتے ہی رعب دار آواز سے پوچھا۔

"خود ہی دیکھ لیجئے" یہ کہتے ہوئے آئی سی نے لاش پر سے سفید چادر سرکا دی۔

"او... گا... ہوا؟" جزل نے ہونٹ سکیزتے ہوئے پوچھا۔

"دن آف دی موٹ بریلیئنٹ ڈی ایس پی آف سائیڈ ہارٹس.... سید فردوس شاہ... کچھ دیر پہلے شریکوں نے بھرے ہزار میں اس کا لیمہ بنایا اور فوج کھڑی تماشا دکھاتی رہی... شاید اسی کو کہتے ہیں... ایڈ ٹو سول ہارڈ!!"

جزل اعظم کچھ دیر خاموش کھڑے رہے پھر کیپ سید جی کرتے ہوئے بولے "لیکن یہ سب کچھ ہوا کیسے؟"

"دعشت گردوں نے آج نے ہمارے کچھ سپاہی ہندی بنا لئے تھے.... فردوس شاہ چھڑانے گئے تو..."

"آپ نے ملٹری کو انتظام کیا؟" ہاؤٹ ہو سٹیشنر "جزل نے آئی سی کی بات کافی۔

"آئی ڈی ونٹ نو ہاؤ ٹو انتظام دی ملٹری... شہر بھر میں دعشت گرد نہ ملتے پھرتے ہیں... اور آپ کی ملٹری ہائی جناح میں مورچے

سنیالے بیٹھی ہے... ہاروٹ؟"

"اسنہ امان قائم رکھنا چاہیے کی ذمہ داری ہے.... جہاں حالات آپ کے پس سے باہر ہوں وہاں فوج کو انتظار سمجھئے" !!!
 "ہم پہلے ہی آپ سے کہ چکے ہیں کہ حالات ہمارے پس سے باہر ہیں... وائے یو ڈونٹ انڈر اسٹینڈ جزیل.... تاؤ تم آپ ان وی فرنٹ اینڈ
 ٹیک اور وی چارج" !!!

"بلیز ڈونٹ ٹرائی ٹو ٹیج می سائیڈ وی ٹی !!! فوج وی کچھ کر رہی ہے جو اسے کرنا چاہئے" !!!
 "فوج ہمارے مرنے کا انتظار کر رہی ہے.... اور کچھ نہیں !!!" آئی جی نے بھی تیزیوں پر حائلیں۔
 "سر.... گورنر صاحب کا فون !!!" ایک محضر نے آکر محکمت کے دو دروازے ستونوں کو ٹکراتے سے بچایا۔
 آئی جی۔ جزیل صاحب کو گھورتے ہوئے اندر چلے گئے۔ جزیل اعظم اپنے ساتھ ساتھ آئے ہوئے آفیسر کو لیکر ایک کونے میں جا کھڑے
 ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد آئی جی واپس آئے تو جزیل صاحب کو مخاطب کئے بغیر کہا "گورنر صاحب نے پارے شہر میں مارشل لا لگانے کا فیصلہ کیا
 ہے... ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہے کوئی چلانے کا آرڈر دے سکتا ہے"
 "میری طرف سے آرڈر ہی کھٹے.... !!!" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اطمینان سے کہا۔
 "لیکن کوئی چلائے گا کون ؟؟"

"ہارڈ پو لیس.... آپ لوگ صرف ڈیڈ ہڈیڑ غائب کرنا" !!!
 آئی جی نے ایک ایس پی کو بلا کر کہا:
 "ہمشید.... ڈپٹی تیار کر آؤ.... فردوس شاہ کی لاش کو اس کے گاؤں بھجواؤ.... قومی پرچم میں لپیٹ کر.... چھ سات جوان بھی ساتھ لے لو
 سلامی کے لئے... کو ٹیک.... راجنٹ" !!!

اس کے بعد لاہور کی تمام پولیس چوکیوں پر آئی جی کا یہ دائر لیس بھیج دیا گیا:
 "آل پوزیشنز.... ایچ کیو فون.... شہر بھر میں مارشل لا لگا دیا گیا ہے.... فوراً گشت شروع کیا جائے... جو شخص ۱۴۴ کی خلاف
 ورزی کرتا نظر آئے.... اسے آڑا دیا جائے.... سستی کرنے والے اور مس فائر کرنے والے اہلکار کو خفیہ پولیس خود آڑا دے گی"
 دن کے سارے گیارہ بجے آئی جی کا دائر لیس بول اٹھا۔

"ایچ کیو فون.... دائر گراں پوسٹ اور" !!!
 "پس.... پولو.... دائر گراں !!!" آئی جی نے کہا۔
 "انسپکٹر آغا سلطان احمد سر.... یہاں چوک دنگراں میں لاشی چارج کے دوران ایک بچہ ہلاک ہو گیا ہے سر" ...

"کتنی عمر ہے؟"

"تقریباً 12 سال سر"

"ڈیڈ ہاڈی غائب کر دو... فوراً... اور بیچہ آؤٹ!!!!"

○●●●●●●●●●●●●●●●●●○

موسم بہار کی آمد آہ تھی اور موسم کافی خوشگوار تھا۔

شہر کے حالات جاننے کے لئے ہم ہم سوتی ہزار سے مستی گیت ہزار کی طرف بایک دو جا رہے تھے۔ ہزار ہانگل سنان پڑے ہوئے تھے۔ دور سنہری مسد کی طرف سے کچھ نعروں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شاید کوئی جلوس آرہا تھا۔ اس دور ان اچانک فائرنگ کی تو تڑپٹ سے فضا گونج اٹھی۔ بے شمار ہندسے جہازوں سے اڑ کر فضا میں چکر لگانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بمسبب بے ہنگم شور سنائی دیا۔

ہم صور حال جاننے کے لئے ہزار کی طرف دوڑے تو سامنے سے ایک سول دین مستی گیت ہزار طرف مڑی۔

"سائیڈ پکارو..... سائیڈ...." چاند پوری چلائے۔

ہم نے جلدی سے ایک دیوار کی اوٹ لی اور ایک پھید سے باز دیکھنے لگے۔ وہیں ہم سے کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر آکر رکی اس میں لمبے بالوں والے تین چار جوان لٹکے جنہوں نے فوجی دروہیاں پہن رکھی تھیں۔ انہوں نے دیوار کی سمت دو تین اندھا دھند ہٹ فائر کئے اور گاڑی میں بیٹھ کر فوجی ہو گئے۔ دونوں گولیاں قرچی دوکان کے فرنٹ پر لگیں اور کچھ قریش اکھڑ کر چارے اوپر آن گرا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ....." میں نے پھولی سانسوں میں کہا۔ "فوجی ہمیں کیوں مار رہے ہیں؟"

"فوجی نہیں.... خلیفہ کے رضا کار ہیں... وہی ہو جس کا ڈر تھا" ...

"کیا ہوا؟"

"شہر میں قتل و غارت کا خلیفہ مرزائیوں کو مل گیا... چلو اب نکلو یہاں سے"

ہزار میں ہمیں صرف ایک ہی ذی روح نظر آئی۔ چنٹ کوٹ والا ایک بوڑھا کریم چمن جو کچھ گراں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس کے گلے میں بڑی صلیب بری طرح جھول رہی تھی۔

"یہ مسٹر گئین کیا کر رہے ہیں؟" چاند پوری بڑبڑائے۔

"مسٹر گئین؟"

"لاہور بلدیہ کا انچارج ہے.... ایک منٹ.... مسٹر گئین.... مسٹر گئین...." انہوں نے آواز لگائی۔

مسٹر گئین یکایک اڑکے.... گلے میں ہڈی صلیب کو چومنا اور چلائے "انس سینٹ ہار تھیلو میوڈے.... رن اوے"

اس بعد وہ ہولی جو سس... ہولی جو سس کرتے ایک گلی میں گھس گئے۔

"سینٹ ہار تھیلو میوڈے....؟"

"ریاست اور مذہب کے سچ ہونے والی سب سے بڑی جنگ.... جس میں ہزاروں پوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا.... اللہ پاکستان پر رحم فرمائے" !!!

ہم موتی مسجد کے قریب پہنچے تو مزگ پر خون ہی خون پڑا تھا۔

وہ دن لاہور کی تاریخ میں سینٹ ہار تھیلو میوڈے ہی تھا۔ پولیس نے بھی اس روز ڈول کھول کر فائرنگ کی اور ہر اسرار جیپ پر سوار قادیانی وحشت گرد بھی شریعت صدر سے گولیاں چلاتے رہے۔ سارا دن پولیس گولیوں اور ٹکھنوں سے تحریک کو ٹھنڈا کرتی رہی اور مسلمان خون جگر دیکر عقیدہ ختم نبوت کی آبیاری کرتے رہے۔ صبح صبح بھائی دروازے کے قریب سے گزرنے والے ایک جلوس کو پولیس نے کرلیو کی خلاف ورزی قرار دیکر بھون ڈالا۔ اس کے بعد نو لکھا ہزار، ستر ہزار روپے، پیرانہ دہلی دروازہ، ٹولین مارکیٹ، میکورڈ، نسبت روڈ اور سوچی دروازہ سے گزرنے والے جلوسوں پر اندھا اندھ فائرنگ کر کے شرکاء کے قلب، جگر کو پیچیدہ دیا گیا۔

پورا لاہور فائرنگ کی طرح آہستہ سے گونج رہا تھا۔ پولیس ہالے کتے کی طرح تانک تاک کر لڑنے ہاندھ رہی تھی۔ جگہ جگہ ختم نبوت کے پر والوں کے لاشے خوب رہے تھے۔ رات دیر گئے تک حق و باطل کا یہ معرکہ جاری رہا اور اہل حق اپنے سینوں پر گولیاں کھا کھا کر شہادت کے جام پیتے رہے۔ پولیس لاشیں اٹھا اٹھا کر نامعلوم مقام پر منتقل کرتی رہی۔

مسجد ازیٰ خان سے بعد نماز مغرب 25 عاشقوں صادقوں کے جہازے اٹھائے گئے۔

تاہد چکیں گے یہ نور کے ہالے تیرے

ہاتھ ہاندھے ہیں کھڑے چاہنے والے تیرے

معرکہ ہندو واحد اور کبھی کرب و بلا

کیسے انداز محبت ہیں خزانے تیرے

رات ہوئی تو لوگ گھروں کی چشتوں پر جڑھ کر قزاقیں دینے لگے۔ لاہور میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں شہداء کا ماتم نہ پایا ہو۔ پورا شہر شور و غوغا کا ایک منگھڑا رہا تھا۔ رات بھر دور دور تک مہیب اور ہولناک شور کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

رات ایک بجے ہوم سیکرٹری، آئی جی، ڈی آئی جی، جنرل اعظم، اور بعد دوسرے فوجی افسرین وزیر اعلیٰ کی کونفرینس پر پہنچ گئے۔ وزیر اعلیٰ انتہائی بے تابی سے ان سب کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسرے لوگ پہنچے، دوسرا اجلاس شروع ہو گیا۔
 "نو مشن سائنس... ان دی گریف آفس ہائٹ... ڈی ایس پی سید فرخوس شاہ" وزیر اعلیٰ نے کہا اور سب لوگ سوتلی توری کی طرح موندھ اٹھا کر بیٹھ گئے۔

دومنت کی مہیب خاموشی کے بعد وزیر اعلیٰ نے سکوت توڑا۔

"آج کا دن پاکستان کی بدترین تاریخوں میں سے ہے... شہر پسندوں نے دن دہرایا ہے... ایک بہادر ڈی ایس پی کو نہ صرف موت کے گھاٹ اتارا... بلکہ اس کی لاش بھی مسج کر دی۔ ثابت ہوا کہ اس تحریک کا مقصد ملک میں قتل و غارتگری کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ پولیس اور فوج مل کر بھی، شہر کو ان شہر پسندوں سے خالی نہیں کر سکے... میں پوچھتا ہوں آخر کیوں؟؟... دینر از دی پر اہلم؟؟"

"سردہ پیر سے لیکر اب تک پولیس مسلسل گولیاں چلا رہی ہے... آئی جی نے کہا۔ "ہم دس کو مار رہے ہیں... اس کی جگہ میں اور آن کھڑے ہوتے ہیں... دس از ریڈیکولس... آئی جی تک... ناٹری شولڈ کسٹینٹلی ٹیک اور وی چارج !!!"

"کیوں برحق صاحب... آر پوریزی نو کم اپ ان دی فرنٹ؟؟" وزیر اعلیٰ نے پوچھا۔

جنرل اعظم نے جیب سے کچھ کاغذات نکالے، اور انظر کا چشمہ درست کرتے ہوئے گویا ہوئے:

"سر پہلے میں آپ کو ملٹری ایڈ نو مول پور کی وضاحت کر دوں..."

"دیکھئے جنرل صاحب یہ قانونی وضاحتوں کا وقت نہیں... دس دہر !!!... اب فوج کو توپ و قنک سمیت میدان میں اتارنا چاہئے... اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہر گلی، ہر چوک میں ایک پولیس افسر کی لاش پڑی ہوگی..."

"سر توپ خانہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں دشمن بھاری ہتھیار لئے سامنے کھڑے ہو... گراؤڈ کے ہاتھ میں بوتلیں اور ڈانڈے ہیں...

طاقت کے بے جا استعمال سے مسائل پیدا ہوتے ہیں" جنرل نے کہا۔

"ٹھیک ہے... لیکن سم وٹن ہیو نو ڈوسم تھنگ قارڈس بل شٹ !!! ان تحریک کو سختی سے کچلنا ہماری مجبوری ہے... ورنہ کل کوئی اور

تحریک اٹھ کھڑی ہوگی... برنس راج کو بھی ان ملاؤں نے پریشان کئے رکھا... اور فی پاکستان کی انٹ سے انٹ بھانے پر تل گئے ہیں

"...."

”سر.... آئین کے مطابق فوج جو کردار ادا کر سکتی ہے، کر رہی ہے.... امن و امان کی بنیادی ذمہ داری پولیس کی ہی ہے.... ہارڈ پولیس بھی اس کے ساتھ ہے.... اگر کسی ایریا میں حالات پولیس کی دسترس سے باہر ہو گئے تو فوج آؤ سینیکل وہاں تک لاور کر لیگی !!!....“

”حیرت ہے !!! یعنی آپ کے خیال میں اب تک کے حالات بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں؟؟“ آئی جی نے کہا۔
 ”آلف کورس.... سوائے ایک پرتشدد واقعے کے اور کچھ نہیں ہوا... کہیں کوئی بے فی، کوئی گاڑی نہیں چلی... کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہوئی.... ان حالات میں طاقت کا اتنا ہی استعمال کیا جائے جتنا مناسب ہے“
 مسجد وزیر خان سے اذان فجر بلند ہوئی تو یہ اجلاس ختم ہوا۔

5 مارچ.... 1953ء.... لاہور

”سر کراچی سے ڈیفنس سیکرٹری کا فون“ !!!....

”ہاں سر جی.... غیرت؟؟“ آئی جی نے جمادی لیتے ہوئے کریڈل اٹھایا۔
 ”آئی جی صاحب... کچھ ہم سے بھی رابطہ رکھا کیجئے... پرائم منسٹر کو یہ خبر دینی ہوتی ہے“ اسکندر مرزا نے کہا۔
 ”اور سر جی.... یہاں دن رات میٹنگز چلتی ہیں.... ادھر سے شیر کے حالات“ !!!....
 ”آئی ایس پی فرو دس شاو کیسے قتل ہوا؟؟“

”افمی لوگوں نے مارا جو پچھلے ایک ہفتے سے شہر پر قابض ہیں....“ آئی جی نے ٹھنڈی سائٹس لیتے ہوئے کہا۔
 ”ادھائی گھنٹہ !!!.... یعنی فوج اور پولیس دونوں بے مشت ہو گئے؟؟“
 ”کیا کریں سر؟... پولیس کے پاس اچھے ہتھیار نہیں.... اور جہز صاحب آگے آنے کو تیار نہیں“...
 ”کیوں؟؟... کیا کہتا ہے جنرل اعظم؟؟“

”ان کے بھی غرے ہیں یاد.... جب تک شہر میں آگ نہیں لگے گی... مظاہرین گاڑیاں نہیں جلا دیں گے... توڑ پھوڑ نہ ہوگی... فوج ٹھیک اور نہیں کرے گی... وٹ بے جنگل میں یاد !!!“
 ”تو کدو اس کی خواہش پوری !!“

”کیا مطلب؟“

”لوہائی جینٹل مین!!!!!! تم نے نیر وکام سنا ہے؟؟... روم کا ایک مشہور بادشاہ تھا... چل چھوڑ... ایسا کر... ایک فون نہر دیتا ہوں... یہاں مرزا آتش پیسنے ہو گئے... انہیں بتادو کہ شیر میں تھوڑی بہت آٹ لکھیں... چل رہے دے... تو تھکا ہو گا یا رہ... میں خود ہی کہہ دیتا ہوں“....

آئی جی نے ایک کھوکھلا قبضہ لگا کر کہا:

”لیکن یہ آگ لگائے گا کون؟“

”نامعلوم افراد...“ اسکندر مرزا نے کہا اور فون بند کر دیا۔

صبح 8 بجے جب آئی صاحب میٹنگ کے لئے گورنر ہاؤس کی طرف نکلے تو شیر بھر میں نامعلوم افراد کا رونق تھا۔

لسبت روڈ پر انہوں نے کی وکاتوں کو لٹے دیکھا۔ ایک مرزائی بڑاڑ کی لاش سڑک پر پڑی تھی جسے سفید لٹھے سے ڈھک کر چاروں کولوں پر اٹھیں رکھ دیں گی تھیں۔ بلوائی دکان سے کپڑوں کے تھان کے تھان نکال رہے تھے۔ پولیس دور کھڑی تماشہ دیکھنے میں مصروف تھی۔

”ادھر آ...“ آئی جی نے ایک ہنگامی سپاہی کو آواز دی جو فوری ہندوق کو ٹھوں پہ لٹائے پاؤں چبار ہاتھا۔

سپاہی بھاگا بھاگا آیا اور کڑا کے در سیلوٹ کیا:

”نن... نیچے کر ہاتھ...“ اٹکن!!!! آئی جی صاحب نے ڈانٹا۔

”چکر کرنے کا نااہل ہے سب... ایہ ر سب لپٹائی لوٹ ہے“ وہ پاؤں چباتے ہوئے بولا۔

”گورنر ہاؤس کا رستہ سیف ہے؟“ آئی جی نے پوچھا۔

”ایک دم بڑھیا سب... بس کو تو ابلی کی طرف کس گروہ ہے... باقی سب سیک ہے...“

”ٹھیک ہے...“ دھیان سے کر ڈیوٹی!! آئی جی نے شیشہ پر معائنہ ہوئے کہا۔

آئی جی صاحب گورنر ہاؤس پہنچے تو اجلاس شروع ہو چکا تھا۔ گورنر جنرل غلام محمد کی تقریر جاری تھی۔ صوم سیکرٹری، جنرل اعظم، ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ اور ایس ایس پیز ہمہ تن گوش تھے۔

”یہ نیشن کوئی پہلی بار نہیں دیکھی میں نے...“ گورنر جنرل نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ ”یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں

بہی میں تھا... شیر میں حندو مسلم فتوات چھوئے... اور پورا ہی بھٹے لگا“

”کیا چل رہا ہے؟“ آئی جی نے صوم سیکرٹری کے پاس بیٹھتے ہوئے سرگوشی کی۔

”فکار کے قحط...!!!!“ صوم سیکرٹری نے جواباً کہتی ملی۔

"فسادات کو صرف ایک سی چیز ٹھہرا کرتی ہے.... گوئی.... فسادات کی انٹیکل اسٹیج پر ہی اگر کثیر تعداد میں یلوائی مار دیے جائیں تو یلوہ خود بخود دم توڑ جاتا ہے.... کیوں آئی جی صاحب؟"

"سبس.... سر.... اندرون شیر کا کنٹرول اگر فوج کے حوالے کر دیا جائے تو....!!!" آئی جی نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"اس پر بات ہو چکی ہے.... یو آر لیٹ.... پولیس کو گوئی چلانے کا حکم دیا ہے.... اور کشتی دستوں کی مدد کے لئے فوج بھی موجود ہیں... کو آرڈینیٹ ورجنل اعظم!!!"

"سر فرم دس شاہ سردار کے بعد پولیس کے حوصلے پست ہیں.... آئی جی گڑ گڑا۔

"حوصلہ رکھو.... جو جوان بہادری سے لڑے گا.... اسے من چاہی جگہ پر دوسرے زمین دی جائے گی..."

آئی جی ایک لمبی سانس لیکر خاموش ہو گیا۔

"چیف سیکرٹری کہاں ہیں....؟؟" گورنر نے پوچھا۔

"سیکرٹریٹ میں کلرکوں نے منگوا بھار کھا ہے سر.... انہیں شانت کرنے گئے ہیں" ہوم سیکرٹری نے بتایا۔

"کلرکوں کو کیا ہوا؟؟"

"کل ہونے والے قتل عام کی وجہ سے سب پرہم ہیں سر"....

"اوہ گا.... اس کا مطلب ہے.... یہ تحریک سرکاری مشینری میں بھی گھس چکی....؟؟"

"ہیس سر.... ریٹسے طارمین بھی جڑتال رہے ہیں.... اور ٹکڑے ٹکڑے کے لائن مین بھی کام چھوڑے بیٹھے ہیں"

"ایسا کرو.... سپر کی مینٹک میں کچھ معززین شیر کو بولا.... پھر ایک بیان پر ان کے دستخط کراؤ.... اور یہ بیان ریڈیو سے نشر کرواؤ"

.... اس سے پبلک پر اچھا اثر پڑے گا.... نکھو ابھی..."

"ہیس.... سر" ہوم سیکرٹری کاغذ قلم سونت کر سیدھا ہو گیا۔

"نکھو.... غم نبوت کے نام پر.... امن و امان.... تباہ کرنے والے لوگ ملک و قوم کے دشمن ہیں.... ان کے مطالبات محض تعصب

اور کوتاہ فہمی پر مشتمل ہیں.... جماعت احمدیہ پاکستان کی ایک پر امن و غیر متعصب اور ایجوکیٹڈ کمیونٹی ہے..."

"سرایک منٹ...." ہوم سیکرٹری تکیے تکیے رک گیا۔

"کیا ہوا؟"

"سراسر سودے پر کوئی معزز آدمی سائن نہیں کرے گا"!!!

"چلو پھاڑو"!!!

اس دن پولیس نے شرح صدر کے ساتھ گولی چلائی۔

پولیس کی درندگی کا فکھ صرف اور صرف ختم نبوت کے پر امن رشاکاری ہے۔ جلاؤ نگیر اور لوٹ مار کرنے والوں کو کسی نے پوچھا تک نہیں۔

سب سے زیادہ ظلم گوالندی میں ہوا۔

عبدالکریم مرزائی لے ایس آئی اور خان بہادر پھریڈنسٹ پارڈر پولیس یہاں تعینات تھے۔ خان بہادر وہی شخص تھا جس نے 1935ء میں مسجد شہید متحج تحریک میں بھی مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ انگریز حکومت نے اس تحریک کو کچلنے کے انعام میں خان بہادر کو بے شمار فیسوں سے نوازا تھا۔ آج پھر وہ دوسری زمین کے لالچ میں ایمان بیچنے آیا تھا۔ یہ دونوں آفیسرز رشاکاروں کو ابھار ابھار کر گولیاں چلاتے رہے۔

پولیس گاڑی پر لگے میکانی فون سے بار بار اعلان کیا جاتا:

"ہے کوئی ختم نبوت کا پر وانا؟؟... ہے کوئی شہادت کا متناہی؟؟"

اعلان سننے ہی آٹھ دس دھانے مٹانے فریاد، کھیر لگاتے ہوئے آگے بڑھتے اور پارڈر پولیس انہیں گولیوں سے بھون دیتی۔

دن بھر نہ تو عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ ایک قدم پیچھے بنے اور نہ ہی پولیس کے دل میں لمحہ بھر کو اسیات جاتی۔ صبح کو بچے سے لیکر واپس دوڑے جاتے تھے یہ مقتل گاہ بونہی جی رہی۔ لوگ جوق در جوق "ایک ید رسول اللہ ﷺ" کا نعرہ لگاتے ہوئے، ناموس و رسالت پر قربان ہوتے رہے۔... وقفے وقفے سے ایک فوجی گاڑی آتی اور اسلحہ دیکر چلی جاتی۔ شہداء کی تعداد کسی نے ایک چار لکھی تو کسی نے دس چار۔ رب سچا ہی جانتا ہے کہ کتنے لوگ شہید ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان گناہ مجاہدین کی لاشیں نہ کوں میں ڈال کر پھاٹکا مانگا جنگل میں پہنچائی گئیں۔ ان کے جسدِ خاکی ایک طویل کھائی میں پھینک کر پہلے تیل پھڑک کر آگ لگائی گئی، پھر اس اجتماعی قبر کی مٹی برابر کر دی گئی۔

سرور کو نمین ﷺ سے، جب سر کا سودا ہو چکا

ہم نہ پوچھیں گے کسی سے بھلاؤ اب ہمارا

"سم ریڈیو پاکستان لاہور ہے۔۔۔ ریاض الدین سے خبریں سنے۔۔۔"

چرا۔۔۔ کیسینسی گورنر جنرل جناب غلام محمد نے کہا ہے کہ لاہور کا من بہت جلد بحالی کر دیا جائیگا۔۔۔ انہوں نے معززین شہر کے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ منتہی بھر بلوائیوں کو مذہب کے نام پر شہر کا امن تباہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔۔۔ انہوں نے پولیس کو تاکید کی کہ بہر صورت تشدد اور فائرنگ سے اجتناب کریں۔۔۔ معززین شہر نے چرا۔۔۔ کیسینسی کو ہر ممکن حمایت اور تعاون کا یقین دلایا۔۔۔"

"بند کر دیو یاد۔۔۔ نرا ٹھوسٹ بکواس" سنی میجسٹریٹ نے کہا اور آئی ٹی نے گاڑی میں نصب ریڈیو آف کر دیا۔
 "اب کہاں چلنے کا رواد ہے؟؟"

"کو تو ملی چلتے ہیں۔۔۔ بس تھوڑا حالات کا جائزہ لینے" آئی ٹی نے کہا۔
 "میں تو کہتا ہوں واپس چلیں۔۔۔ حالات ٹھیک نہیں لگتے" میجسٹریٹ شیشے سے ہار جھانکتے ہوئے بولا۔
 "ملٹری کے ہوتے ہوئے بھی ڈرتے ہو یاد۔۔۔ کمال ہے" !!!
 "ملٹری باغ جناح میں بیٹھی ہے اور بلوائی شہر میں۔۔۔"

ریلوے اسٹیشن کے قریب انہوں نے ایک جلوس دیکھا جو کاروں، سائیکلوں اور سائمنوں کو روک رہا تھا۔ جلوں کی قیادت ایک وائس والہ شخص کر رہا تھا۔ آئی ٹی نے ایک سائیکل پر گاڑی روک دی۔

"پھنسا یا ناں یاد۔۔۔ گاڑی موڑ۔۔۔" میجسٹریٹ پشتہ درست کرتے ہوئے بولا۔
 "ارے کی ضرورت نہیں۔۔۔ وہ بزدل جو سفید ٹوپی پہنے مجمع سے نعرے لگوا رہا ہے۔۔۔ اپنا ہی بندہ ہے۔۔۔"
 "کیا مطلب؟" میجسٹریٹ نے حیرت سے پوچھا۔
 "خفیہ کا ہے یاد" !!!

آئی ٹی صاحب نے ہارن دیا تو وہ شخص بھاگا بھاگا دھڑک چلا آیا۔

"ٹرینک کیوں روک رکھی ہے دولت خان؟" آئی ٹی نے شیشے کے سرکاتے ہوئے پوچھا۔
 "جلوس نوں تھوڑا مصروف رکھیا ہے۔۔۔ تھی لکل جاؤ۔۔۔ کش نہیں کسندے"
 "کچھ نہیں کاہنچہ۔۔۔ اگر گاڑی چلا دی تو؟"

"او مریجی بے فکر ہو جاؤ۔۔۔ میں تہاڑے لگے لگے چلے گا۔۔۔ او میرے چچے چچے" یہ کہہ کر دولت خان گاڑی کے آگے آگے نعرے لگانا ہوا چلا۔۔۔

"شہابی پولیس.... زندہ ہوا۔"

"زندہ ہوا... زندہ ہوا!!!" مجمع نے نعرہ دیا۔

جلوس سے کچھ لوگوں نے آئی جی کی گاڑی روکنے کی کوشش کی لیکن دولت خان نے کمال مہارت سے انہیں سمجھایا کہ یہ شہابی پولیس کے افسر ہیں.... قتل عام تو ہارڈ پولیس کر رہی ہے۔

"کمال کا آدمی ہے یاد.... یہ دولت خان" مجسٹریٹ نے تبصرہ کیا۔

ہاں بس واڑھی نقلی ہے حرمزادے کی.... کسی دن پکڑا گیا تو تکہ بونی کروالے گا بھئی "آئی جی نے کہا۔

"بڑا رسک ہے یاد.... نقلی واڑھی لیکن کراصلی واڑھی دانوں سے نعرے لگوانا.... سلوٹ دولت خان" چیف سیکرٹری بول اٹھا۔

"صرف ایک دولت خان نہیں... اڑھائی سو خفیہ اگلے بیٹھے ہیں مسٹر وزیر خان میں.... کسی بھی تحریک کو کریش کرنے کے لئے کچھ سرکاری پڑے ٹٹ کرنے ہی پڑتے ہیں" !!! ...

لو لکھا تھا ان کے قریب انہوں نے ایک ٹینک دیکھا جس پر کوئی فوجی نہیں تھا۔ ایک ریش دراز ٹینک پر ہزارہ کر مجمع سے نعرے لگوا رہا تھا:

"پاک فون... زندہ ہوا۔"

"جہاں اعظم... زندہ ہوا۔"

"یہ بھی خفیہ کا ہے ۴۴" مجسٹریٹ نے شیشہ نیچے سرکاتے ہوئے پوچھا۔

"جاؤ اور جا کر واڑھی چیک کر لو...." آئی جی نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔

"رسک ہے یاد... اصلی کل آئی تو ۴۴"

سرکلر روڈ کے زیریں ہیل کے پاس انہیں ایک لٹہ بردار حکوم نے روکا۔ یہ لوگ نعرے لگا رہے تھے۔

"ہڑتال.... ہڑتال.... پیہ جام ہڑتال"

اس سے پہلے کہ وہ کار کو روکے مایک خفیہ والا بزرگ بھاگا بھاگا دھڑا آئی۔

"اوپر دو قوفور.... کارنوں چھڑو.... اس تانگے نوں روکو...." اس نے چیخ کر مظاہرین سے کہا۔

ہجوم لائیاں سونے سمٹنے کے پیچھے ہو گیا.... اور اسے روک کر گھوڑے کو کھول دیا۔

سرکلر روڈ سے آگے پولیس کی سہاری چوکیاں خالی تھیں.... البتہ خلیہ والے یہاں بھی دو مرد ہر جگہ رہے تھے۔

"اوہر آؤ دلہر حسین...." ڈی آئی جی نے ایک سبز پوش فقیر کو آواز دی جو درویشوں والا لمبا چنڈ پہنے حق مولا حق مولا کے نعرے لگا رہا

تھا۔

"پولیس کہاں چلی گی؟؟" آئی جی نے استفسار کیا۔

"ریزیٹ کر گئی سر...." سبز پوش کن اکھیوں سے او سر رو سر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟؟.... کوئی ٹریز ہوئی ہے؟؟"

"نہیں سر... ایس ایس پی مرزا نعیم سب کو لے کر کو توالی چلے گئے ہیں..."

"مرزا نعیم کی ایسی کی تھی!!! آئی جی نے یہ کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھادی۔

وہ کو توالی کے سامنے پہنچے تو فضا بھر حواں و حار تھی۔ ہر طرف آنسو گیس کے اثرات پھیلے ہوئے تھے۔ تھانے کے باہر ہزاروں کا مجمع کھڑا

نعرے لگا رہا تھا:

"پاک فوج.... زندہ ہو!"

"شہائی پولیس زندہ ہو!"

"پولیس کانسٹیبلری... مردہ ہو!"

"ہارڈر پولیس... مردہ ہو!"

ایک لمبی دواڑھی اور زلفوں والا جوان جس نے سر پہ کفن باندھ رکھا تھا ان کی طرف دوڑا چلا آیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے سمندر خان؟؟؟"

"سر جی.... ہارڈر پولیس نے کل جو پائرنگ کیا تھا اسے حوام شور کرتا ہے.... بولتا ہے گولی چلانے والے کو مار دھو لے کرو...."

ام تو آنسو گیس چینک چینک کر نکلتا گیا ہے...."

"مرزا نعیم الدین کہاں ہیں؟"

"اندر ہے سر جی.... کو توالی میں.... تم گاڑی کو پیچھے لے کر آؤ...."

"کو توالی میں اٹھ دے دے رہا ہے....؟؟"

آئی جی نے کو توالی کے ہچھوڑے میں گاڑی روکی اور سیدھا اندر چلے گئے۔

ایس ایس پی مرزا نعیم، بوٹ اور شرٹ اچھے کر سی پ نیم دراز تھا۔

"ایس ایس پی صاحب... خیریت؟ آپ محو چھوڑ کر بھاگ آئے؟؟ آئی جی نے آتے ہی پوچھا۔

مرزا نعیم بہت دانا آئی صاحب کو دیکھا رہا، پھر اچانک موندہ پھیر لیا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟؟"

"میری طبیعت تو ٹھیک ہے مگر... لیکن سہارہ کو شاید پالنے کے لئے کات لیا ہے..."

"کیا ہو گیا ہے؟؟"

"کل چانچ سو بارہ بندہ قتل کیا ہے میں نے... وہی ان ہاتھوں سے... دیکھیں ان انگلیوں کو... ورم آ گیا ہمارا گرد پادھار کے... لیکن... ہوا کیا؟؟... دس مارے... تو میں اور آکر کھڑے ہو گئے... 500 بندہ مار چکے تو آؤ رڈر آیا فائرنگ روک دو... آج پھر کہ رہے ہیں فائرنگ شروع کر دو... حکومت کا ضمیر تو کتنی موت مر چکا... ہم کیوں کھیل رہے ہیں" !!!

"اوہ... 500 مسلمان مار کے ایک مرزائی کا ضمیر جاگ اٹھا..." آئی جی نے کیپ اٹھ کر نیمل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"لعنت ایسی مرزائیت پر... جس کی دنیاوی انسانی خون میں تقویٰ ہوں... لعنت ایسی نوکری پر... جس میں صبح سے شام تک کیڑے کھڑوں کی طرح انسانوں کو مارا جائے"

"فوج ہماری مدد کے لئے موجود ہے نہیں"

"ارے صاحب... کیا کرے گی فوج؟؟... شہر میں بلوہ ہوتا ہے تو لوگ ہجرت کرتے ہیں... نکل لیتے ہیں... یہاں لوگ لٹا داخل ہو رہے ہیں... آج بھی ملک ہجرت سے ہزاروں لوگ لاہور میں داخل ہوئے... کس کس کو مارے گی فوج؟؟ یہ رہا میرا استغلی !!!" مرزا نعیم نے ایک کاغذ آئی جی کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

"یہ بات چیف منسٹر کے سامنے کر سکتے ہو؟؟؟"

"کیوں نہیں... اپنے ہی عوام کو قتل کر کے حکومت بھی نہیں جیت سکتی... دس مذاکرات کار مت اختیار کرنا چاہئے... اور عوام کے مطالبات پر کان دھرنے چاہئیں"

"چلو میرے ساتھ... ابھی اور اسی وقت... !!!" آئی جی نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور کو توالی سے ہاتھ نکل گیا۔
مرزا نعیم الدین اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

آئی جی نے مرزا نعیم الدین کو ساتھ بٹھایا اور چیف منسٹر ہاؤس کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔

راستے میں جا بجا نمبروں نے جلاؤ گھیراؤ کے متاعہ دیکھے۔

میٹرو روڈ پر ایک پولیس وین دیکھ کر آئی جی نے گاڑی روکی:

"یار محمد... کیا خبر ہے؟؟"

”تے خیر ایں میں سر جی... سب ٹھیک خاک اسے !!!“ ایک سونے سے انسپکٹر نے دین کے اندر سے سر باہر نکالا -
 ”شہر کے حالات کیسے ہیں؟؟“

”ڈاکھانے توں اک تلی اسے.... باقی سب ٹھیک خاک اسے.... مغل پورے دیچی اک احمدی محمد شفیع برادری نوں قتل کرو چا گیا اسے
 تے.... باقی سب ٹھیک خاک اسے.... بھائی دروازے سے اندر چھڑے مار کر ایک احمدی اسٹوڈنٹ نوں مار دتا گیا.... باقی سب ٹھیک
 خاک اسے.... تے.... مرزا کریم بیگ نوں میرا خیال آکر.... قیسٹنگ روڈ تے چھڑے مار کے.... نہیں بلکہ اک دیچی ساز دتا جمع نہیں...
 نہیں.... بلکہ مار کے فیر ساڑیا.... باقی سب“

”اچھا! چھا ٹھیک ہے.... حالات پہ نظر رکھو.... اگر جان کا خطرہ نظر آئے تو کھٹک لو یہاں سے....“ آئی بی نے یہ کہہ کر گاڑی بڑھا دی۔
 دو دو لوں چیف منسٹر ہاؤس پہنچے تو وہاں اکیلا دل رہے تھے۔

”سی ایم صاحب کہاں ہیں“ آئی بی نے مستری سے پوچھا۔

”گورنر ہاؤس چلے گئے سب“ مستری نے سلام کرتے ہوئے مڑ دیا۔

آئی بی نے گاڑی دیوارس کی اور گورنر ہاؤس جانے والی سڑک پہ چڑھادی۔

شہر بھر کی دکانیں بند تھیں۔ مظاہرین کی چھوٹی موٹی ٹولیاں بوجھ بوجھ شرارت کی تیت سے گھوم رہی تھیں۔

راستے میں انہوں نے ایک جوم کو دیکھا جو ٹیلی فون کا ایک کھنڈا کھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اٹھیں دیکھو....“ کہنے پہ فضا تھر رہے ہیں ”آئی بی نے کہا۔

”لاہور کا رابطہ پورے ملک سے کاٹا جا رہا ہے سر....“ جیمن کریں حکومت بری طرح پھنس چکی ہے“ مرزا نعیم نے شیشے سے باہر جھانکتے
 ہوئے کہا۔



گورنر ہاؤس بھلی باتار بناتا تھا۔

شہر کی بلبل بلبل گزرتی صورت حال ہے ہر کوئی اپنا اپنا تھیر و فرما رہا تھا۔ لاہور کے تمام کونسلرز اور کابینہ کے ارکان کے بھی موجود تھے۔ گورنر
 پنجاب آئی آئی چندر تیکر، وزیر اعلیٰ دوکات دوسرے وزراء اور اعلیٰ حکام ہے۔ یہی کی تصویر بننے بیٹھے تھے۔ اس دوران چیف سیکرٹری اور جوم
 سیکرٹری گورنر ہاؤس پہنچے۔

”کیا خبر ہے....؟؟“ گورنر نے پوچھا۔

دونوں خاموش کھڑے ہو گئے۔

"کچھ بتاؤ بھی...؟؟؟" ملک.... کیا حالات ہیں سیکرٹیرٹ کے؟؟؟" وزیر اعلیٰ کی پریشانی قابل دید تھی۔

"سر... بڑی مشکل ہے اپنی جان بچا کر آئے ہیں۔۔۔ ملازمین کل کے قتل عام کی وجہ سے بہت پرہم ہیں۔۔۔ صرف سیکرٹیرٹ ہی نہیں
نئی فون آفس، نئی گراف آفس، محکمہ ٹیس، محکمہ ڈاک، محکمہ ریلوے سب تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔۔۔ ریل کی ہڑتیاں کھڑی کی
ہے۔۔۔ پچاس ہزار لوگ پولیس حید کوہنڑ کا گھیراؤ کر کے بیٹھے ہیں۔۔۔ ہزاروں لوگ لاہور میں داخل ہو رہے ہیں۔۔۔ ہیر دین باغ بھی
تقریباً پچاس ہزار کا مجمع کھڑا مطالبہ کر رہا ہے کہ گرفتار کرو یا گولی مار دو۔۔۔
"مل بتاؤ مل۔۔۔ کہانیاں مت سناؤ!!!" وزیر اعلیٰ نے کہا۔

"آپ کے پاس صرف دو راستے ہیں۔۔۔" صوبہ وی صاحب جو کافی دیر سے خاموش بیٹھے تھے اچانک بول پڑے۔
"کہئے مولانا.....؟؟؟"

"وزیراعظم عوامی مطالبات پر گفت و شنید کا اعلان کریں۔۔۔ اسی میں فائدہ ہے۔۔۔ اور دوسرا راستہ تحریک کو طاقت سے کچل دینے کا
ہے۔۔۔ اس میں ہمیشہ کا خسارہ ہے۔۔۔ آپ پہلا راستہ اختیار کریں۔۔۔ اور نہ اکرنت کا اعلان کریں" !!!
"سر میرے ذہن میں بھی ایک آئیڈیا ہے۔۔۔" چیف سیکرٹری نے کہا۔

"جی فرمائیے...؟؟"

"مجلس احمد اور جماعت اسلامی دونوں کو فوری طور پر کاغذ مقرر دیا جائے۔۔۔ شہر بھر سے اچھے اچھے مولوی اکٹھے کیے جائیں۔۔۔ جو ہر
ظلم اور لوگوں کو سمجھائیں کہ ختم نبوت کے نام پر تھوڑی سی فوری بند کیا جائے۔۔۔ اور آخری تجویز یہ ہے کہ شہر کو مکمل طور پر فوج کے
حوالے کر دیا جائے"....

اس دوران آئی جی اور ایس ایس پی مرزا نعیم بھی گورنر ہاؤس پہنچ گئے۔

"کہا خبر ہے آئی جی صاحب؟؟؟" گورنر اور چیف منسٹر یکساں بول اٹھے۔

"سر پولیس حید کوہنڑ پولیو کیوں کے گھیرے میں ہے۔۔۔ پولیس مکمل طور پر دل بد چکی ہے"....

"وٹ.... نان سینس؟؟؟" گورنر نے کہا۔

"سر ایس ایس پی نعیم الدین آپ کو سارا حوالہ سنائیں گے" آئی جی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ہاؤس میں یکایک خاموشی چھا گئی۔ سب لوگ فکر فکر مرزا نعیم الدین کی طرف دیکھنے لگے۔

"پولیس... اب مزید قتل عام نہیں کر سکتی سر" مرزا نعیم الدین نے آغاز کلام کیا "بہت خون بہ چکا۔۔۔ بہت لوگ مار دیے ہم نے۔۔۔

اس تحریک کو.... گولیوں اور سنگینوں سے ختم نہیں کیا جاسکتا.... آپ چاہے ہزاروں مار دیں۔۔۔ لاکھوں اور کھڑے ہو جائیں گے۔۔۔

آپ کو.... عوام کے بنیادی مطالبات سامنے ہی ہو گئے... اور اگر آپ نے علم و برہنہت مزید جاری رکھنا ہے تو کم از کم میرا استغفی قبول کیجئے" !!!

مرزا نعیم الدین کے بیان سے گورنر ہاؤس میں مایوسی چھا گئی۔ تمام درباری نوڈیہ بظلمیں جھانکتے گئے۔ اسی دوران باہر ایک دھماکا ہوا اور گورنر ہاؤس کی بجلی چلی گئی۔

"دیکھو... ذرا... کیا ہوا ہے..." وزیر اعلیٰ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں ایک سپاہی اندر آیا اور پھولی سانسوں میں بتایا کہ گورنر ہاؤس کا رستہ مراد ہوا گیا ہے۔

"اوہ... ہائی گاڈ... اومائی گاڈ... جلدی کرو... فون ملاؤ... وزیراعظم کو فون ملاؤ... کراچی... ابھی اور اسی وقت..."

چیف سیکرٹری بھاگا بھاگا فون اٹھا لیا اور جلدی جلدی کراچی کا نمبر ملانے لگا۔

"فون تو ایڈ ہے سر..." !!!

"ملنے کی ٹرنگ کال ملاؤ... جلدی... جنت... گورنر کا گلہ خشک ہونے لگا۔

"سر کوئی فائدہ نہیں..." آئی جی نے کہا۔ "ٹیلیفون کے سہ کٹ چکے... اب جو کچھ کرنا ہے... آپ نے کرنا ہے"

"اومائی گاڈ !!! پھر جلدی کرو... مودودی صاحب... آپ ایک بیان کا مسودہ تیار کریں... وزیر اعلیٰ و پنجاب اپنی اور اپنی وزارت کی

طرف سے اعلان کرتے ہیں کہ ان کی حکومت تحفظِ فتنہ بنوٹ کے لیڈر ان سے فوری مذاکرات کرنے کے لئے تیار ہے... سر ظفر اللہ

خان کو وزارت خارجہ سے فوری طور پر بنانے کے لئے ہم وزیراعظم کو جنت سری بھگوار ہے ہیں... اب فون اور پالیس... فائرنگ

نہیں کرے گی... ہائل فائرنگ نہیں کرے گی... جلدی سے ایک وفد بھیجو... مسجد وزیر خان میں... جلدی... ابھی !!!

"لیکن مسجد میں جائے گا کون ؟؟" آئی جی نے کہا۔

"مسجد میں وفد بھیجنا خطرناک ہے سر... خدا خواست..." چیف سیکرٹری نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"ایک شخص ہے... خلیفہ شجاع الدین..." مودودی صاحب نے کہا۔ "اس وقت مجلسِ احرار کی کمان ان کے ہاتھ میں ہے... ان کی

سربراہی میں پارلیمان کا ایک وفد بھیجو... شاید امن کی کوئی صورت نکل آئے"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے... ریڈیو سے بھی اعلان کرواؤ... اور ہوائی جہاز سے اشتہارات بھی کراؤ... اور خلیفہ شجاع کے پاس بھی یہ

مسودہ بھجواؤ... ابھی فوراً" !!!

اس کے بعد ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گیا... اور وزیر اعلیٰ جروس منٹ بعد پوچھتے رہے...

"خلیفہ کو مسودہ بھجوا دیا...؟؟؟؟؟؟"

"اشہدات گرائے.....؟؟؟؟"

"مذاکراتی وفد تیار ہوا؟؟؟؟"

قوم کی زندگیوں میں اندھیرے جم چکے والے حکمرانوں کا پتہ نہ ہوا تو ان جیسٹیک آدمی کوئی نہ تھا۔

6 مارچ 1953 جمعہ المبارک !!!

نماز جمعہ کے بعد حکومت کا مذاکراتی وفد مسجد وزیر خان پہنچا۔

وفد کی قیادت اسپیکر پنجاب اسمبلی خلیفہ شاہ الدین کر رہے تھے۔ وفد میں مسلم لیگ کے شیخ سردار محمد احمد سعید کرمانی اور بیگم سلسی تصدق حسین شامل تھے۔ یہ حضرات مسجد میں داخل ہوئے تو کارکنان کی آنکھوں میں غرت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ مسجد کے دروازے پر کھڑے جڑہانی کارکنان ان پر فخرے چست کرنے لگے:

"ماشاء اللہ..... سبحان اللہ..... وفد آیا ہے" !!!

اب آپ کی آنکھ کھلی ہے...؟؟

"ہزاروں لوگ قتل کر کے اب مذاکرات کرنے آگئے ہو.....؟؟"

"پہلے تمنا کیجئے رہے... اب ہماری بدوجہ ہائی پھیرنے آئے ہو.....؟؟"

رضاکاروں نے جو شیلے نوجوانوں کو سمجھا بھا کر خاموش کرایا اور مراکین وفد کو باحفاظت مسجد کے اندر لے گئے۔

مسجد کے منبر سے مولانا عبدالستار نیازی، مولانا بہا الحق قاسمی، مولانا غلام غوث جڑہانی اور سید خلیل احمد قادری موجود تھے۔ انہوں نے وفد کا استقبال کیا اور مذاکرات شروع ہو گئے۔

"آپ کی تحریک کا مطالبہ ہو چکا ہے... صوبائی حکومت سر قمر اللہ خان کی فوری برطرفی سمیت آپ کے تمام مطالبات مرکزی حکومت کو بھجوا رہی ہے... آپ تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیں... تاکہ شہر میں امن قائم ہو سکے" وفد نے کہا۔

"جب تک کراچی میں قید محکوموں کے رہنماؤں کو آواز نہیں کیا جاتا... ہم حکومت کی نیت پر اعتبار نہیں کر سکتے" مولانا نیازی راج نے داناؤں کا جواب دیا۔

"دیکھئے حکومت کو شش کر رہی ہے.... تمہارا وقت لگے گا"

"کتنا وقت لگے گا؟؟؟ ایک دن، ایک مہینہ یا ایک سال؟؟"

"دیکھئے بہت خون بہہ چکا.... اب امن قائم کرنے میں حکومت کی مدد کیجئے"

"آپ ہمیں نصیحت فرمانے کی بجائے مسلم لیگ کو قہوڑی شرم دلائیے... کیا رعایا کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے؟؟... گولیوں کی اندھا دھند موٹسلا دھار پارٹس....؟؟... کیا بہادر مطالب اسلام کا بنیادی مطالبہ نہیں ہے؟؟"

"بے شک آپ کے مطالبات جائز ہیں.... اور حکومت اب گفت و شنید چاہتی ہے"

"گفت و شنید ہم سے نہیں قیادت سے کیجئے" !!!

"لیکن اس وقت تو قیادت آپ ہی کے ہاتھوں میں ہے" !!!

"ہم مذاکرات کا اختیار نہیں رکھتے... آپ پہلے مجلس کی قیادت کو آزاد کرائیے.... پھر مذاکرات کیجئے" !!!
اس گفتگو کے بعد کچھ مایوسی پھائی۔

مولانا بہاء الحق قاسمی نے بیگم سلمیٰ صدق حسین سے کہا۔

"بیگم صاحبہ... یہ مسلم لیگ کا جلسہ تو نہیں کہ آپ کھلے بندوں بے پروا و شریف لے آئیں.... خانہ و خدا ہے.... اگر یہاں قدم رنجہ لڑانا ہی تھا تو بے دے کا خیال بھی کر لیا ہوتا.... پھر لوگ اس بے پروا دگی پر سخت معترض ہیں...."
بیگم صاحبہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"مہر انگریز.... جاؤ کسی مقامی رضاکار کو بروکھ برقعہ لے کر آئے" !!! ...

باہر گھن میں چنپٹے کارکنان میں وفد کی وجہ سے اشتعال پھیل رہا تھا۔ مذاکرات ناکام ہو چکے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک کارکن ٹوپی برقعہ لیکر حاضر ہوا جو بیگم صاحبہ کو اوڑھایا گیا۔ اس کے بعد مذاکراتی وفد کو مسجد کے بظنی دروازے سے واپس پیکر دیا گیا۔

تقریباً تین بجے ایک چھوٹا سا زمری جہاز "بھوں بھوں" کرتا مسجد کے اوپر چکر لگانے لگا۔ اس نے فضا سے پمفلٹ گرائے جن میں سے کچھ مسجد کے اندر گرے کچھ باہر:

"وزیر اعلیٰ پنجاب یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کی حکومت تحفظِ مسمیہ کے لیڈران سے فوری گفتگو کے لئے تیار ہے۔ وہ عوام کو اطمینان دلاتے ہیں کہ فوج اور پولیس اب فائرنگ نہیں کرے گی۔ صوبائی حکومت کا ایک وزیر فوری طور پر قوم کے یہ متفقہ مطالبات لیکر بڑی عہدہ طیارہ آج ہی دارالحکومت روانہ ہو رہا ہے۔ تھری نہ زور سفارش ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان کو ان کی وزارت سے فوری طور پر ہر طرف کیا جائے"

لاڈلا سٹیکر والی گاڑیاں شہر بھر میں یہ اعلان کرتی پھرتی تھیں سریز پور سے بھی یہ اعلان نشر ہو رہا تھا۔

ہر طرف ایک خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ ملک بھر میں مسلم لیگ کی سٹی کونسلز نے اس حکومتی اقدام کے حق میں فوری قراردادیں

منظور کرنا شروع کر دیں۔ مردہ چہرے قہقہہ لگے۔ عوام نے خوشی سے ایک دوسرے کو گلے لگالیا۔ تحریک ختم نیوٹ 1953ء آگ اور خون کا دریا عبور کر کے بالا خراپے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ مسجد وزیر خان میں اعلان کر دیا گیا کہ جو کارکنان واپس جانا چاہتے ہیں، جا سکتے ہیں۔ بے شمار لوگ مسجد کے بنگلی دروازوں سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ مسجد میں اب صرف دو دروازے آئے ہوئے تقریباً چالیس ہزار شاہکاری روگئے تھے۔

ٹھیک شام پانچ بجے فوجی گاڑیاں اندرون شہر داخل ہونے لگیں۔ ہر طرف شل لا مارشل لا کا شور مچ گیا !!!
 "مارشل لا آگیا... مارشل لا آگیا !!!" لوگ علقہ سرگوشیاں کرتے ہوئے چھو لاریوں سے باہر بھاگنے لگے۔
 گاڑیاں وزیر خان چوک میں آکر ٹھہر گئیں۔

ایک جیپ سے بغل میں اسٹیک لئے، پاکستان بڑی فوج کے پہلے مسلمان کمانڈر انچیف باہر نکلے۔
 "جنرل اعظم !!! سیز دی موسک... اینڈ ٹرائی نو دریسٹ ہم لائیو !!!"
 "لیس سر !!!"

"ٹیک کیئر..... لو بلڈ شف... مئے دی جیو ٹو، ول دس پوزیشن ان فوج !!!"
 "لیس سر !!!" جنرل اعظم نے چیف کو سلوٹ کیا۔

حدا یات دیکر کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان واپس اپنی گاڑی میں جا بیٹھے، جیپ بڑھادی۔
 "کاران آف دی ایئر یا... جری آپ..... سیز دی موسک... امیسیٹ !!!" جنرل صاحب سپاہ کو حدا یات دینے لگے۔
 فی اسلامی جمہوریہ ریاست کے سادہ ول عوام کھڑکیوں سے جھانک جھانک کر اس نخلستان کا نظارہ کر رہے تھے جو جمہوریت کے چتے ریگزاروں میں پھیلی ہر نظر آیا تھا۔ حالات کی سرکش موجوں میں ابھرنے والے اس جزیرے کو لوگ ایڑیاں اٹھا کر دیکھ رہے تھے جس کا نام "مارشل لا" تھا۔

"فوج آگئی... جن سب نہوت ہو جاؤ" ایک بڑا مے نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"آہو... سائنس دانوں کوڑے لگن گے... علماں دا حساب ہووے گا !!!" ایک مائی نے خیال ظاہر کیا۔

سادہ ول عوام نہیں جانتے تھے کہ جمہوریت ہو یا مارشل لا، کوڑا ہمیشہ عوام کی ہی پیٹھ پر لگا ہے۔ حساب ہمیشہ قوم ہی دیتی آتی ہے، عالموں کا حساب لینے والا تو آج تک کوئی پیدا ہوا ہے، نہ ہی آئندہ ہو گا۔

مسجد وزیر خان میں مولانا عبد الستار نیازی رح کا خطاب جاری تھا:

"ناعاقبت اندیش حکمرانوں!!!!!!... اپنے گلے میں فوجی یونوں کے پار پیٹنے والو..... بہت بڑی غلطی کر رہے ہو.... لہٰذا ہی عوام کو روک دینے چلے ہو؟؟.... اسے فوج کا کام سرحدوں کا دفاع ہو؟ ہے... اپنے ملک کو فتح کرتا نہیں... کون سا فساد برپا ہوا ہے لاہور میں جو تم نے فوج بلائی؟؟.... نصف صدی ہوئی تحریکِ قسَم نبوت کو.... آج تک کسی مرزائی کی تکبیر بھی پھوٹی؟؟.... بیرونِ باغ میں کتنے جلے گئے ہم نے... کسی نے مرزائیوں کے گلے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا؟؟.... ہوسے ہماری جنگ نظریے کے خلاف ہے.... جسوں کے خلاف نہیں"!!!!!!

نعرہء تکبیر.... اللہ اکبر!!!!!!

جان و تختِ قسَم نبوت... زندہ باد!!!!!!

مسجد وزیر خان کے گرد خاردار سیم پھائی جا رہی تھی.... قریبی عمارتوں کی پختوں پر مورچے بنا کر مشین گنیں نصب کی جا رہی تھیں.... ریڈیو سے دھمکی آمیز اعلانات نشر ہو رہے تھے.... ہر شیر بھر میں آگ لگانے والے نامعلوم افراد ایک دم غائب ہو چکے تھے.... !!!

اگلے ہی روز وزیر اعلیٰ نے اپنا جان واپس لے لیا۔

ہمیں تو اپنوں نے لوٹا، فیراں میں کہاں دم تھا

میری کشتی تھی ادبِ دہاں، جہاں پانی کم تھا

8 مارچ 1953 --- مسجد وزیر خان لاہور

فوج نے مسجد کو پوری طرح محاصرے میں لے لیا۔

پانی کے عمل بند کر دیے اور بجلی کی فراہمی معطل کر دی۔

مسجد وزیر خان میں رضاکاروں کے گھنٹے کے گھنٹے جمع تھے۔ مقررین خفیہ راستے سے آتے اور تقریریں کر کے چلے جاتے۔ پولیس اور فوج جلد سے جلد مسجد پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔

اگلے روز فوج نے خفیہ راستوں کا پتہ چلا کر وہاں بھی پہرے بٹھادیے۔ مسجد سرکاری بجنسیوں کا اکھاڑ بننے لگی۔ یہ لوگ مسلسل

رضاکاروں کے حوصلے پست کرتے اور طرح طرح کی افواہیں پھیلاتے۔ مسلسل محاصرے کی وجہ سے اندر کی صورت حال لمحہ بہ لمحہ

دگرگوں ہوتی جا رہی تھی سرینڈیو سے مسلسل اعلان نشر ہو رہا تھا:

"عبدالستار نیازی اور ظلیل احمد قادری اپنے آپ کو حکام کے حوالے کر دیں۔۔۔ ورنہ انہیں دیکھتے ہی گولی مار دی جائے گی"

ان حالات میں کچھ سرفروشان، تحریک کے حق میں اشتہارات چھاپ چھاپ کر شہر بھر میں لگا رہے تھے، سرکاری پریکٹس کے توڑ کا بھی واحد ذریعہ تھا!!!

فوج مسجد میں داخل ہونے سے گریزاں تھی۔ شدید جانی خطرے کے باوجود رضا کاروں کا جڑ پھونک دینی تھا۔ میٹافون پر مقررین کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو رہے تھے اور مسجد سے نظریہ کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

علماء کی جمہوریت سے دوری نے ایم اے کو سیکورٹیز کا گڑھ بنوایا تھا۔ چنانچہ ایم اے میں اس برہنہ پر آواز اٹھانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ مولانا نیازی راج پوتہ، پنجاب یونیورسٹی کے ممبر تھے، خود مسجد میں محصور تھے۔ تحریک کے قائدین نے مولانا نیازی کو مشورہ دیا کہ دو روز بعد ہونے والے صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں کسی نہ کسی طور شریک ہو کر اپنا موقف پیش کریں اور بعد میں گرفتاری دے دیں تاکہ سرکاری پریکٹس کا توڑ ہو۔

اگرچہ یہ ایک مشکل فیصلہ تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اس رات مولانا نیازی بھیس بدل کر مسجد کی دیوار ٹاپ گئے اور لاہور کے ایک خطیہ مقام پر پھپھ کر اسمبلی کے اجلاس کا انتظام کرنے لگے۔

مسجد سے مولانا نیازی کی نظریہ بندی ہوئی تو حکومت کو پریکٹس کا موقع مل گیا۔ لاہور میں جگہ جگہ ان کی تلاش میں پھاپ مارے جانے لگے۔ سرکاری ریڈیو ان کے خلاف زہرا لکھنے لگا۔ ایم اے نے صفحہ اول پر مولانا نیازی کی ایک پرانی فلم شیعہ تصویر لگا کر سرخی بھادی:

"عبدالستار نیازی نے دوازمی منڈ والی۔۔۔ ایک میں بیٹھ کر لاہور سے فرار"!!!

کمارچ کو مسجد میں تقریباً تین چار ہزار رضا کار موجود تھے۔ روزانہ پانچ چھ جوان ہاضم ہو کر پھر نکلتے اور عزمِ نبوت کا نعروں کا گونجنا شروع کر دیتے۔

ملک بھر میں عوام گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آجلی تھی۔ ساہیوال، مڈکازہ، سیالکوٹ، فیصل آباد، گجرات، راولپنڈی، گوجرانوالہ اور اندرون سندھ بونڈھے، بچے، جوان عورتیں مرد قاتلوں کا گھبراہٹ بٹھاتے تھے۔ حکومت جانتی تھی کہ مسجد وزیر خان کو فتح کئے بغیر تحریک کا خاتمہ ممکن نہیں۔ 7 مارچ کو کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان کچھ دیگر افسران کے ساتھ صورتحال کا جائزہ لینے پہنچے۔ انہوں نے مسجد سے متصل سڑک پر کھڑے ہو کر میٹافون پر اعلان کیا:

"مولانا ظلیل احمد قادری اور تمام رضا کار اپنے آپ کو حکام کے حوالے کر دیں۔۔۔ ورنہ فوج مسجد کے اندر آ کر آپریشن کرے گی۔۔۔ اور خون خرابہ کی تمام تر ذمہ داری آپ لوگوں پر ہوگی"

اس کے جواب میں مولانا غلیل نے اسپیکر پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

"جنرل صاحب !!! مسجد خاندہ خدا ہے.... یہ آپ کی حدود سلطنت میں نہیں آتی.... فوج اور پولیس کو مسلمان پر گولیاں چلانے کا کوئی حق نہیں.... مسلمان کا خون مسلمان پر حرام ہے.... اگر فوج نے مسجد میں گھسنے کی کوشش کی تو اس کا بڑی سختی سے جواب دیا جائے گا.... اور تمام کشت و خون کی ذمہ داری پاک فوج کے سر ہوگی!!"

اس دوران ایک مرزاہی افسر نے تجویز پیش کی کہ مسجد کو ڈائنامیٹ سے اڑا دیا جائے لیکن جنرل صاحب نے یہ منصوبہ سختی سے مسترد کر دیا اور مزید احکامات کا اظہار کرنے کا کہہ کر چلے گئے۔

8 مارچ کو کرفیو کاؤنڈ ہو تو غلیل احمد قادری نے ایک مختصر سی تقریر کی:

"برادرانہ اسلام !!! ہم لوگ ناموس مصطفیٰ ﷺ کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔۔۔ یہ راستہ شہادت کا راستہ ہے۔۔۔ لہذا جو شخص اپنے دل میں ذرا سی بھی کمزوری محسوس کرتا ہے۔۔۔ یا جسے ذرا بھی لمبی جان پیاری ہے۔۔۔ وہ اپنے گھر جاسکتا ہے۔۔۔"

اس تقریر کے بعد بہت سے رضاکار مسجد سے نکل کر اپنے اپنے گھر وں کو جانے لگے۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا اور مسجد میں صرف ڈیڑھ ہزار جانثار باقی رہ گئے۔ حالات کی تیز آمد میوں میں تحریک کا چرچا ٹھنڈا ہوا تھا لیکن قیادت کسی نہ کسی طرح اسے سنبھالے ہوئے تھی۔

8 مارچ کو نہ انکراست کا دروازہ آغا ز ہوا۔ حکومت کی طرف سے اینڈ وکیٹ امیر الدین قندھاری قائدین تحریک کے لئے گورنر کا پیغام ملاقات لیکر آئے۔۔۔ لیکن قائدین نے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔

8 مارچ کی شام تک رنگ محل، شیرانوالا گیت اور موہنجی گیت تک رست کی پوریاں چن دی گئیں۔ مسجد کے چار اطراف گھر خالی کر کے وہاں مشین گنیں اور دیگر ہتھیار نصب کر دیے گئے۔ رات کو کسی بھی وقت خونریز مظہری آپریشن متوقع تھا۔ یہ رات اٹلی لاہور پر بہت بھاری تھی، لیکن مشق رسول اللہ ﷺ سے سرشار پڑھانوں کے لئے علیہ القدر رہی ہوئی تھی۔ شب بھر مسجد میں ذکر الہی جاری رہا۔ نعرہ ہائے تکبیر، نعرہ درسات، سے لاہور کی فضا کو نجی سورہ وود سلام کی صدا میں فضا کو مشکبہ کرتی رہی....

بچہ عیس و ر و د آپ ہے، ملد ہاں اسی لئے

فدا ہوا ان کے دین ہے، ہے تن میں جاں اسی لئے

جوان کے واسطے نہیں، وہ زندہ گی فصول ہے

"اللہ تبارک ہے۔۔۔ مجھے فخر ہے کہ آج میں نے شافعہ حضرت عیسیٰؑ کی ناموس اور عظمت کی خاطر یہ زیور پہنا ہے"

"اول تو ہمارے آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن ہم بے بس ہیں۔" سپاہی نے کہا۔

"یزیدی فوج بھی یہی کہتی تھی۔۔۔" سید غلیل نے جواب دیا۔

کوٹوالی میں فوجیوں نے بڑے بڑے دائرہ میں سیٹ لگا رکھے تھے۔ مدخل لاء حکام کو "خطرناک طرمان" کی گرفتاری کی نوید سنائی جا رہی تھی۔ عشق رسولؐ کے قیدیوں کو پرانی کوٹوالی سے دھلی دروازے تک پیدل لے جایا جا رہا تھا۔ قادیانیت نواز ریاست سے کسی سمجھوتے کی بجائے جنہوں نے موت کی گھڑی میں رہنا پسند کیا تھا۔

کرلیو کے ہاؤس دو بے شمار عورتیں، مرد اور بچے گھروں سے نکل آئے اور تحریک کے حق میں نعرے لگانے لگے۔۔۔۔۔ ریاستی جبر و استبداد میں عکزی امت اس دروہ شاداں و فرحان تھی۔ جو سرکار و عالم عیسائی کی ختم المرسلین کے صدقے انہیں عطا ہوا تھا، اس نسبت پر فخر کر رہی تھی جس کے کانٹے بھی پھول معلوم ہوتے ہیں!!۔۔۔۔

کرم ہے خاص رب کا، ملی ہیں اس کی رحمتیں

ہے اس کے پاک نام سے، بیماری ساری نسبتیں

ہم اس کی امت آخری، وہ آخری رسول ہے

جو ہونہ عشق مصطفیٰؐ، تو زندگی فضول ہے

غلام ہیں غلام ہیں۔۔۔۔۔ رسول کے غلام ہیں

صلی اللہ علیہ والہ وسلم

7 مارچ... 1953ء.... کراچی

کراچی آئے ہمیں دو سراون تھا۔

ہم سینئر جیل کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ جگہ ان دنوں مرجع خلافت تھی۔

چاند پوری اور میں ڈائری میں شامل تھے۔ دوسری گھومتے رہتے۔ جیل کے سامنے جگہ کا ہونٹ ہمارا امید یا سنٹر تھا۔ یہاں ایک پرانا اورینٹل

نصب تھا جو صندوق سے تھوڑا بڑا اور پچی سے قدرے چھوٹا تھا۔ ہونٹ سے باہر دو بڑے بڑے پول تھے جن کے سچ لکھی موٹی سی ایک ہار

اس ریڈیو کا منیٹا تھی۔ ہم سارا دن ریڈیو سلوان پر گانے سنتے اور دن میں دو دفعہ ریڈیو پاکستان کراچی سے خبریں۔

اس دور کا میڈیا بھی سوائے جھوٹ کے کچھ نہ سنا تھا۔ خبروں کے مطابق ملک میں امن کا "او" بول رہا تھا۔ فوج لاہور کو "ہوائیوں" سے ہاک کر کے لاہور کو دوبارہ فعال کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ حکومت منجی بھر "شرپندوں" سے جلد ختمنے کا راگ الاپ رہی تھی۔

مرزائی کی بکری بھی مر جاتی تو بریکنگ نیوز چل پڑتی۔ کھڑے گویزادوں شہید ہو گئے لیکن کسی نے تڑک نہ کیا۔

جیل کے سامنے ہر گھڑی میلے کا ساہاں تھا۔ یہ ساری رو قیس امیر ان ختم نبوت کے غفلت تھیں۔ کوئی چادلوں کی دیک لا کر یہاں ہاتھ، کوئی سلوے کی پاست لے چنگا، کوئی پاندہ ان اٹھانے چلاتا تو کوئی فی رضائی کا عقد لئے اندر گھسنے کی کوشش کرتا۔ بدایونی صاحب کے کراچی میں ہزاروں مرید تھے، ایک بڑا حلقہ مولانا یوحنا مسات کا معتقد تھا، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری کے جانوروں کی بھی کئی نہ تھی، صاحبزادہ فیض الحسن کے دیوانے بھی ہزاروں تھے۔ کراچی کی شیعہ کمیونٹی میں علامہ مظفر حسین قسمی کا نام گونجتا تھا۔ کشن کراچی اے ٹی نقوی بھی مومن تھے سو جیل میں ان امیران کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ نقوی صاحب کے اسی حسن سلوک اور عدم تشدد کی پالیسی کی وجہ سے کراچی میں ختم نبوت کی تحریک 15 دن میں ہی ٹھنڈی ہو کر رہ گئی۔

لاہور میں کون سی قیامت بیت گئی، لاہور کسی کو مطلق خبر نہ تھی۔ حق و سچ کا پرچار کہ "زمیندار" مقتید تھا اور جھوٹ و جمل فریب کے کارخانے آزاد۔ سو ہر طرف سب اچھا کاراگ الا پابہ تھا۔ لوگ بس اتنا جانتے تھے کہ ملک میں کچھ بدامنی ہے، اور اس کے پیچھے دو تانہ ہے... ہائی اللہ اللہ خیر صلا!!!

"او کپ چائے... کڑک..." پاندہ پوری نے جھکے کو آواز دیا۔

میں ہوٹل پہنچا "ان" اٹھا کر پھرتے گا۔

"تحریک ختم نبوت کو امریکہ کی طرف سے خفیہ فنڈنگ کا انکشاف" !!! ...

"اسی لئے میں انگریزی اخبار الزمرہ کہہ کر پھرتا ہوں کہ اس میں کچھ بھی سیدھا نہیں لکھا ہوتا" پاندہ پوری نے کہا۔

"احمدی مخالف تحریک کی وجہ سے ملک تباہی کے دھانے پر..."

"پھر اٹنا لکھ دیا.... حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے ملک تباہی کے دھانے پر کھڑا ہے !!!" پاندہ پوری نے تہمہ فرمایا۔

اس دوران ہم نے ایک سرکاری گاڑی کو جیل خانے کی طرف آتے دیکھا۔ حائل پر بیٹھے دیگر لوگ بھی لاہور متوجہ ہو گئے۔

"یہ تو عبداللہ محمد خان ہیں.... سرکاری قاصد.... ضرور حکومت کا کوئی اہم پیغام لیکر آ رہے ہیں.... ہو سکتا ہے رہائی کا مشرور ہو.... چلو

چل کر دیکھتے ہیں"

عبداللہ محمد خان کاغذات کا ایک پاندہ لئے گاڑی سے اترے، پھر جیل حکام سے کچھ دیر بات چیت کر کے اندر چلے گئے۔ ہم بھی جیل سنٹری

کو روپیہ بکراتے ان کے پیچھے پیچھے لگے۔

جیل کی مختلف راہداریوں سے گزرتے وہ سید حالے کا اس سیکشن جا کر ٹھہرے۔ اسیرانِ قہر توت ایک بڑے ہال ٹاکرے میں تشریف فرما تھے۔ خان عبداللہ کو دیکھ کر صاحبزادہ فیض الحسن اور مسٹر جان الدین کھٹکھٹاتے ہوئے اٹھے اور انتہائی خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔

”حیرت ہے !!! اتنا بڑا غضب ہو گیا۔ اور آپ لوگوں کے چروں پر دکھ کے آئینے تک نہیں؟“ خان بہادر کی آواز کھپکھپا رہی تھی۔

”کیا ہو گیا خان بہادر صاحب؟“ سب حضرات اپنی اپنی چارپایوں سے اٹھ کر خان عبداللہ کے گرد جمع ہونے لگے۔

”یعنی.... واقعی... آپ کو.... لاہور کی.... مطلق خیر نہیں... مرے غضب ہو گیا بھائی.... غضب !!!“

”واللہ.... ہمیں کچھ معلوم نہیں... جیل ملازمین کی زبانی اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہاں حوٹل چل رہی ہے“ صاحبزادہ صاحب نے کہا۔

”مرے... خدا کے بندو !!! ہزاروں لوگ قتل ہو گئے ہیں.... ہزاروں... کوئی تیلی ہے وہاں کوئی... خون کی ندیاں بہہ گئیں... اور

آپ کو خبر تک نہیں.... حیرت ہے !!!“

یہ سنتے ہی سب حضرات کے چروں پر غم و اندوہ کے طاعے پھرنے لگے۔

”میں سید حالہ اور سے آ رہا ہوں بھائی... میں نے لوگوں کو خون میں لستہت ہوتے.... سڑکوں پر دم توڑتے دیکھا ہے.... یہ سب کیا

ہو رہا ہے بھائی... کیوں ہو رہا ہے... مرے کوئی تو اس کو روکو !!!“

”ہم روکیں؟؟.... یہاں جیل میں بند کر؟؟ صاحبزادہ فیض الحسن بول اٹھے ”مرے خان بہادر صاحب !!! حکومت نے قتل کو چاہ

زنجیر کر کے جیل میں بند کر دیا.... اور ہزہات کو کھلا چھوڑ دیا ہے.... کچھ جو آپ دیکھ کر آئے ہیں... اسی حماقت کا نتیجہ ہے... ہم یہاں

بند ہیں... اس بے بسی کے عالم میں کیا کر سکتے ہیں... جب تک ہم آزاد رہتے کسی کی تکیہ بھی پھوٹی؟؟

”مرے بھائی.... اس خون کو روکو.... کوئی ایک بیان دیکھ.... شاید یہ ظلم کی جگہ قسم جائے“ خان عبداللہ نے واویلہ کیا۔

”ہم بیان دیں؟؟.... یہاں جیل میں بند کر؟؟ کمال ہے !!! ہماری نئے گا کون؟؟ اور اعتبار کون کرے گا اس بیان کا؟؟ حکومت کو چاکر

بتائیے کہ بے گناہ لوگوں پر گولیاں چلانا بند کرے.... اور یہاں آکر ہمیں توپوں سے آزاد کرے.... سرکار کا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا....

سر الفخر اللہ خان بھی راضی ہو جائیں گے... اور اس خوبی وستان کو سن کر ہمیں آنسو بھی نہ بہانے پڑیں گے“ صاحبزادہ کی آواز رنہ گئی اور

دور و مال سے آنکھیں صاف کرنے لگے۔

خان محمد عبداللہ جن قدموں سے آئے تھے، انہی سے واپس لوٹ گئے۔

گرفتاریوں کے 15 روز بعد لاہور سے سی آئی ڈی کے دو ذمہ دار افسرانِ کراچی جیل میں رہنماؤں سے ملنے آئے۔

”حکومت آپ حضرات کو آزاد کرنا چاہ رہی ہے.... لیکن اس کے لئے آپ کو ایک چھوٹا سا بیان لکھ کر دینا پڑے گا“

"وہ چھوٹا سا بیان کیا ہے بھائی؟؟" ماسٹر جنرل خالد بن صاحب نے پوچھا۔

"بس ایک سطر ہی جملہ... کہ یہ تحریک میاں ممتاز دولتانہ کے کہنے پر چلائی گئی"

عطاء اللہ شاہ بخاری اپنی جگہ سے اٹھے اور سرکاری قاصد کے سامنے آن کھڑے ہوئے "یہ جھوٹ ہے... دولتانہ ایک دیلاوار آدمی ہے اور تحریک ختم نبوت پاک جزیوں کی امن... اس کی ذمہ داری ایک فاسق و فاجر شخص پر کیوں ڈالتے ہو؟؟... پتہ چلا کر... میں نے چلائی ہے یہ تحریک... میں نے... اور میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں... اس جہان میں بھی... اور اس جہان میں بھی !!!"

سرکاری ہر کار سے ایسا کھسکا کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

ایک دن ایک مفید بونگی والے اہلکار نے جیل میں آکر در یافت کیا:

"آپ میں سے ابو الحسنات کون تھا؟؟"

"جی میں ہوں... فرمائیے؟؟" سید احمد قادری مصحف سینے اٹھ بیٹھے۔

"خلیل احمد آپ کا بیٹا ہے؟؟" اس نے پوچھا۔

"جی میرا بیٹا ہے... خیریت؟"

"خیریت ہے؟؟... آپ کا بیٹا موت کے دھانے پر کھڑا ہے... اور آپ کو خبر تک نہیں؟؟"

"یا اللہ خیر !!!... کیا ہوا خلیل کو؟؟" ابو الحسنات پریشان ہو گئے۔

"اوڈا ٹریکٹ انکیشن کی قیادت کر رہا ہے... اور مسٹر وزیر خان میں محصور ہو چکا ہے... مارشل لاہ سرکار سے کسی بھی وقت گولی سے اڑا سکتی ہے"....

ابو الحسنات واقعی بے خبر تھے۔ سید خلیل احمد ان کا کلوتا بیٹا تھا جسے والدہ کی محبت بھری گود بھی بچپن میں داغ مفارقت دے گی تھی۔ انہوں نے ماں اور باپ دونوں کا پیار اپنے نورِ نظر پر نچا کر لیا تھا۔ خلیل بڑا ہوا تو مولانا نے اسے اچھی تعلیم کے لئے لاہور طیبہ کالج بھیج دیا تاکہ پڑھ لکھ کر طیبہ بن سکے۔ مینے نے کراچی میں اکابرین کی گرفتاری کی خبر سنی تو قوم توڑی تحریک میں فی روح پھونکنے کے لئے حالات کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔

"خلیل تو ایک شر میلہ اور سید حاسدو جانچے ہے... اس نے سیاسی جلسہ تو کیا کبھی مسجد میں بھی تقریر نہیں کی... واقعی وہ قیادت کر رہا ہے تحریک کی؟؟" ابو الحسنات سکتے میں آ گئے۔

"جی ہاں... اگر آپ واقعی اس بات سے لاطم ہیں تو آپ جیسا اللہ والا باپ کوئی نہیں... اور اگر جانتے بوجھے اسے موت کے منہ میں دھکیلا ہے تو آپ جیسا عالم کوئی نہیں" اہلکار سختی سے بولا۔

"اگر یہ سچ ہے.... کہ میرا کلو جیوتا تحریک ختم نبوت کی قیادت کر رہا ہے.... تو مجھ سے زیادہ خوش قسمت باپ کوئی نہیں" !!!
"اگلو جیوتا؟؟ مولانا.... کچھ تو یہ دلو کرہ" اہلکار نے کہا۔

"کس بات کی یہ دلو کروں؟؟ اسے جس نے جیوتا کے نام پر آج تک روئیاں توڑتے رہے.... جس سے عشق کے بلند ہانگ و عوسے کرتے رہے.... آج اس کی ناموس کا وقت آیا تو تمک حرامی کر جائیں....؟؟ ختم نبوت کے لئے.... ہزار غلیل ہوتے تو بھی قربان کر دیتا

"

اہلکار کچھ دیر ہکا بکا ہو کر اس عاشق صادق کو دیکھا رہا پھر اپنا سامو نہ لیکر واپس چلا گیا۔

چھ اند سالہ ایوا الحسنات کے حوصلہ اور صبر کو دیکھ کر مطا اٹھ شاد بندہ دل بھی عشق کرنا چھے اور کہا:

"آپ واقعی صبر کا پہاڑ ہیں مولانا.... یہ بارگاہ تو ہم بھی نہ اٹھا سکتے تھے" !!!

ایوا الحسنات نے کہا:

"یہ سچ ہے کہ مجھے غلیل سے بے بہتو محبت ہے.... میں ہی اس کا باپ ہوں اور میں نے ہی اسے ماں بن کر چالا ہے.... اولاد سے کسے محبت

نہیں ہوتی.... لیکن اس مقام پر میں صبر کروں گا.... اس نیک کام میں اگر غلیل قربان بھی ہو گیا تو سعادت دارین ہے.... دو بھی تو ماں

کے بنے تھے جنہیں اس تحریک میں شہید کر دیا گیا.... ان میں ایک غلیل بھی سہی.... اللہ ہماری قربانی کو قبول و منظور فرمائے"

اس کے بعد مولانا ایوا الحسنات نے کبھی غلیل کا تذکرہ نہ کیا۔ وہ پوری دہائی کے ساتھ قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھ گئے۔ محال ہے کبھی کسی ساتھی یا قریل اہلکار سے بنے کا حال بھی جاننے کی کوشش کی ہو۔

اپریل کی نماز نے بھادوں کو رخصت کیا تو اسیران ختم نبوت کو کراچی جیل سے کہیں اور شفٹ کرنے کی افواہیں گرم ہوئیں۔ لیکن کوئی نہ جانتا تھا کہ سرکار انہیں کون سے "کاسے پانی" بھجواتا تھا حتیٰ ہے۔

بالآخر ایک دن روانگی کا پروانہ آئی گیا۔

ایک دو گین اور ایک سال خوردہ پولیس بس جیل چٹانک کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ جیل کے اندر سے مستقیماً نے بستر وغیرہ لا کر بس کے اندر رکھنے شروع کر دیے۔ ہم ہائلہ بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"گلتا ہے آج قیدیوں کی روانگی ہے" چاند پوری یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ہم تیز تیز چلتے بس کے قریب آ گئے۔ یہاں کچھ دور صفائی بھی خیر کی ساتھ ساتھ گھٹتے پھرتے تھے۔ بہت سے دیوانے بس کو گھیرے ہوئے

تھے۔

کچھ ہی دیر بعد جیل کے مرکزی گیٹ سے اسیران قلعہ نجات نمودار ہوئے۔ ان کے چہروں پر ہلکی یاد دہک اور کرب کے آثار تھے۔ لاہور کا قتل عام اور اب ایک دوسرے سے جدا ہونے کا غم انہیں کسی قدر ہنس مردہ کئے ہوئے تھا۔ سپرینٹنڈنٹ کے آنے میں کچھ تاخیر تھی۔ اسیران بس میں سوار ہوئے تو پرانے پہنچے محبوب رہنماؤں کی جھلک دیکھنے کے لئے بس کی آہنی کھڑکیوں سے ٹکرانے لگے۔ ہم بھی دھٹکے کھاتے بس کے قریب ہوئے۔ کافی شور شراب تھا۔ کانپنی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اسی اثنا میں جیل سپرینٹنڈنٹ بھی آگیا۔ مجمع کسی حد تک شانت ہو گیا۔

سپرینٹنڈنٹ بس میں سوار ہو کر بڑے احترام سے بولا:

"حضرات.... میں نے آپ کو جیل میں اپنے طور پر اسے کلاس دے رکھی تھی.... میں جانتا ہوں کہ آپ معزز قیدی ہیں اور اسے کلاس کے مستحق ہیں.... مگر آج سے میرے یہ القیادات بھی ختم ہو رہے ہیں.... حکومت آپ کو بہت بری جگہ بھیج رہی ہے.... میں اب بھی درخواست کرتا ہوں کہ حکومت سے مصالحت کر لیجئے... ہم آپ کو مزید تکلیفیں سبب نہیں دیکھ سکتے" !!!

"ہم مصالحت کا لفظ بھی نہیں سنانا چاہتے" امیر شریعت نے کہا۔ "اس حکومت سے مصالحت کر لیں جس کی آستینوں سے بے گناہوں کا خون لہک رہا ہے....؟"

"پھر اتنا ضرور کیجئے گا کہ فی جیل میں جا کر اسے کلاس کے لئے درخواست ڈال دیجئے گا.... شاید کام بن جائے" !!!

"ہمیں کوئی درخواست نہیں کرنی.... جب کفن مرے ہاتھ لیا.... تو کلاسوں کا کیا سوال؟"

"حضرت.... یہ فرمائیے گا کہ.... لاہور اور دوسرے شہروں میں جو قتل عام ہوا ہے.... اس کا مسدود کون ہے؟؟" چاند پوری نے امیر محترم سے سوال کیا۔

"بھائی ہم بے گز نہیں چاہتے تھے کہ حکومت یا حوام کسی بھی طور تشدد پر اتر آئیں۔۔۔۔۔ اور کوئی ناخوشگوار صورت حال نمودار ہو۔۔۔۔۔ میں نے لاہور اور دوسرے مقامات پر گولی چلنے کے واقعات سنے ہیں۔۔۔۔۔ اور مجھے دکھ ہے کہ کی بوڑھے باپوں کی لافٹیاں فوت کی ہیں۔۔۔۔۔ ماں کے چرائے گل ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ اور کی سہاگ اجڑ گئے ہیں۔۔۔۔۔ کاش کوئی حکومت تک میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ تحفظ ناموس رسول ﷺ کے سلسلے میں اگر کسی کو گولی مارنا ضروری ہو تو وہ گولی میرے سینے میں مار کر غلطی کر لو۔۔۔۔۔ کیونکہ میں ہی اس جرم کا سب سے بڑا مجرم ہوں۔۔۔۔۔ کاش اس سلسلے میں اب تک جتنی بھی گولیاں چلائی گئیں وہ مجھے کٹنگی پر ہاتھ کر چلائی جاتیں"۔۔۔۔۔

"میں آپ کی سوانح حیات لکھنا چاہتا ہوں.... اب کہاں ملاقات ہوگی؟" میں نے بھی ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

”کون کتنے گاہاری سوانح حیات۔۔۔ ایک طوفان تھا جو گزر گیا۔۔۔ میں نے خیر زمیوں میں مل جوتے۔۔۔ ہر ایک صحرانوں میں سفر کیا۔۔۔ قبرستانوں میں اذانیں دیں۔۔۔ میں وہاں پہنچا ہوں جہاں دھرتی اپنی نہیں دیتی تھی۔۔۔ میں نے ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کے دل سے انگریز کا خوف نکال کر آزادی کا تصور چھوٹا کیا۔۔۔ یہ کہانی اتنی عجیب اور سیرگاہ ہے کہ سوائے میرے اسے کوئی نہیں لکھ سکتا۔۔۔ مگر ہم جس مقصد خالی کے حصول کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔۔۔ وہاں کہانیاں لکھنے کی گنجائش کہاں۔۔۔ ایک سفر تھی زندگی۔۔۔ کچھ ریل میں کٹ گئی۔۔۔ کچھ جیل میں۔۔۔“

گاڑیاں اسٹارٹ ہو گئیں۔ کراچی سینٹر جیل کی رونقیں دیران کر کے عشق کے یہ قیدی کسی نئی منزل کو روانہ ہو گئے۔ ان کا اگلا پتہ کہاں تھا، کسی کو معلوم نہ تھا۔

ہم ہائل فارغ ہو کر رو گئے۔ سارا دن کراچی کی سڑکوں پر جوتیاں چھٹانا، جاگیر دار ہو مل سے کھانا کھانا اور لونا بلڈنک میں جا کر مسودات میں گم ہو جانا ہمارا معمول بن گیا۔ رات دیر گئے ہم ڈائریوں پر اپنی یادداشتیں لکھتے رہتے۔

۱۸ اپریل کی شام چاند پوری ریل کے دو ٹکٹ لیکر آئے۔

”کیا لاہور کی تیاری ہے؟“

”نہیں۔۔۔ حیدر آباد“

”حیدر آباد؟۔۔۔ کیوں؟“

”عشق کے قیدیوں کا پتا معلوم ہو گیا!!“ انہوں نے چپکے ہوئے کہا۔

حیدر آباد کا سورج پہل سے ہی دو قبر برسانے لگا ہے کہ خدا کی پتا!!!

میرا نام زید۔ زید احمد ہے اور میں گزشتہ چھ ماہ سے بحیثیت انسپکٹر جرنل جیل میں تعینات ہوں۔

دن کو یہاں سربخ آمد می ملتی ہے تو گرم ریت اڑا کر چہرے کو بھلسانے لگتی ہے۔ رات کو ایسی جھس کہ پینہ کپڑوں سے خود بخود نچرنے لگتا ہے۔

حیدر آباد کی یہ جیل خطرناک لوگوں کا سینٹر ہے۔ انگریز بھی اپنے خطرناک دشمنوں کو کالا پانی کی بجائے یہیں بھیجا پتہ کرتا تھا۔ دن کو جب درجہ حرارت 126 فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے تو ٹنگریٹ کے ڈربے کسی چپے ہوئے تندہ کا روپ دھار لیتے ہیں۔ گھڑوں میں رکھا پانی تک ابل جاتا ہے۔

جیل میں تین طرح کے ڈربے ہیں۔ سب سے اونچے کلاس ہے جس میں ”کھڑے“ کرنے والے خراب حکومتی افسر، اسٹیبلشمنٹ کے ناپسندیدہ سیاستدان، اور کرپٹ بیوروکریٹ آرام فرماتے ہیں۔ یہاں چنگ، کرسیاں، میز، تپائی، کھیل، ریڈیو سب کچھ میسر ہے۔ دھڑکن چیک کرنے کو ڈاکٹر ہے اور ہیٹ بھرنے کو بادرہی۔

اس کے نیچے B کلاس ہے۔ یہاں ”ناپسندیدہ سیاسی ورکرز“ یعنی جھگڑا کو اور بیچ لکھنے والے صحافی بند کئے جاتے ہیں۔ انہیں لوہے کی چار پائیاں، دہری، ٹکلیہ اور گرمی کے علاوہ کچا راشن بھی میا کیا جاتا ہے جسے وہ خود پکا کر کھاتے ہیں۔

پچا کچا مال C کلاس کے پچھلے درجوں میں رکھا جاتا ہے۔ چور، ڈاکو، جیب کترے، موہلی، غنڈے، بڑی مکھ روڑیہاں آکر رونق لگاتے ہیں.... پھر اپنے اپنے دھندے پہ نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ سونے کے لئے فرشی بچھوتے ہیں اور کھانے کو چال کی سخت روٹی.... اور جیل کی دال تو ویسے بھی مشہور ہے!!! ...

10 ویں کی صبح میں اپنی اپنی پہنچا تو سپریڈنٹ انڈسٹریز خلاف توقع جیل گیت پر کھڑا ٹھہرا۔
”سامیں... رات کا راہی سے ڈسے والے خطرناک طے لوگ آئے ہیں“
”مولوی لوگ؟ کتنے؟“ میں پریشان ہو گیا۔

”رات کو 127 مولیٰ آیا تھا... 8 اسان سویر موکلے پھنڈیا سکھر جیل... ہائی 3 اسان دناے...“
”اچھا ان تینوں پہ نظر رکھو... کسی سے ملنے نہ دیں“ میں نے رجسٹری حاضری دیکھتے ہوئے کہا۔
”تو اس فکر نہ کرو سامیں.... میں نے ان پر تینوں پر گارڈ لگا دیا ہے“

11 بجے نمبردار یہ خبر لے کر آیا کہ مولوی لوگ ساتھ والی کوٹھڑی میں سیاسی کارکنان کے ساتھ بیٹھے چائے پی رہے ہیں۔
میں نے ڈانٹ کر کہا ”منع کرو.... اور پھر ہڑتاد“!!!

دو بجے جب میں چھٹی کر کے گھر جانے لگا تو یہ آیا کہ نیگم صاحبہ نے پانی کی بوتل دی تھی۔ ان دنوں ہمارا مولود رات بھر روتا تھا اور زوجہ کا عقیدہ تھا کہ غدا انوشاد کے دم سے ہی آرام آئے گا۔ میں اگرچہ ان مذہبی نوٹوں کو نہیں مانتا مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے، نیگم صاحبہ تو مانتی ہیں۔

اس گرمی میں پکا قلعہ جا کر غدا انوشاد سے پانی دم کر دانا آسان نہ تھا۔ میں گاڑی میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کیا کروں۔
اس دوران سپریڈنٹ اپنی نائٹ پاس کی درخواست لیکر میرے پاس حاضر ہوا۔

”اللہ بخش... مولوی لوگ کس سے کس میں ہے....؟“
”دو سو چوٹن میں پڑا ہے.... تو اس فکر نہ کرو سامیں“

"اچھا ایسا کرو... اپنی درخواست مجھے پکڑناؤ.... اور یہ بومل کسی موبلی سے دم کرا کے لے آؤ"

اللہ بخش مجھے حیرت ہے گھور جہا بومل پکڑے اندر چلا گیا۔

تقریباً گیس منٹ بعد وہ بڑی عقیدت سے بومل پکڑے لوٹا تو میں سمجھ گیا کہ دم ہو چکا ہے۔

"اللہ بخش مولوی لوگ کا خیال رکھنا.... کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے... ٹھیک ہے؟" اللہ بخش کی عرضی سامن کرتے ہوئے میں نے کہا۔

"جو آپ کی مرضی سامیں.... ہم سنتری کو سمجھا دے گا..."

راستے میں کچھٹی ہل کے پاس گاڑی پانک گرم ہو گئی۔ مجبوراً وہی بومل کارپوریشن میں اندر چلائی۔ ویسے بھی اس رات نہ تو ہمارے ننھے مہمان نے شور کیا نہ ہی بیگم صاحبہ کو دم والی بومل یاد رہی۔ میں اس یقین کے ساتھ سو گیا کہ اللہ بخش نے مولوی لوگ کی آسائش کا ضرور خیال رکھا ہو گا۔

اگلے روز آفس پہنچتے ہی میں نے سپرینٹنٹ کو بلا کر کہا:

"اللہ بخش.... مولوی لوگ کیسا ہے؟؟؟"

"سامیں.... خوش باش بھلا چنگا ہے.... دعائیں دیتا ہے آپ کو...." اس نے حسب عادت مجھے خوش کرنے کی کوشش کی۔

"جیل میں کوئی اسے کلاس ڈپہ خالی ہے؟؟؟"

"کیوں سامیں کوئی نیا لیزر آنے والا ہے کیا؟؟؟"

"نہیں یاد میں چاہہا تھا کہ مولوی لوگوں کو کسی اچھے ڈبے میں شفٹ کیا جائے.... دو سو چوہن تو نری دوزخ ہے یاد !!!"

"سامیں شمالی حصے میں ہانڈی زنا نوا کا جو احاطہ ہے ناں.... وہاں دوا بے خالی ہیں....؟" دوا دھمی کبھاجا ہوا ہلا۔

جیل کا یہ 3021 کے کیس میں گرفتار خواتین کے لئے مخصوص تھا اور کافی عرصہ سے خالی پڑا تھا۔ یہاں دو ہراہر کوٹھڑیاں تھیں۔ جن کے سامنے ایک بہت بڑا احاطہ تھا اور کمروں سے پیچھے ایک فصل خانہ اور لیٹرین بھی تھی۔

میں نے کہا "ٹھیک ہے.... شفٹ کرنے سے پہلے وہاں اچھی طرح صفائی کر لو.... اور آج ہی مولوی حضرات کو وہاں شفٹ کر دو.... دو...

دن بعد میں رات کو لوٹا.... کوئی شکایت نہیں آتی چاہئے !!!"

"تو اس فکر نہ کرو سامیں.... ہو جائے گا..."

یعین جنھنٹی کے ناظم حوالہ ابرید محمد ڈاک لیکر آ گیا۔

"سامیں ایک اور جٹ چنھی ہے.... آپ کے لئے..."

سرکاری دسیا سی قیدیوں کے لئے جب بھی مرکز سے کوئی خاص حدیث آتی تو سر بھر ہوتی تھی اور اسے سید صاحبہ تک پہنچایا جاتا تھا۔ ان

دنوں راولپنڈی سازش کیس کے طرمان بھی اسی جیل میں قید تھے۔ میں نے سوچا شاید سینئر فوجی افسران کے بارے میں کوئی ہارہ حدایت آئی ہے۔

چٹھی پڑھ کر ماتھا ٹھنکا... نکلتا تھا:

"کراچی سے سات خطرناک مولوی اندرون سندھ کی جیلوں میں بھیجے جا رہے ہیں.... ان میں سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ابو الحسنات سید احمد قادری، سید مظفر حسین شمس، سید عبدالجبار بدایونی، صاحبزادہ سید فیض الحسن، اور اللہ نواز کو سکھر جیل بھیجا جا رہا ہے اور ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا لال حسین اختر اور نیاز لدھیانوی کو حیدرآباد جیل منتقل کیا جا رہا ہے۔ جیل حکام کو تاکید کی جاتی ہے کہ ان طاؤں سے جس قدر ہو سکے سختی برتے.... خرمی کی اطلاع پہ ہنگاموں کے خلاف سخت چاروائی عمل میں لائی جائے گی"

ہمارے اوپر والے بھی عجیب ہیں۔ چھ ماہ پہلے یہاں بھوت نامی ایک ڈاکو لایا گیا تھا اس کے پکڑے جانے پر ڈان اخبار میں بڑے بڑے فونو میچے تھے اور ہنگاموں کو کافی انعام بھی ملا تھا۔ آج کل وہی بھوت جیل میں A کلاس کا لطف اٹھا رہا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہ کانگریس مخالف ڈاکو تھا۔ دوسری طرف مولوی حضرات چونکہ مسلم لیگ کے مخالفوں میں شمار کئے جاتے ہیں سو ان پر حرمہ و حیات ٹھک کیا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے نرود فرعون اور شداد کی رو میں جہنم سے چھٹی لیکر فرض پاکہ پر اتر آئی ہوں....

کہنے کو تو میں یہاں سیاہ اسلید کا مالک ہوں اور میری آمد پر جیل کے سپاہی سے لیکر سپرٹنٹ تک سب الرت ہو جاتے ہیں لیکن میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ جیل حکام میں سے کون کون اندر کی بات اپنی ہانپا کر میرے جاہوت میں کیلیں خود نکلتا ہے، چار بے بی جانتا ہے لیکن حلق حقیقت یہی ہے کہ کوئی بھی گورنمنٹ ممبروں کے بغیر نہیں چل سکتی۔

جی تو یہ ہے کہ مولوی حضرات، جنہیں ابھی تک میں نے دیکھا بھی نہ تھا، ان کے لئے میرے دل میں ایک نرم گوشہ ضرور پیدا ہو چکا تھا۔

اس خرم گوشے کو آپ عقیدت بھی کر سکتے ہیں اور محبت بھی !!!

یہ تو تھی میری کہانی... باقی آپ مولوی حضرات کی زبانی سن لیجئے گا"

"اس کا مطلب ہے آپ قیدیوں سے ہماری ملاقات کر رہا ہے ہیں...." چاند پوری نے چائے کی پیالی رکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں.... آپ خواجہ شریف آف سرائی کا رقبہ ٹیکر آئے ہیں.... کچھ کرنا توڑے گا.... لیکن ایک شرط ہے کہ آپ کچھ چھاپے

گا نہیں.... ورنہ...." جیلر نے جواب دیا۔

"آپ بے فکر رہیں.... ویسے بھی اس حکومت سے خیر کی کوئی توقع نہیں.... ہو سکتا ہے مستقبل کا کوئی موزخ ہمارے چھوڑے ہوئے

مسودات سے فیض حاصل کر سکے...."

"ٹھیک ہے.... ہم رات گیارہ بجے اسیران سے آپ کی خفیہ ملاقات کا انتظام کرتے ہیں !!!"

نصف شب ایک سرکاری گاڑی ہمیں حیدر آباد جیل چھوڑ آئی۔

جیل کے مرکزی گیٹ پر ہمارا اندراج بطور طعیب کیا گیا۔ سپرٹنڈنٹ ہند بخش ہمارا دستخط کیا۔ دو ہمیں مختلف راہداریوں سے گزرتا "ماڑی" پر لے گیا۔ یہ جگہ نسبتاً اونچی تھی اور یہاں سے پوری جیل کا نظارہ صاف دکھائی دیتا تھا۔
ماڑی پر دو چھوٹے چھوٹے احاطے بنے ہوئے تھے۔ اندہ بخش نے ایک احاطے کی کڑی کھائی، پھر آواز لگائی:
"فتح محمد سائیں.... پوہا کھول"

کچھ دیر بعد ایک سفتری نے دروازہ کھولا۔ سپرٹنڈنٹ نے جانے اس کے کان میں کیا "خپ خپ" کی دو ہمیں ساتھ لئے وسیع احاطے سے گزرا۔ ایک دوسرے گھن میں لے آیا۔ یہاں دو کوٹھڑیوں کے سامنے ایک خوبصورت باغیچہ تھا۔ چاندنی رات میں فضاء مونتے کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ باغیچے کی ایک جانب کچھ چار پائیاں اور کرسیاں لگی تھیں۔ یہ جگہ کسی غریب کسان کے ڈیرے سے مشابہ تھی۔
چار پائیاں پر بیٹھے اب ہم ماسٹر تاج الدین انصاری کی داستان امیری سن رہے تھے:

"جیل گاڑیوں نے ہمیں کراچی سے اٹھایا اور حیدر آباد جیل میں لا پھینکا.... میری صحت تین چار روز پہلے سے خراب تھی.... کراچی سے حیدر آباد کے سفر نے اور زیادہ مضمحل کر دیا۔ جیل پہنچتے ہی ہمیں کوٹھڑیوں میں بند کر کے تالے ڈال دیے گئے.... رات جاتے مونتے کت کی.... صبح سویرے کوٹھڑیاں کھلیں تو ہم ملا کر سٹھر جانے والے آٹھ نظر بند اپنا سا باندھ لیں.... ہمارے پیرس کی لاری انتظار کر رہی ہے!!!.....

خیر جلدی جلدی آئے۔ وضو کیا اور آخری بار ایک ساتھ نماز فجر پڑا کی۔

ہجرتوں کی جہس میں اب ہجرتی قوش بھی شامل ہو رہی تھی۔ ہمارا دست پر اب دوستانہ تھا.... 1934ء سے ہم فتح ہنوت کاظم اٹھائے ساتھ ساتھ چل رہے تھے.... آج یہ ساتھ بھی چھوٹ رہا تھا۔ زندگی اور موت کا بھی کچھ اعتبار نہ تھا.... حکومت سے کم از کم چھانسی کی امید ہی رکھی جاسکتی تھی۔ ہم ایک دوسرے کی سبقت کن اکھیروں سے بھاگتے ہوئے یہاں تک مسکراہٹیں تلاش کرنے لگے.... ٹھکرال بھجھ جائے تو بناد نہیں کب تک ساتھ دیتی ہیں!!!....

سید ابولحسنات، سید مظفر حسین قسیمی اور صاحبزادہ سید فیض الحسن ہم سے بغل گیر ہوئے.... ان احباب کو سکھر جیل بھیجا جا رہا تھا.... مظفر قسیمی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے.... ہم تسلی دینے کے سوا اور کر بھی کیا کچھ تھے۔ ہمارے بہادر سردار اور مددگاروں کے رفیق سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی ایک ٹھنڈی سانس لے کر اٹھے.... میرے قدم لڑکھڑکے تھے اور حوصلہ جواب دے چکا تھا.... لیکن شاہ صاحب تو عزم و ہمت کا پہاڑ تھے۔ میرے قریب آئے اور مسکرا کر کہا:

"اوہو!!! ضروری کام تو ہم بھول ہی گئے.... خضر و ہم قہار سے لئے ایک آخری چٹان لگاتے ہیں" !!!

انتہائی خوبصورتی سے جزایات کے پھرے ہوئے سمندر کا رخ موزنا شکلہ صاحب پر تمام ہے سو وزیر اب کچھ بڑبڑاتے ہوئے ایک پوٹلی سے سامان نکال کر میرے لئے چٹان بنانے لگے.... سید زبیر سے آخری چٹان وصول کرتے ہی میں نے معافہ کیا، فی جان اللہ... فی جان اللہ کی صدا بلند ہوئی اور ہمارا کارواں دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔

سادات کا قافلہ ہم سے جدا ہو کر جیل گیٹ کی طرف چل دیا اور ہم حسرت بھری نظروں سے دیکھنے ہی رہ گئے۔

اک آدھل سے نکل، پچا بھو جگر سے

شاید وہ جا رہے ہیں چھپ کر مری نظر سے

وہ جانتے تو ہوں گے مجبوریاں ہماری

ہم جن کو دیکھتے ہیں حسرت بھری نظر سے

اس ملک میں سادات کا روپ دھار کر جادو حشمت سمیٹنے والے تو بہت ہیں.... آل رسول کی بھتری چٹان کرندرانوں اور شیرینیوں پر بھینسنے والوں کی بھی کمی نہیں.... لیکن تانا کریم ختم الملک سلطان محمد ظفر کی تاسوس کے لئے.... رسم شبیری ادا کرنے والے سید بس گئے چنے ہی رہ گئے ہیں!!!

تین روز بعد ہمارا انہر دار یہ خبر لایا کہ ہمارے لئے ایک خاص احاطے میں بند و بست ہو چکا ہے۔ شام کو وارڈن نے اطلاع دی کہ اسباب اٹھا لیجئے، آپ کی کوٹھی تہہ کی جا رہی ہے۔ ہم سامان اٹھا کر چل پڑے.... وہ ہمیں مختلف راہداریوں سے گزارا اس احاطے میں لے آیا جہاں وہ کوٹھڑیاں ہماری منتظر تھیں۔ پچھواڑے میں ایک فصل خانہ اور لیٹرین کا انتظام بھی تھا۔ یہ جگہ کچھ بہتر تھی۔ قہرور دیش برہاں درویش، میں اور مولانا نیاز احمد میاؤں ایک کوٹھڑی میں بند ہو گئے اور مولانا لال حسین اختر دوسری میں قبضہ جما کر بیٹھ گئے!!!

عموماً سیاسی قیدیوں کو جیل میں اسے کلاس میا کی جاتی ہے.... کم از کم انگریز کے دور میں یہی رواج تھا۔ لیکن اسلامی ملک کی خاص مسلمان سرکار نے ہمیں سی کلاس میں رکھنے کا حکم صادر فرمایا تھا.... طبیعت یہاں سونے کے واسطے درویشوں کی بھائے پٹنگ میٹا کئے گئے، جنہیں تختہ شامی سمجھ کر ہم لیتے گئے!!!

ہم تین نظر بندوں پر سات پہرے دار متعین ہیں۔ ان کی نگرانی ایک جعدہ کرتا ہے!!!

سی کلاس کے قیدیوں کا کھانا بھی کمال کا ہے.... چاول کی سخت روٹی کہ کسی کے سر میں مار دو تو کھوٹی پھٹ جائے، ساتھ پانی میں تیرتی ہوئی دال کہ جسے پی کر نہ پیاس بجھتی ہے نہ بھوک مٹتی ہے.... میری صحت تیزی سے گرنا شروع ہو گئی۔ اور ساتھ ساتھ دانتوں میں تکلیف بھی شروع ہو گئی.... کبھی کبھار ایک مینا قسم کا ڈاکٹر آتا اور ہماری طبیعت چیک کر کے چلا جاتا۔ کمزوری زیادہ غالب ہوئی تو ڈاکٹر نے

کمال فیاضی سے ایک چالی دو دو ٹکڑے بنائے۔۔۔۔۔ میں چائے اور پان کا سیاتھا۔۔۔۔۔ یہاں آکر طبیعت درست ہو گئی۔۔۔۔۔ ان صوفیوں کے باوجود ان اخبار یہاں بلاناغہ میا کیا جاتا تھا!!!.....

قید تو ہم نے برطانوی دور میں بھی بردہا کائی تھی۔۔۔۔۔ مگر اس دور میں اتنی سبک دہی نہ تھی۔۔۔۔۔ وہ لوگ قانون کے مطابق پکڑتے، مضابطے کے مطابق مزاد دیتے اور شریعوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ کافر عسکرانوں اور آج کے مسلمان عسکرانوں میں کیا فرق ہے ہمیں یہاں آکر معلوم ہوا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے صرف چھ سال پہلے اللہ اللہ کا نعرہ لگا کر ایک اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی تھی۔۔۔۔۔ آج اسی مملکت میں قسم نبوت کا نعرہ لگانے سے بڑا کوئی جرم نہ تھا۔ ہم یہ اللہ کا خاص کرم رہا کہ اس بدسلوکی کے باوجود طبیعت میں کوئی عیب نہ آئی۔۔۔۔۔ اس قید و بند نے ہمارے اردوں میں اور زیادہ جنگلی پیدا کر دی !!!.....

ایک روز صبح سویرے جب ہمارے پہرے دار بدل رہے تھے تو احاطے سے کچھ اجنبی آوازیں سنائی دیں۔۔۔۔۔ میں کوٹھڑی سے باہر نکلا تو ایک ہارٹیش لوجوان قیدی کو دیکھا جس کے ساتھ دو سپاہی تھے۔۔۔۔۔ شاید وہ اسے غسل و حاجت کے لئے ہمارے واش روم میں لانے تھے۔۔۔۔۔ مجھے یہ لوجوان کچھ جانا پہچانا سا لگا لیکن حافظے پر زور دینے کے باوجود نام یاد نہ آ سکا !!!.....

جب وہ غسل سے فارغ ہو کر واپس جانے لگا تو میں نے سپاہیوں سے پوچھا "یہ بندہ کون ہے؟"

"ملاسائیں آپ اس ماٹروں کو نہیں جانتے؟ بہت وڈا حائل ہے سائیں" !!!.....

"اوہ۔۔۔۔۔ تو یہ ہے بھوت ڈاکو۔۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔۔ !!!" میں نے بے ساختہ کہا۔

مجھے یاد آگیا کہ کچھ روز پہلے ڈان اخبار میں اس کی تصویر اور گرفتاری کی خبر بھی تھی۔ بھوت نے مز کر میری طرف دیکھا تو میں نے مسکرا کر کہا:

"کیسے ہو لڑا کر؟ ہمیں آ جاناں ہمارے ساتھ !!!"

اس کے چہرے پر ایک قحطی مسکراہٹ ابھری اور وہ خاموشی سے سر ہلاتے ہوئے چلا گیا۔

حیدر آباد سینٹر جیل ان دنوں خطرناک لوگوں کا سینٹر تھا۔ بھوت کو جیل کے درمیانی حصے میں نہایت سخت پہرے میں رکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اولپنڈی سازش کیس کے مجرم بھی یہیں رکھے گئے تھے۔

پاکستان کو دنیا کے نقشے پر ابھرے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ اولپنڈی کے ایک گھر میں دو میجر جنرل دو بریگیڈیئر، ایک ایئر کموڈور، ایک کرنل اور کچھ صحافی اکٹھے ہوئے۔۔۔۔۔ گما گرم بحث دلائل اور جوابی دلائل سگڑیوں کے دھوئیں اور چائے کی بھاپ میں مدغم ہونے لگے۔۔۔۔۔ یہ حضرات وزیراعظم لیاقت علی خان کی امریکہ نواز پالیسی سے براہینتہ تھے اور روس کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔۔۔۔۔ آٹھ گھنٹوں پر محیط اس نشست میں وزیراعظم لیاقت علی خان کا تختہ الٹ کر ملک میں روس نواز سوشلسٹ حکومت قائم کرنے پر غور کیا گیا۔۔۔۔۔ حکم رسانی

کہ اس سازش کی بھینک حکومت کے کان میں بڑی گوریوں میں طائفے کو بروقت دھر لیا گیا۔۔۔۔۔ ان میں جنرل اکبر اور کچھ دیگر آرمی آفیسرز کے علاوہ روزنامہ امروز کے ایڈیٹر اور مشہور شاعر فیض احمد فیض بھی شامل تھے۔!!!!.....

اگلے روز آنکھ کھلی تو احاطے میں بھگدڑ مچنی ہوئی تھی۔

ہر طرف شور برپا تھا۔۔۔ "صاحب آگئے... صاحب آگئے" !!!

میں نے کو غزنی سے سر نکال کر پوچھا:

"بھئی کون سے صاحب تشریف لائے ہیں۔۔۔۔۔؟؟"

"انسپکٹر جنرل صاحب دور سے ہی ہیں۔۔۔۔۔" باہر سے کسی نے آواز لگائی۔

جیل میں اپنی کشتی پر سیشن بج آجائے تو سب الٹ ہو جاتے ہیں۔ انسپکٹر جنرل کی آمد پر تو اچھا خاصا قاشا برپا ہو گیا۔ کہیں جھاز دو یا چار ہاتھا تو کہیں فصل خالوں کی صفائیاں ہو رہی تھیں۔ کہیں غیر واردوں اور قیدیوں کو نئے سوٹ پہننے جارہے تھے تو کہیں داران اور سفتری اپنے بوٹ چمکا رہے تھے۔ غرض کہ ہر طرف ہنسنے کی صدا تھی۔

ہم واپس آکر اپنے چنگ پر لیٹ گئے۔ انسپکٹر کی آمد پر قیدی بہت سی توہمات دہشت کر لیتے ہیں۔ کسی کی مسحت معاف ہو جاتی ہے تو کسی کو رہائی مل جاتی ہے۔ لیکن ہم غمخیز سیاست قیدی، جنہیں کوٹھڑوں میں بند کر کے چابی حکومت اپنی جیب میں رکھ لیتی ہے۔ کوئی آئے۔ کوئی جائے، ہمیں اس سے کیا!!!

کھینچے بعد ایک سفتری بھاگا ہوا اندر آیا اور بے ترتیب مانتوں میں بولا۔۔۔

صاحب ماری پہ آگیا ہے۔۔۔۔۔ اب تو آنکھ جالاکھا سائیں !!!

میں اور مولانا لدھیانوی آٹھ کھڑے ہوئے۔ لال حسین اختر بھی اپنی کوٹھڑی سے باہر نکل آئے۔ تھوڑی سی دیر بعد ملحقہ احاطے سے ایک نہایت ہی شریف اور پھلے مانس شخص برآمد ہوا پھر بڑی کڑو فر سے چلتا ہوا تیارے قریب آیا:

"اسلام خشک !!!... مولوی صاحبان کیسے مزاج ہیں؟؟؟"

میں سمجھا کوئی معزز جیل وزیر ہے سو محوی لہجہ میں جواب دیا:

"وعلیکم سلام بھائی... ٹھیک تھا کہ... آپ سنا؟؟؟"

پھر ان صاحب کے پیچھے مولوب جیل افسران کی قطار برآمد ہوئی تو اندازہ ہوا کہ یہی انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات ہیں۔ انہوں نے ہادی ہادی

ہم سب سے مصافحہ کیا اور یوں:

"آپ حضرات کو کوئی تکلیف، مشکل ہے جیسی؟"

میں نے کہا "ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے... ہم بہت خوش ہیں"

وہ بار بار اصرار کرتے رہے کہ ہم کچھ نہ کچھ پریشانی نہیں ضرور بتائیں۔ لیکن ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ حکومت سے کوئی رعایت طلب نہیں کرنی۔ صبر اور شکر کے ساتھ اللہ کے بھروسے ہر وقت گزارنا ہے۔

کافی بھرار کے باوجود ہم نے کوئی مسئلہ پیش نہ کیا تو دو خاموش کھڑے ہو گئے، پھر باہر احاطے میں جا کر گناؤں پیشہ نظر ڈالنے لگے، اور آخر قسمل خانے کی طرف چلے گئے۔

کچھ ہی دیر بعد انہوں نے جیل سپریڈنٹ کو آواز دی۔

"اللہ بخش اور آؤ.... لیٹرین کا دروازہ کدھر ہے؟"

"سامنے والے احوال کو پوچھا ہے... دو چار روز تک لگ جائے گا دروازہ" !!!

"کل تک ضرور لگ جانا چاہئے.... کچھ تو احساس کرو... مولوی صاحبان ہیں.... بے پروا کی ہوتی ہے" !!!

اس کے بعد دو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

"اور سنائیں.... کھانا وغیرہ کیسے مل رہا ہے؟"

میں نے کہا "اللہ کا شکر ہے، ہمیں کوئی شکایت نہیں" !!!

جاتے جاتے وہ دروازے پر جا کر ایک بار پھر ہماری طرف مزے اور کہا:

"مولوی صاحبان.... کچھ تو خدمت کا موقع دیا ہوتا...."

میں نے کہا "اللہ کا شکر ہے.... ہمیں کوئی تکلیف نہیں.... اللہ تعالیٰ آپ کو اخلاق کی بلند یوں پر فائز رکھے" !!!

وہ بار بار ہماری طرف دیکھتے رہے کہ شاید ہم کوئی مطالبہ پیش کریں لیکن ہم ان صوفیوں پر شاکر تھے جو غمِ نبوت کے صدمے ہمارے نصیب میں لکھی گئی تھیں۔

دن بونہی گزرتے رہے۔ زندگی جبر مسلسل کی طرح کشتی چلی گئی۔ صبح سویرے کو غزنیوں کے آگے کھڑا، ڈان اخبار کے ساتھ چاول کی پتھر لی روٹی کھانا اور دال کا شربت جیٹا ہون کو تھوڑی دیر کے لئے باہر گرم احاطے میں جا بیٹھنا پھر سر شام تھی ہوئی اندھیری کو غزنیوں میں بند ہو جانا.... یہی ہمارا معمول تھا۔

چاول کی روٹی کھانے کی وجہ سے ہم سب دانتوں کی تکلیف کا شکار ہونے لگے۔ مجھے بلڈریش کا عارضہ بھی تھا۔ اندھیری کو غزنی میں

تکبر، اہٹ اور تکلیف سے کر رہی تھی۔ لیکن ان حالات میں بھی ہا جماعت نمازوں، قرآن اور ذکر و تلاوت سے ایک لمحے کے لئے غافل نہ ہوئے۔ اللہ کی بارگاہ میں جب بھی ہاتھ اٹھائے بیٹھ گئے، شکر ہی زبان سے نکلا، کبھی گھڑنہ کیا کہ "عشق رسول ﷺ" کا یہی تقاضا تھا۔

پندرہ روز بعد اسپیکر جنرل دو بار تشریف لائے۔

اگرچہ ان سے واضحیت ہو چکی تھی، لیکن اس کے باوجود ہم نے ان کے رویہ و کسی قسم کا گلہ یا شکوک پیش نہ کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا صبر سے کام لینا اور کچھ نہ کہنا، صرف میں بات کر دوں گا۔

علیک سلیم کے بعد وہ کمرے میں تشریف لائے۔ صفائی ستھرائی دیکھ کر خوش ہوئے پھر کہا کہ یہاں کہاں ہیں؟ ہم نے حیرت سے کہا "کیسی کہیاں؟"

انہوں نے فوراً سپرینٹنڈنٹ کو آواز دی:

"اللہ بخش.... ابھی اور اسی وقت مولوی صاحبان کے لئے میز اور کرسیاں منگواؤ.... میں یہیں کھڑا ہوں.... اور آئینہ داسی غفلت نہیں ہونی چاہئے"

سپاہی کرسیاں لینے دوڑ پڑے۔ اسپیکر صاحب غسل خانے کی طرف گئے اور ہر چیز کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ نگڑی کے نئے دروازے کو ٹھوک بھا کر دیکھا۔ اس دوران ہم نے ایک چارپائی گھسیٹ کر محکمہ میں رکھی اور کہا:

"جنرل صاحب تشریف رکھیں !!!"

دوہمہ گئے۔ کچھ دیر بعد دھڑکی باتیں کرتے رہے پھر بولے:

"دن بھر کیا مصروفیت ہوتی ہیں آپ حضرات کی؟"

میں نے کہا نماز پڑھتے ہیں، ملاوت کرتے ہیں، ذکر و تلاوت کرتے ہیں.... اور ہم کر بھی کیا کئے ہیں۔

فرمانے لگے صحت قائم رکھنے کے لئے ہلکی پھلکی ورزش بھی ہونی چاہئے۔

میں نے کہا آپ ہی بھر کے ورزش کیجئے.... ہم تو نظر بند ہیں۔

وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر کہنے لگے کیوں نہ اس احاطے میں ایک باغیچہ بنایا جائے.... کھدائی کا کام مشغولی کریں گے... آپ صرف عمرانی کیجئے گا.... ہلکی پھلکی مصروفیت بھی رہے گی اور سبزی ترکاری بھی خوب اگے گی۔

یہ کام ہماری منشاء کے مطابق تھا۔ چنانچہ فوراً مسخروں کو حکم ہوا کہ احاطے کی پتھرلی زمین کھود کر اس میں تازہ مٹی بھری جائے اور باغیچہ بنانا شروع کیا جائے۔

تھوڑی دیر میں ہمارا فرنیچر بھی آگیا۔ جس میں کرسیاں میز اور سالان رکھنے کے واسطے ڈولیاں شامل تھیں۔

اگلے نصف گھنٹے میں جنرل صاحب کافی بے تکلف ہو چکے تھے۔

جب رخصت ہونے لگے تو بولے:

”آپ حضرات خدمت کا موقع ہی نہیں دیتے.... کوئی تکلیف، کوئی مسئلہ، کچھ تو بتاؤ؟“

مولانا مال حسین اختر صبر نہ کر سکے اور ایسے پھٹے کہ لیا ہی ڈیوٹی:

”صاحب... بس ایک تکلیف ہے.... حکومت نے شہریت تحریک کی پاداش میں ہمیں سی کا اس میں رکھا.... کوئی گلہ نہیں....

ہمارے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا.... کوئی غم نہیں.... ہمارے ساتھ جو چارے سلوک کیجئے..... ہم تلخی برداشت کریں

گے.... لیکن خدا اور ماسٹر صاحب پر رحم کھائیے.... ان کی عمر کا خیال کیجئے.... بلڈ پریشر کے مریض کو رات بھر اندھیری کوٹری میں رکھنے

کی کیا تک ہے؟.... یہ چاول کی روٹی چبا نہیں سکتے.... ایک ماہ سے دال پی پی کر گزرا کر رہے ہیں.... اگر قسطوں میں قتل کرنا ہے تو ہم

حاضر ہیں.... ماسٹر صاحب کو تو چھوڑ دیجئے ”!!!“

جنرل صاحب یہ سن کر ہٹا بکلا دگئے۔ چہرے پر ایک رنگ آئے ایک چائے۔ پہلے انہوں نے سیرینٹ انڈسٹریز کو جھاڑا پھر پاس

کھڑے ڈاکٹر کو ڈانٹ پلائی۔ اس کے بعد کہا:

”بھدرا بھدرا غفلت ہوئی.... میں نے سیرینٹ کو آپ حضرات کا خاص خیال رکھنے کا کہا تھا.... آپ حضرات کے چہروں پر اطمینان اور

خوشی دیکھ کر یہی سمجھا ہا کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے.... مجھے معاف کر دیجئے ”!!!“

اگلے روز سے چاول کی روٹی رخصت ہوئی اور گندم کی روٹی بھال ہو گئی کوررات کو ہم کھلے احاطے میں چار پائیاں ڈال کر تیار ہوا میں سونے

لگے۔

ایک روز صبح شام ڈیوڑھی پہ شور سنا دی۔

باہر نکلے تو ساتھ والے احاطے میں کوئی اونچی اونچی آواز میں سفتری سے لڑ رہا تھا۔

”دیکھ پانڈے.... ہمارا رستہ چھوڑو.... ہم کو قتل کی دیواریں نہیں روک سکتیں“

”سمجھو سائیں... تم کو ڈنوشلا کا واسطہ.... کیوں ہمارا نوکری برہا کر رہا ہے.... واپس چلا جا“

"ہم کہتا ہوں دروازہ کھول سائلے.... نہیں تو تھا کرتیر اسر کھول دے گا" !!! ...
یہ بحث جاری تھی کہ میں نے آواز لگائی:

"بھائی کیا مسئلہ ہے؟ کس سے لڑ رہے ہو؟... کون ہے نوکر؟"

"ہم بھوت ہے.... بھوت ڈاکو !!!!" دروازے کے پیچھے سے آواز آئی۔

"بھوت.....؟؟؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟؟؟"

"ہم کو تمہارے پاس آنا ہے مولیٰ صاحب.... یہ سالانہ جلسہ والد اور واجہ نہیں کھولے" ...

بھوت ڈاکو ہماری پیرگ کے ساتھ والے احاطے میں شفٹ ہو چکا تھا۔ ٹیل سرکار نے اس کی جہت تبدیل کر دی تھی۔ دونوں احاطوں کے بیچ ایک دروازہ تھا۔ اب وہ ہمارے پاس آنے کے لئے ستری سے لڑ رہا تھا۔

"دیکھ بھوت" میں نے کہا۔ "یوں لڑتا ہاگل ٹھیک نہیں.... ہم بھی تمہاری طرف قیدی ہیں.... ہم کل سپرینٹنڈنٹ سے بات کریں گے۔۔۔ آپ کو ہم سے ملنے کی اجازت دے دیا"

ٹیل سپرینٹنڈنٹ شیخ اللہ بخش ایک شریف انسان تھے۔ اگلے ہی روز ہماری کوٹھڑی میں ٹکریف لائے تو ہم نے ان سے بات کی۔

"اڑے تو بے کرو مولیٰ صاحبیں.....!! دوا خطرناک دوا مل رہی ہے.... ادویہ سے حذر.... آپ لوگ پاک صاف رہتے ہو.... نماز پڑھتے ہو... کمرہ پید کرے گا" !!!

"مانا کہ ڈاکو ہے.... لیکن ایک انسان تو ہے.... اسے ہمارے پاس آنے دو.... کیا مظلوم اللہ اسے گلہ پاک کی نعمت بخش دے اور وہ ایک اچھا انسان بن جائے"

"سائیں بڑی اچھی بات ہے.... بھوت اور گلہ؟؟؟"

"ہم کو شش تو کر سکتے ہیں.... باقی عداوت تو سب نے دینی ہے" ...

سپرینٹنڈنٹ سوچ میں پڑ گیا پھر بولا:

"سائیں سرکاری طور پر تو ہم اجازت نہیں دے سکتا.... مگر تمہاری بات کا تدارک کے مجھ پر بھی نہیں ہونا چاہتا.... ہم کو شش کرے گا کہ چوری چھپے ملاقات ہو جائے" ...

اگلے روز بھوت کا وارڈن تبدیل کر کے نسبتاً ایک نرم مزاج سنتری لکھو یا کیا۔ اس نے روزانہ کچھ دیر بھوت کو ہمارے پاس آنے کی

اجازت دے دی۔ اور یوں ہماری کہانی میں ایک نیا کردار شامل ہو گیا.... بھوت !!!

بھوت کسی زمانے میں ایک بہادر سپاہی تھا۔ ہندوستان میں کانگریس ماگنیز کے کاسہ لیس جاگیرداروں اور نوابوں کے خلاف جنگی عوامی

تحریک بن کر اٹھی تو جاگیر داروں کو اپنا مستقبل ڈوبتا نظر آیا۔ انہوں نے کانگریس کے خلاف محاذ کھول دیا۔ نہیں بھوبت جیسے بہادر اور جڑی افرو کی اشد ضرورت تھی۔

بھوبت کے دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ کانگریس خیا لوگوں کی جماعت ہے جو گاندھی ٹوپی اور کھد رچمن کر جاگیر داروں کو شور مچاتا چاہتی ہے۔ اس سوچ نے بھوبت کے دل میں دو چنگری بھری کہ وہ اپنی سرکاری رائلٹی سونٹ کر کانگریس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ بھوبت کا نشانہ بہت اچھا تھا اور رائلٹی اس کے لئے محض ایک کھلونا تھی۔

بہت ہی جلد بھوبت ڈاکو کانگریسیوں کے لئے وحشت کی علامت بن گیا۔ وہ کیلا کسی بھی چلے میں گھس گھس آتا اور اسے الٹا کر رکھ دیتا۔ ایک بار تو وہ رائلٹی اٹھائے سیدھا سٹیج پر چڑھ گیا۔ اس وقت ایک کانگریسی لیڈر تقرر کر رہا تھا۔ ہر طرف سراپکی پھیل گئی۔ لیڈر سیم کر ایک طرف جا کھڑا ہوا اور بھوبت نے چندے کا بکرا اٹھا کر عوام کے سامنے آگے دیا۔

وہ کانگریس کو چند دینے والے سٹھوں کے گھروں میں گھس کر انہیں لوٹا۔ یہ چور لوگوں میں تقسیم کر دیتا۔ اس کی بہادری کے قہقہے دور دور تک پھیل گئے۔ گاؤں کے بڑے بوڑھے شام کو چوہاں میں بیٹھ کر بھوبت کی کہانیاں سنایا کرتے تھے۔

پولیس نے ہار ہاس کا چچا کہا لیکن بھوبت ہر بار جل دے کر نکل جاتا۔ وہ جس گاؤں میں داخل ہو جاہوگ سہم کر دروازے بند کر لیتے۔ بھوبت کے ساتھی شراب کے رسیا تھے۔ ایک ایک کر کے پولیس مقابلوں میں مارے گئے لیکن بھوبت شراب اور عورت سے ہمیشہ دور رہتا تھا۔ ایک طویل مدت تک کانگریس اور منہ دستانی پولیس کو ناکوں چنے چبوانے کے بعد ہلا کر ایک پولیس مقابلے میں زندہ بچا گیا۔ لیکن اس وقت تک بنوارا ہو چکا تھا۔

بھوبت کو حیدر آباد جیل میں بند کر دیا گیا اور ”موزڈاکو“ ہونے کی وجہ سے اسے کاس بھی دے دی گئی۔ ایک بار چچی سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

آج وہ ہمارے پاس رونق جمائے بیٹھا تھا۔

ہمیں جیل خانے میں فرصت ہی فرصت تھی۔ بھوبت ہمارے لئے ایک ناول کی حیثیت رکھتا تھا جسے ہم روز پڑھتے تھے۔ ہر روز وہ اپنی بہادری کا کوئی نیا قصہ سناتا۔ کبھی کبھی میں قہقہے کے چھ سنتی سر پر آن کھڑا ہوتا، لیکن بھوبت اٹھنے کو تیار ہی نہ ہوتا۔ آخر ہم ہی منت سماجت کرتے اور اگلی ملاقات کا وعدہ کر کے اسے رخصت کرتے۔ اتفاق سے وہ جب بھی ہمارے پاس آتا ہم نماز میں مشغول ہوتے۔ وہ پٹنگ پر بالوب بیٹھ جاتا اور بڑے غور اور عقیدت سے ہمیں دیکھتا رہتا۔ ہم نے نہ تو بھوبت کو کبھی تبلیغ کی اور نہ ہی مذہب پر ہماری گفتگو ہوئی۔

ایک دن وہ اچانک کہ اٹھا ”مولوی صاحب ہم کو بھی نماز سکھا دو ناں.... ہمارا بہت جی کرتا ہے“ !!!

میں نے کہا ”ٹھا کر!! یہ عقیدے کی بات ہے.... پہلے عقیدہ آتا ہے پھر نماز“

وہ سادگی سے بولا ”وہ کیسے مولیٰ ساب؟“

پھر مولانا لال حسین اختر نے اسے آہستہ آہستہ اسلام کا تعارف کرانا شروع کیا۔ وہ جاہلوں کی طرح سوال کرتا اور اچھلندوں کی طرح غور سے ایک ایک بات سنتا۔ وہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگا۔ واڑھی اس نے پہلے ہی رکھی ہوئی تھی۔

میں نے کہا ”ٹھا کر اسلام بھادرو لوگوں کا مذہب ہے۔ بھادروں کے دل میں خود بخود اترتا ہے۔۔۔ اور بزدلوں کے حلق سے کبھی نہیں اترتا“ ایک دن صبح ہی صبح بھوت سے ملاقات ہوئی تو وہ اپنی واڑھی صاف کر چکا تھا۔

میں نے کہا ”ٹھا کر یہ کیا ظلم کیا؟ واڑھی تو عزت کی علامت ہوتی ہے“ !!! ...

وہ افسردگی سے بولا ”مولیٰ ساب۔۔۔ اب حجت ہی کھترے میں ہے۔۔۔ دشمن جب بے گیرتی پہ اترتا ہے تو پہلے واڑھی کھلا س کرتا ہے۔۔۔ پھر منڈی کاٹتا ہے“

”خبر ہوا کیا ہے؟ کون ہے تمہارا دشمن؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”پاکستانی سرکار مجھے بھارت کے حوالے کرنے کا کارنامہ کر رہی ہے۔۔۔ اور بھارت میں کانگریس کاراج ہے۔۔۔ مجھے یہ پھیلہ منور ناہیں۔۔۔ ہم آتما پتیا کر لے گا لیکن مالی کانگریس کو آتما سہار پن کبھی نہیں کرے گا“

میں نے کہا ”اس وجہ کو دل سے نکال دو۔۔۔ اللہ نے چاہا تو تمہیں کوئی حندوستان نہیں بھیجے گا۔۔۔ تم یہیں رہو گے۔۔۔ اسی ملک میں۔۔۔ ایک شریف شہری بن کر۔۔۔ انشاء اللہ“ !!!

کچھ ہی روز بعد اس کی ہرک تہد مل کر دی گئی۔ لیکن جو روپ اس کے من میں جل چکا تھا، پھر کبھی نہ بجھ سکا۔ وہ بے حال تھا تو تھا ہی۔ فی کس میں جا کر اسلام کا باقاعدہ مطالعہ بھی کرنے لگا۔ ہم نے بھی دعائی اور شاید اس نے بھی رب تعالیٰ کو پکارا ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آسانی پیدا فرمادی۔ حکومت ہندوستان نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حکومت پاکستان نے اس کی رہائی کے احکامات جاری کر دیے۔

ہماری بھوت سے پھر کبھی ملاقات نہ ہوئی۔ طبیعت سیرینت شیخ اللہ بخش کی زبانی معلوم ہوا کہ جیل خانے سے باہر جاتے ہی اس نے مولانا محمد یوسف گلگتوی کے ہاتھ پر باقاعدہ اسلام قبول کیا اور ایک شریف شہری بن کر گھسیڑو زگار کرنے لگا۔

جس باغیچے کو ہم نے سینچا تھا، آخر ایک دن ہیرا بھرا ہو گیا۔

احاطے کی دیواروں پر سرسبز راہ نکل لہر لہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں ٹینڈے، کدو، گریٹے اور بھنڈی توری لہلہانے لگے۔ ہم سے پہلے یہاں نیم کے دو ٹنڈے درخت تھے۔ احاطے میں سائے کا نام و نکال تک نہ تھا۔ برسات آئی تو ہم نے مشقیوں سے بھر لی زمین کھدوا کر تین بڑے بڑے کھنڈے بنائے۔ باہر سے نیم کے تین پودے منگوائے اور انہیں اس نیت سے لگایا کہ چلو ہماری تو دھوپ میں کٹ ہی گی، کل کوئی اور تو نیم کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ سکے۔

ایک روز ہم باغ کی گودائی میں مصروف تھے کہ اچانک پیچھے سے آواز آئی۔

”واہا سٹر صاحب!!! آپ نے تو جیل کو گل و گلزار بنا دیا“

مڑ کر دیکھا تو جیل اسپیکٹر صاحب کھڑے مسکرا رہے تھے۔

میں نے کہا ”مقررہ کی بات ہے.... جن ہاتھوں میں کل قلم تھا، قدرت نے آج نیلے چھو دیا“....

”جو کچھ آپ نے کیا، واقعی بے مثال ہے.... کاش ہم آپ کو اس کا کچھ صلہ دے سکتے“ وہ میرے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔

میں نے بھر لی زمین پر نیلے دھرتے ہوئے کہا:

”صاحب!!! ہمیں تو مسلم لیگ سے کوئی صلہ چاہئے، نہ ہی جیل حکام سے کوئی رعایت.... ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہم

کڑی کل کسی اور پر نہ جیتے.... مجبور قیدی بن درختوں کے سائے میں آرام کر سکیں.... گرمیوں میں لوگ اپنے احوال و عمر تک چھاؤں

میں ہاندہ دیتے ہیں.... لیکن جیل انہی تک ہے جہاں انسان، انسان کا دشمن ہے.... جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا ہے یہاں.... باہر

تھیں تو دھوپ کھاتی ہے... اندر جائیں تو کوٹھری.... سینے کو ابلا ہوا اپنی ہے.... قیدی مجبور ہے اور حکمران مقبور.... جیل میں اسے کلاس

کے مزے لوٹنے والے سیاستدانوں کو کیا معلوم کہ می کلاس میں السیت کس بھاؤ یکہ رہی ہے.... پھر باہر آکر موسم کے سامنے ڈینگیں

مارتے ہیں کہ صاحب ہم نے تو جیل میں کافی ہیں.... جیسے حاتی کئے مچنے کے قفسے ساتے ہیں.... اور موسم بے چاری بھان اللہ ماشاء اللہ

کرتی رہ جاتی ہے“

جیلر صاحب کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے ”آپ ایک کچھ سمجھتی ہیں، قیدیوں کی اصلاح پر ایک کتاب لکھ دیجئے، ہم اسے شائع کر دیں

گے“....

میں نے مسکرا کر کہا ”فی الحال تو لکھنا سمجھتی ہوں، جس رات کراچی سے ہمیں گرفتار کیا گیا، ہمارا چشمہ وہیں رہ گیا تھا“

”آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا، ہم کل ہی آپ کو چشمہ لگو بیٹھتے ہیں“!!...

اگلے ہی روز انہوں نے باہر سے ایک چشمہ ٹیکر اور نظر کے ڈاکٹر کو بلوایا۔ ڈاکٹر صاحب نے کورٹ روم میں میا پودے تان کر دکان بجا

لی۔ پھر ہمیں بھی بلوایا گیا۔

وہاں کچھ اور قیدی بھی ہادی کے منتظر تھے۔ کچھ انتظار کے بعد ہماری ہادی آئی۔ ڈاکٹر صاحب یورڈ پر نکلے چھوٹے بڑے حروف ہم سے پوچھنے لگے۔ اسی اثناء میں وارڈن ایک اور قیدی کو لیکر اندر داخل ہوا۔

ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہنسنے لگے۔

زبان سے بس اتنا ہی نکل سکا "آپ اور یہاں؟؟"

یہ کرمل فیض صاحب تھے۔ اردو کے مشہور شاعر فیض احمد فیض !!!

فیض کو آپ کیونست کہہ لیتے یا کوئی اور رائے قائم کر لیتے، بہر حال وہ بہت اچھے انسان ہیں..... میں نے انہیں ہمیشہ محمد رداور ملنساری یاد ہے..... بہت سال پہلے تقسیم کے زمانے میں ان سے ملاقات ہوئی تھی..... ان دنوں میں لدھیانہ میں مہاجرین کے ایک کیمپ کا

انچارج تھا اور رات دن مہاجرین کی خدمت میں منسلک رہتا تھا..... ایک روز اچانک معلوم ہوا کہ لاہور سے چھ لوگ آکر کیمپ کا معائنہ

فرمائیں گے..... میں آنے کی تقسیم سے فارغ ہی ہوا تھا کہ فیض صاحب اچانک سامنے آئے اور مجھ سے بغل گیر ہو گئے..... اس وقت

بھی ہماری زبان سے یہی نکلا تھا "آپ اور یہاں.....؟؟؟؟"

بہر حال دو قیدی، جو حکومت کے باغی تھے، آپس میں کیا بات کر سکتے تھے۔ ایک زخم خوردہ مسکراہٹ کا تہا دل ہوا۔ پھر وارڈن کے حوالہ دیکھ کر ہم نے ایک دوسرے سے موند پھیر لیا۔ نظر کا معائنہ کروانے کے وہابی کو غڑی میں تشریف لے گئے اور میں اپنی کو غڑی میں چلا آیا۔

کچھ روز بعد جیل میں ڈسٹنٹ کاچیک اپ ہوا تو فیض صاحب سے وہاں بھی ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ کچھ فونی السران بھی تھے جو راولپنڈی سازش کیس میں قید تھے۔ انہوں نے کہا "ماسٹر صاحب ہم آپ کی تحریک کے سخت مخالف تھے اور اسے ملاؤں کا انتشار سمجھتے رہے۔ لیکن اب ہماری آنکھوں سے بھی وہ ہٹ چکا ہے۔ آج ایک سے بڑھ کر ایک قاریائی ہمارے خلاف جھوٹی گواہیاں دے رہا ہے۔ ہمیں اب معلوم ہوا ہے کہ یہ گروہ پاکستان کے خلاف کس طرح کام کر رہا ہے"

دین داروں اور دنیا داروں میں بس یہی فرق ہوتا ہے۔ دین داروں و سنت کے آئینے میں دوست دشمن کی پہچان رکھتا ہے، اور دنیا دار کے سرے ضرب پڑتی ہے تو اس کی آنکھ کھلتی ہے۔

○-----○

7 اپریل 1953 کی ایک گرم صبح میں فصل خانے میں تھا کہ پیر ساتھیوں نے شور کیا۔

"ماسٹر صاحب !!! جلدی باہر آئیے..... ایک جڑو خبر ہے" !!!.....

میں جیسے نیسے نبا کر باہر نکلا۔

"خیریت تو ہے کیا خبر آئی؟؟"

"خواجہ ناظم الدین کا تختہ الٹ دیا گیا ہے.... اللہ واپس لے لیا جنوں" !!!

آخر دی ہوا جس کا ذرہ تھا سبکی بات ہم خواجہ صاحب کو آخری ملاقات میں بتا کر آئے تھے۔ اصل حکومت تو اللہ رب العزت کی ہے جسے کبھی زوال نہیں۔ حکومتی عہدے انسان کی آزمائش ہوتے ہیں۔ خواجہ صاحب دھرت عظمیٰ کی جس مطلوب کشتی پر سوار تھے اسے اسٹیبلشمنٹ کی بے رحم موجوں نے مین مندر حد میں تھرتھرات کر دیا ہے۔ نام اللہ کا....

کچھ ٹکڑے نے جیت لی مذہبی جڑھی ہوئی

مطلوبہ کشتیوں کو کنارہ نہیں ملا

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ میں اور چاند پوری بڑے انہماک سے ماسٹر حاج الدین انصاری کی داستان سن رہے تھے۔ باہر سے ایک سنتری نے آکر اطلاع دی کہ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا اور خلیفہ صاحب باہر ڈیوڑھی پہن چکے ہیں۔

ہم عشق کے قیدیوں سے گلے مل کر رخصت ہوئے۔ انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات جناب زید احمد یحییٰ ٹیکہ عظیم انسان تھے جنہوں نے ہمارے لئے ایک انتہائی ناممکن کام کو ممکن بنایا تھا۔

تھکے قدموں سے چلتے ہوئے ہم ڈیوڑھی سے نیچے اترے۔ ہماری بائیں جانب جیل کی دوپٹی فصیل تھی اور دائیں طرف قیدیوں کی تاریک کوٹھڑیاں۔ ایک کمزور سابلب راہداری کا اندھیرا دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک کوٹھڑی کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک مترنم آواز نے ہمارے قدم روک لئے اور ہم ایک لادھ کھلی کھڑکی سے کان لگا کر نذر فیض سننے لگے !!!

قلنسوا اس ہے یاد، صبا سے کچھ تو کہو

کہیں تو بہر خدا، آج کا کریار چلے

جو ہم پہ گزری سو گزری، مگر شب بھراں

ہمارے آفتاب تری عاقبت سنوار چلے

مقام فیض کوئی روم میں چھای نہیں

جو کوئے یاد سے نکلے تو سوائے اور چلے

سکھر شہر سے دو میل دور کراچی لاہور روڈ پر ایک نہر بہتی ہے۔

تنگے والا ہمیں اسی نہر کے کنارے آکر کرچلا گیا۔ سورج شرق سے سرنگال رہا تھا۔ ہم پیدل چلتے ہوئے اس قلعہ نما عمارت تک پہنچے جسے "سکھر جیل" کہا جاتا تھا۔

جیل کے دروازے پر کھڑے سنتریوں نے ہمیں دور ہی سے گھورنا شروع کر دیا۔ ہمارے کندھوں پر سفری بیگ تھے اور حالت درویشوں جیسی ہو چکی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہم برہمنوں کا سفر کر کے یہاں پہنچے ہوں۔

رمضان کا مہینہ تھا اور عید کی آمد آمد۔ سکھ اپنی شدید گرمی کے سبب ان دنوں "سٹر" پاتا ہوا تھا۔ 26 اذگرمی فارن ہائیت درجہ حرارت میں حالت یہ تھی کہ اندھ پانی میں ڈال کر دھوپ میں رکھ دو تو پانچ منٹ میں ابل جائے۔

جیل کے سامنے درختوں کا گھنسا یہ تھا۔ ہم نے ہتھ کے ایک بچے پر اپنے بیگ دھرے۔ وہ چار لمبی لمبی سانس لیں، پھر چہرے پر ایک زبردستی کی مسکراہٹ سمائے ہوئے سنتریوں کے پاس تشریف لے گئے۔

"اسلام علیکم ادا.... خوشحال ساگیں!!!" چاند پوری نے آقا کا نام کیا۔

"ہلیا کری آئیں" ایک مرید سیدہ سنتری چاند پوری کو سر ہاتھوں دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"سایں ادھر کچھ مولوی حضرات آئے ہوئے ہیں کاراچی سے.... ہم ان کا ملاقاتی آیا ہے"

"امید ہے آئے یا ہے؟؟؟" سنتری نے پوچھا۔

"لاہور سے"!!!....

"اور یہ طے لوگ تمہارا کیا لگتا ہے؟؟"

"دیکھو بابا ہم صحافی ہیں.... اور جیل کے قیدیوں پر ایک رپورٹ لکھ رہے ہیں"

"دیکھو ساگیں.... ایہ ہر رپورٹر شیونر کا سخت منہائی ہے.... اور کسی طبقے ملاقات کا آرڈر بھی نہیں ہے.... جیل پریذنٹ پرست

ڈاڈا باندھتے ساگیں.... سنتریوں پر غصہ کرتے ہیں بابا"

"چلو پھر جیل پریذنٹ سے ہی ملاقات کر دو" چاند پوری نے کہا۔

"ارے بابا جیل پریذنٹ سانڈوں سانڈوں کو تھوڑی ملتا ہے...."

"ہم سانڈوں نہیں صحافی ہے"

"تم آتسا کرو بابا کہ عید پر آ جاؤں.... ملاقات کر دو تیں گے"

"عید میں تو ابھی ایک ہفتہ ہے سائیں.... ہم اتنا انتظار نہیں کر سکتے.... تم پریذنٹ کو اطلاع دے دو کہ لاہور سے کچھ صفائی آئے ہیں"

"کائے اطلاع دے دوں بابا.... پوری صاب تو چرتی گئے ہوئے ہیں...."

"پوری صاحب کون؟"

"مسٹر کیزر وہ پوری ہے ناں.... وہی جیل کا سپرینٹنڈنٹ ہے"

چاند پوری موجب لٹکانے والی آگئے۔ ہم دونوں پتھر کے پنجے خاموش بیٹھ گئے۔

اس دوران سائیکل پر سوار ایک بابا ہر آیا۔ کوئی پچاس مہینے کا سن، سفید ریش اور ہارے چہرہ۔ اس نے سائیکل گیٹ کے ایک طرف کھڑی کی۔ ہمیں "سلاماں شکم" کہا پھر کیرئیر سے ایک شکم شکم جھڑوا کر جیل کے سامنے سڑک پر صفائی کرنے لگا۔ شکل سے وہ کسی طور جھٹکی نہیں لگ رہا تھا۔ ہم خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

کام شکم کر کے وہ سیدھا ہمارے پاس چلا آیا۔

سلام دیا ہوئی، تعارف ہوا۔ اس کا نام یعقوب قادری تھا۔ وہ شکم میں فرنیچر کا کام کرتا تھا۔ یعقوب بخاری میں شاعری بھی کرتا تھا اور حسب آل رسول ﷺ اس کا اور حنا بچھونا تھا۔ اسے شکم نہت تحریک کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ کراچی سے کچھ سادات شکم ٹیل آئے ہوئے ہیں۔ یہ معلومات بھی اسے جیل کے اندر ٹلزی کا کام کرتے ہوئے دستیاب ہوئی تھیں۔ اس کا شکم شکم ہوا تو وہ جیل کوئی درگاہ بنا کر بیٹھ گیا۔ دور وازن سائیکل پر یہاں آتا، سادات کی زیارت کے لئے منتقلیوں کی منت سماجت کرتا۔ پھر جیل کے دروازے پر جھڑوا لگا کر واپس چلا جاتا۔

"جیلر بوہت چنگا بندہ ہے.... ہے تے پوری.... پر اخلاق بوہت دھیانے" یعقوب نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے ملاقات ہو جائے گی؟" چاند پوری نے پوچھا۔

"ناں نی ناں.... یزیدیاں دی حکومت وئی سیدیں تال ملاقات کس طرح ہو سکدی ہے.... آل رسول ﷺ نوں تپدیاں کوھیاں وئی سلایاے ظالماں نے.... رب انہاں نوں پچھے گا" !!!....

"پھر بھی.... کوئی صورت تو ہوگی؟" چاند پوری نے امید بھری نظروں سے سوال کیا۔

"زیارت ہو سکدی ہے.... !!!" وہ پٹکے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"زیارت؟؟ کیا خواب میں ہوگی زیارت؟؟"

"اوہر کاراں.... اوہر پیچھے رک باگ ہے.... شام نوں چیرہ شاد ہو کر گشت کروے نہیں.... سنتری نوں دور پے چٹنی دے کے نشی وئی زیارت کر لو"

عصر تک ہم وہیں بیٹھے یعقوب قادری کی گیمیں سنتے رہے۔ اس پرانے روز بھی اچھا گزر گیا۔ یعقوب نے ہمیں اپنا کچھ کلام بھی سنایا جو ہمارے فہم و ادراک سے کافی اونچا تھا۔ اس دوران وہاں کچھ اور ملاقاتی بھی آ گئے۔ ان میں سے بعدوں کو ملاقات کی اجازت بھی مل گئی۔ کچھ لوگ کھانے پینے کا سامان بھی اندر لے گئے۔ یعقوب نے بتایا کہ یہ عام قیدیوں کے رشتہ دار ہیں۔ مثلاً چور ڈاکو قاتل ٹیہرے و حجازیل۔ سید بادشاہوں کے بارے میں بہت سختی ہے۔ اس نے بتایا کہ سزائے موت کو کسی تک و تبریک کو غزنیوں میں رکھا گیا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے پانچ کو غزنیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جہاں تو کھڑکیاں ہیں نہ روشن دن۔ دن کو کو غزیاں تندہ کی طرح تپ جاتی ہیں تو قیدی دروازے کے پاس ہاری ہاری لیت کر تڑپتا رہتا ہے۔ پینے کو اظہار میں بھی گرم پانی ملتا ہے۔

عصر کے بعد یعقوب نے سنتری سے جا کر بات کی پھر ہمیں بلایا۔

”پہلے درگاہتے دو روپے خزانہ چڑھاؤ“ !!!

ہم نے دو دو روپے سنتری کو دوائے اور یعقوب کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ وہ ہمیں ایک لمبا چکر لگا کر جیل کے چھوڑے میں لے آیا۔ یہاں کافی جہاز بھرتا تھا اور ایک طرف پختہ اینٹوں کا ایک ذخیرہ سا لگا ہوا تھا۔ ہم جیسے جیسے کر کے اینٹوں پر چڑھ گئے۔ اب دیوار سے پار کا منظر صاف دیکھا جاسکتا تھا۔

سامنے کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر وہ تک و تبریک کو غزیاں تھیں جن میں ابو الحسنات سید احمد قادری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، سید عبدالحمید دایوئی، علامہ سید مظفر قسسی، مولانا محمد ارمیم جملی، صفائی اللہ نواز اور صاحبزادہ سید فیض الحسن عشق کی قید کاٹ رہے تھے۔ کو غزنیوں کے سامنے ریت کا ایک پھیل میدان تھا جس میں دو ٹنڈے منڈورخت لگے ہوئے تھے۔

”ہاں کدھر ہے قادری صاحب.... یہاں تو ریت ہی ریت ہے“ میں نے پوچھا۔

”اوسر کاراں.... اسے نوں ہاں کندھے نہیں.... چیل وق کوئی امر دوں دا ہاں تھوڑی ہوندا“ !!!

”اس گرم ریت پر چیل قدمی کرتے ہیں سید زادے؟؟.... روزے کی حالت میں....؟؟“

”ستے ہوہ کی.... ہن آپ ای مانڈو کر لو کہ کو غزی دے اندر کی حالت ہوتی ہاں“

اس دوران ایک سنتری نے آکر کو غزنیوں کے ہاتھ لے کھولنے شروع کئے۔ آہنی گاڑیوں کو اڑولہ دڑ چھیں داتے ہوئے کھلتے گئے۔

تھوڑی دیر بعد اندر سے قیدی باہر آنا شروع ہوئے۔ ان کے حصار اجسام پسینہ پسینہ تھے۔ اور ہال کرو آلو۔

سنتری کچھ دور جا کر کھڑا ہو گیا، اور سید زادے چپے ہوئے ریگزار کو باغیہ دم سمجھ کر وہاں چیل قدمی کرنے لگے۔

”عشق احساس تکلیف بھلا دیتا ہے.... بس.... جیسے رب قبول کر لے“ !!! چاند پوری نے ایک مرد آہ بھر کر کہا۔

اس دوران یعقوب قادری اپنا کلام عشق منگھٹانے لگے.... اور ہم خاموش ہو گئے !!!

کھا تیو نہ و ساد سیتو

عشقیے آؤ جانئیں دا

ڈاڈھا او کھا جے رو سیتو

عشقیے آؤ جانئیں دا

سکھیو !!! عشق بے درد کا بھر دے۔ کبھی نہ کرنا۔ عشق خان سوز کا رستہ بہت سی کنفمن ہے۔

موندہ لاندائیں شودیاں نوں

بے درد بے بودیاں نوں

او کھا دینا ہے لاء سیتو

عشقیے آؤ جانئیں دا

سکھیو !!! عشق کرشمہ ساز کی نگن بڑی سی کنفن ہے۔ یہ کم عرف، بے درد اور بے بودہ لوگوں کے قریب بھی نہیں پہنچتا۔

کو نمین دے ماڈکاں نہیں

حیدر دیاں ہالکاں نہیں

مل پھڑ پلاسے پا، سیتو

عشقیے آؤ جانئیں دا

سکھیو !!! اس عشق بابہ ماحول کی قیمت سرور ان جنت نے ہی چکائی ہے، جو حیدر کرار کے جگر گوشے تھے۔

برضوان اللہ تعالیٰ منہم اجمعین

سکھر میں شام ڈھل رہی تھی۔

ہمیں آتی سی رات دس بجے بڑی وہ خیر میل لاہور کے لئے روانہ ہونا تھا۔

جیل گیسٹ ہاؤس پر ایک حسرت آمیز نظر ڈالتے، ہم ٹیک آٹھائے واہس مل دیے۔ منہ پر کر کے ہم لاہور گراہی روڈ تک پہنچے اور ریلوے اسٹیشن

جانے کے لئے یکے کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ ابھی تھوڑی سی دیر ہوئی تھی کہ جیل روڈ کی طرف سے ایک سائیکل سوار منتری آتا

دکھائی دیا۔ نہر کنارے آکر اس نے سائیکل کھڑی کی اور ہمیں آواز دینے لگا۔

میں نے چاند پوری کو اس طرف متوجہ کیا تو وہ مجھے ہلک پکڑا کر اس کی طرف چلے گئے۔ دو دنوں کے بچے کچھ دیر گنگو ہوئی پھر چاند پوری نے اشارہ کر کے مجھے بھی بلا لیا۔

"خیریت تو ہے... کیا مسئلہ ہو گیا؟" میں نے پوچھا۔

"معلوم نہیں... وارڈن نے بلایا ہے"

"وارڈن نے؟ خیریت؟ آخر کس لئے؟"

"یہ تو جا کر ہی معلوم ہو گا... اللہ بہتر کرے گا" !!! ...

ہم نصف کلومیٹر چل کر واپس جیل گیسٹ ہسپتال پہنچے تو نئے سنٹری لیٹی ڈیوٹی سنبھال چکے تھے۔ انہوں نے نہایت اخلاق سے ہمارا استقبال کیا۔ ہمارا ہیگ اتروا کر اندر چوکی میں رکھا۔ پھر ایک حوالدار نے اپنے ساتھی کو آواز دی۔

"اللہ بچائے... مہمانوں کو اندر بڑا صاحب کے پاس پھوڑا؟" !!!

"یہ بڑا صاحب کون ہیں بھائی؟"

"فلک کی بات نہیں ہے بابا... وارڈن صاحب نے آپ کو یہ کیا ہے"

ہم دھڑکتے دل کے ساتھ سنٹری کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ وہ ہمیں مختلف برآمدوں سے گزارا وارڈن کے دفتر تک پھوڑا آیا۔ یہاں ایک گھنٹی داڑھی اور بھاری مونچھوں والا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اٹھ کر ہمارے استقبال کیا جیسے مدت سے ہماری راہدہ رہا ہو۔ حالات کے بدلے توجہ دیکھ کر ہم دریائے حیرت میں غوطے کھانے لگے۔

"اللہ بچائے... سائیکل کڑک چائے ہواؤں کا لٹ !!!" "وہ ران نے سنٹری کو حکم کیا اور ہمیں بڑی عزت سے کرسیوں پر بٹھادیا۔

"اور سائیکس... حال سُفھو آجے نہیں"

"بی اللہ اللہ" چاند پوری نے جواب دیا۔

"ہم قادر بخش اہل دہشتہ... یہاں کا وارڈن !!!"

"کہیے کیسے یاد لرایا؟"

"اے بابا... بس ایک چھوٹی سی مجبوری ہے" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"خیریت؟ کیسی مجبوری؟"

"اور سائیکس... بڑی ڈاڑھی مجبوری ہے... لیکن مسئلہ سرکاری ہے... ورنہ آپ کو مشقت نہ دیتا"

"سرکاری مسئلہ.... ہم سمجھتے نہیں"

"اوپر سے کچھ ڈاک آیا ہے..... ہمارا منشی عید کی چٹھٹی چلا گیا ہے.... اور سر کوئی ساعیوں نے یہ دیکھ کر حال کھائیں گے... سویرے یہ ڈاک..... قیدیوں تک پہنچانا ہے" دو کچھ لفافے دراز سے نکالتے ہوئے بولا -

"لیکن آپ نے ہمیں کس لئے رحمت دی....؟"

"ہم آپ کو سمجھاتا ہے بابا...." ورنڈن لفافے میز پر سجاتے ہوئے بولا - "دراصل جیل میں آنے والی ڈاک سنہر ہوتی ہے... خاص طور پر مولوی لوگوں کی چٹھیاں.... مجبوری ہے.... اوپر سے یہی آرہا ہے بابا.... یہ کام ہمارا منشی خیر محمد کرتا تھا.... لیکن آج دوپہر کو وہ چھٹی لیکر چلا گیا ہے.... عید آ رہی ہے ناں.... اس لئے.... نیا آدمی دور دراز آئے گا.... سویرے سویرے جیل سپرینٹنٹ کو رپورٹ دینا ہوتی ہے... اب اوپر سب بچے ان پڑھ تھے بابا.... سفتری لوگوں نے بتایا کہ ایدہ سر کوئی اخبار والا آیا ہوا ہے.... پھر ملام ہوا کہ آپ لوگ چلا گیا ہے... اس لئے دوست محمد کو آپ کے پیچھے بھگایا...."

"ٹھیک ہے.... لیکن یہ کام آپ کسی قیدی سے بھی کروا سکتے تھے...."

"بابا.... منہائی ہے.... یہ سب خفیہ معاملہ ہے... کیا کریں؟"

چاند پوری کرسی حسیٹ کر ورنڈن کے قریب ہو گئے - اور خطوط کی جانچی پھیل کرنے لگے -

کل چار خطوط تھے - ان میں دو تو غیر متعلقہ تھے - ایک سرکاری چٹھٹی تھی جو شاید لاہور سے آئی تھی - اس میں کسی سرکاری کمیشن کا تذکرہ تھا جو اگلے مہینے ٹھنڈے والا تھا - اس کے علاوہ ایک خط سید مظفر علی قسسی کے نام تھا جو شاید گھر سے ان کی چھوٹی بہن نے لکھا تھا -

"بس ایک یہی خط ہے مولوی لوگوں کا.... باقی تو سب سرکاری چٹھیاں ہیں" چاند پوری نے کہا -

"اچھا بابا.... یہی ہم کو پڑھ کر سمجھاؤ...." ورنڈن نے کہا -

"لیکن کسی کا خط پڑھنا.... غیر مناسب ہے...."

"مجبوری ہائے بابا.... ورنڈن آپ کو کیوں تکلیف دیتا...."

چاند پوری نے نہایت احتیاط سے لفافہ چاک کیا اور با آواز بلند خط پڑھنے لگے:

میرے پیارے بہن!.... سلام علیکم!!!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس امتحان میں ڈالا ہے، کامیاب کرے - میں آپ کو یہ نشان تو نہیں کرنا چاہتی لیکن انتہائی مجبوری ہے جس کی وجہ سے یہ خط لکھ رہی ہوں - میں کچھ ملام سے سخت بیمار ہوں - کھانسی زوروں پر ہے، بخار و امن نہیں چھوڑتا، اور ٹمبر پھر 104 سے نیچے نہیں آتا - اکثر بتاتے ہیں کہ فی بی کی آخری سانس ہے - میں باپ نے مجھے آپ کے سپرد کیا تھا اب موت مجھے لئے جا رہی ہے - کاش آخری وقت

میں آپ میرے پاس ہوتے -

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ناموس کے لئے مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو استقلال بخشے۔ اور قیامت کے روز آپ کی قربانی ہمیں دربار رسالت میں سرخرو کر دے۔ آپ بہادری سے قید کاٹیں۔ اگر زندہ گی رہی تو مل لوں گی۔ ورنہ میری قبر پر تو آپ ضرور آئیں گے۔ سب بچے سلام کہتے ہیں۔ اب ہاتھ میں طاقت نہیں اس لئے خط ختم کرتی ہوں۔
دا سلام آپ کی بہن !!!

اس محکمہ محررات کا خط نے ہماری جان نکال کر رکھ دی۔ چاند پوری کی آواز بھی بڑھ کر اٹھ گئی۔ جانے ہر ایک کو غمزدگی کے اسیر تک یہ خط پہنچا ہو گا تو وہ کس کیفیت سے گزرا ہو گا۔ زخموں سے چوہہ جسم پر کیسی تک پاشی ہوئی ہو گی۔ اس خط کا اردو ہی سمجھ سکتا تھا جو وطن سے دور ہو اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہو۔

تھوڑی سی دیر میں چائے آئی۔ چاند پوری ہاتھ کھڑے ہوئے۔
"اما چائے تو پی کر جاؤ"....

"دل درد سے بھر چکا ہے ساہیں.... چائے کی طلب نہیں رہی" چاند پوری نے کہا اور مجھے لٹھنے کا اشارہ کیا۔
درد تو پہلے بھی کم نہ تھا لیکن دکھ کی جو گھمزدگی اس خط نے ہمارے سر پر رکھی اس نے تو کمری تو زوی تھی۔
رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ وارڈن نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں پولیس وین میٹا کرنے کی آفر کی لیکن چاند پوری نہ مانے۔
چونکہ ہم نے اپنے ہنگامہ آوارہ قہقروں سے چلتے ہوئے دوپہر و سہرے کے کنارے آکر کھڑے ہو گئے۔

22 اپریل..... 1953ء

ہم لاہور پہنچے تو نیا سی پرل چکی تھی۔

شہر کے معاملات کافی حد تک درست ہو چکے تھے۔ فون نے لو کو شینڈ، ٹیلی فون، بجلی اور پانی کا نظام بحال کر دیا تھا۔
ہزاروں مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپا کر، ایک لاکھ افراد کو نہیں زندہ ہی دھکیل کر اور تقریباً 10 لاکھ کو متاثر کر کے تحریک مقدس کو جزو قوت دیا جا چکا تھا۔ لاہور کے علاوہ سیالکوٹ، گوجرانوالہ، راولپنڈی، فیصل آباد، ساہیوال، اوکاڑہ اور اندرون سندھ میں بھی کم و بیش داستان لاہور ہی دہرائی گئی۔ کہیں لاٹھی چارج سے کام چلایا گیا تو کہیں گولی سے تحریک کو دبا دیا گیا۔

لاہور کے شامی قلعے میں اب بھی بے شمار لوگ بیٹھ کر سنا رہے تھے جن پر قابو پانی انتظامیہ جی بھر کے تشدد کر رہی تھی۔ شہر بھر کی مساجد خفیہ والوں کے پہرے میں تھیں۔ اور منابر و مجالس سے تین الفاظ ہوا کرنا محکمت سے غدار کی تصور کیا جا رہا تھا..... ختم نبوت۔ قادیانیت اور سر ظفر اللہ خان!!!

اگلے روز ہم شہر کی صورتحال جاننے کے لئے باہر نکلے۔ شائیمہ کے قریب ایک بازار میں ہنگامہ نظر آیا۔ بازار پولیس کے دو اہلکار ایک صحت مند قسم کے مولوی صاحب سے دست و گریبان تھے۔ مولوی صاحب مسجد کی طرف زور لگا رہے تھے اور پولیس والے انہیں وہیں کی طرف دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس رستہ کشی کو دیکھ کر وہاں کافی لوگ اکٹھے ہو گئے۔

پولیس والے رش دیکھ کر پریشان ہو گئے اور مولوی صاحب کو چھوڑ دیا۔ ان کا گریبان پھٹ چکا تھا۔

"اوی ہو کیا جانوں؟.... کی کیا مولوی صاحب نے؟؟" مجمع میں سے ایک بزرگ نے آواز لگائی۔

"یہ غلط خراب کام ہے.... لوڑ پائیکر غدار کی کابالت کرتا ہے...." بازار پولیس والے نے کہا۔

"جھوٹ لے.... میں کوئی غدار ہی دی گل نہیں کھیتی...." مولوی صاحب نے جھن بندہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے ختم نبوت بولا.... ام نے خود آنکھوں سے سنا"

"اپنے کناں و اعلان گرا.... میں ختم شریف و اعلان کیسا...." مولوی صاحب نے صفائی پیش کی۔

"تم نے ختم کا نام تو لیانا.... اب پوچھی عدالت پھینک کرے گا"....

"آپ جانتے ہیں ختم نبوت کا مطلب کیا ہے؟" چاند پوری نے پولیس والے کو مخاطب کیا۔

"چانتا ہے.... یہ ملک سے غدار کی کابالت ہے" پولیس والے نے کہا۔

"تم احمدی ہو یا غیر احمدی؟"

"وو کیا ہوتا ہے؟"

"مرزا غلام احمد قادیانی کا نام سنا ہے"

"ہاں سنا ہے"

"کون تھا وہ؟"

"محبوب نامی تھا"....

"ہائل خفیک.... اسی جھوٹے نبی کے ماننے والے ختم نبوت کے منکر ہیں.... جب کہ مسلمان ختم نبوت پر کامل یقین رکھتے ہیں.... ختم

نبوت کا مطلب ہے کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی شرعی غیر شرعی نبی نہیں آسکتا.... ختم نبوت کی بات کرنا

کوئی گناہ نہیں بھائی.... بلکہ یہ تو بڑے ثواب کا کام ہے"

"لیکن ہمارا آجیسا تو بوتا ہے یہ بخاری کا بت ہے"!!!

"جسبارا فیسر قادیانی ہے.... یا پھر قادیانیت نواز.... بھائی ایک دن ہم سب کو مرنابہ... اللہ کے حضور پیش ہونا ہے.... نیما پاک
فلانیہ کے مبارک ہاتھوں سے جام کو شربنا ہے.... قادیانی اس نبی کریم ﷺ کے دشمن ہیں.... اس ملک میں غلام احمدی نظام لانا
چاہتے ہیں.... تحریک فتنہ نبوت کی جدوجہد اسی کا فرانہ نظام کے خلاف ہے"

چاند پوری کا لیکچر سن کر پولیس والا کچھ موم ہوا اور مولوی صاحب کو چھوڑ دیا۔

شامی قلعے میں فوجی عدالت قائم تھی جو پوڑیوں کی طعن سزائے موت اور سزائے قید کی سزائیں دیتا رہی تھی۔ ہر روز کوئی نہ کوئی فی فی خبر
عوام کے زخموں پہ تنک بن کر کرتی۔

ایک دن خبر آئی کہ مولانا عبدالستار نیازی کو بھی سزائے موت سنائی گئی ہے۔

مولانا نیازی مارشل لاہ کی آمد کے ساتھ ہی روپوش ہو گئے تھے۔ ان کا رہنا پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں اپنا تک وارد ہو کر ایک پر جوش
تقریر کر کے گرفتاری دینے کا تھا لیکن یہ خبر حکومت کے کانوں میں بھی پہنچ گئی۔ اسمبلی کا اجلاس ایک ہفتے کے لئے ملتوی کر دیا گیا اور شہر
بھر میں نیازی صاحب کی حاش میں چھاپے پڑنے لگے۔ ایک ہفتہ بعد اجلاس کی تجدید مزید آگے بڑھائی گئی تو نیازی صاحب بھیس بدل کر
لاہور سے نکل گئے۔ وہ پہلے اوکاڑہ تشریف لے گئے، وہاں سے پاکپتن گئے لیکن ختم نبوت کے پروانوں کے لئے روئے زمین تنگ ہو چکی
تھی۔ پاکپتن کے گدی نشینوں نے انہیں اُفتی پتہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ بڑی رو دیا پاپور قصور تشریف لے گئے۔

نیازی صاحب کا اردو تھا کہ اسمبلی کا اجلاس شروع ہوتے ہی وہ لاہور قصور روڈ پکڑیں گے اور پنجاب اسمبلی کے سامنے اتر کر ہاتھ بھاگ
ایوان کے اندر چلے جائیں گے جہاں پولیس کسی کو گرفتار کرنے کی جواز نہ تھی۔ اس کے بعد تقریر کر کے اپنا موقف پیش کریں گے اور
اسمبلی آئیٹ پر گرفتاری دیں گے۔ لیکن قصور میں ان کے قیام کے دوران ہی بخیری ہو گئی اور وہ مرنے لگے۔

مولانا نیازی اور مولانا ظلیل احمد قادری پر فوجی عدالت میں کیڑوں تک مقدمہ چلا کر باسان پور اور ان کے نو ساتھیوں پر ڈی ایس پی فردوس
شاہ کے قتل کا جھوٹا مقدمہ تیار کیا گیا۔ ان کے خلاف پیش ہونے والے گواہوں میں مولوی سلیم بھی پیش تھا۔ یہ وہی مولوی سلیم تھا
جس نے قرآن پاک کے اوراق گندے نالے سے نکال کر عوام کو مشتعل کیا تھا، جس کے نتیجے میں ڈی ایس پی فردوس شاہ کا قتل ہوا تھا۔

ایک دن "چلتی پھرتی عدالت" نیاز ہسپتال پہنچی جہاں مولانا عبدالستار نیازی بغرض طلاق داخل تھے۔ فوجی افسران کے کے ہاتھ میں فیصلے
کی کا پی تھی۔ تمام ملزمان کو ایک کمرے میں جمع کر کے فیصلہ سنایا گیا:

"آپ حضرات پر ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل کا الزام ثابت نہیں ہو سکا.... عدالت آپ سب کو باعزت بری کرتی ہے"

رضا کاروں کے چہرے خوشی سے تھما اٹھے۔ جب سب لوگ جانے لگے تو آفیسر نے نیازی صاحبہ کو روک لیا:

"مولانا آپ پر بغاوت کا الزام بھی ہے؟؟"

"ہاں..... ہے تو کسی "مولانا نیازی نے جواب دیا۔

"آپ کے بارے میں کچھ اور فیصلہ ہے...." آفیسر جیب سے ایک دوسری پرچی نکالتے ہوئے بولا۔

"جی سناؤ.....!!!" نیازی صاحبہ بدتن گوش ہو گئے۔

فوجی آفیسر نے کانچے ہاتھوں سے پرچی میں لکھا فیصلہ سنایا:

"عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ تمہیں گرون میں رسی ڈال کر موت واقع ہونے تک چھانسی کے چنڈے پر لٹکایا جائے" !!!

"بس یا کچھ اور بھی؟؟؟...." مولانا نیازی نے اطمینان سے کہا۔ "اگر اس سے بھی بڑی کوئی سزا ہے تو دے دیجئے.... میں ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے کو تیار ہوں"

"ناما سائن دس بیچہ.....!!!" آفیسر نے کچھ کاغذات آگے بڑھائے۔

نیازی صاحبہ نے جواب دیا "I will sign , when I will kiss the rope"

"لیکن سائن تو آپ کو ابھی کرنے ہونگے"

"آپ مجھے ابھی چھانسی کے چنڈے پر لے جاؤ.... میں ابھی سائن کر دیتا ہوں" !!!

"مولانا..... مجھے اپنے سینئرز کو جواب دینا ہے کہ میں نے ٹولس آپ تک پہنچا دیا ہے"

"اچھا..... اگر سینئرز کا اتنا ہی خوف ہے تو لائیو....." یہ کہہ کر مولانا نیازی نے موت کے ہوانے پر دستخط کر دیے۔

آفیسر سر اسیں ہو کر باہر نکلا جبکہ مولانا وجدان کیفیت میں یہ شعر پڑھتے ہوئے کمرے سے باہر آئے:

کشکشان فخر تسلیم راء

ہر زماں از فیب جان دیگر است

جو تیری رضاء کے فخر سے ذبح ہوتے ہیں ہر دور میں غیب سے اک نئی حیات جاتے ہیں !!!

اگلے روز چاند پوری صبح صبح اخبار لئے دوڑے آئے:

"مولانا مودودی کو بھی سزائے موت سنائی گئی۔۔۔"

"یا اللہ خیر !!! مودودی صاحب نے کیا کر دیا؟؟"

"انہوں نے "قادیانی مسئلہ" لکھ کر جابر سلطان کے سر میں ہتھوڑا مارا ہے"

"قادیانی مسئلہ؟؟... ایک کتابچہ لکھنے پر سزائے موت؟؟"

"بھائی نعمت نبوت کا نظروں سے اٹکا نہیں اور گلے میں پھنسا ڈالا نہیں... دیوانے بھی پا بھولاں ہیں اور عقل والے بھی پس منداں"

"کمال ہے.... !!!" قادیانی مسئلہ "تو ایک انتہائی لاجیکل اور معتدل رسالہ تھا"

"پڑھ لکھے طبقے کی آنکھیں کھولنے کے لئے تو کافی تھا یہ بھائی.... دنیا بھر میں اس کے تراجم شائع ہو رہے تھے... مولانا نے قادیانیت کو ایک سنگین مذہبی، معاشرتی اور سیاسی مسئلہ قرار دیکر اسے دستوری طریقے سے حل کرنے کی بات کی تھی.... اور سرکار ابھی مودودی صاحب کے لگائے ہوئے پرانے زخم نہیں بھول سکی"

"پر انے زخم؟؟"

"مودودی صاحب کا اصل قصور یہ ہے کہ وہ ملک میں اسلامی دستور سازی کے لئے کام کر رہے تھے.... اسی جرم کی پاداش میں دو سال جیل بھی کاٹ چکے ہیں.... اب حکومت پر قابض لیبرل طبقات انہیں رستے سے ہٹانا چاہتے ہیں.... ہمیشہ ہمیش کے لئے.... یہ ہے اصل کہانی" !!! ...

اگلے روز حالات جاننے کے لئے ہم سینٹرل جیل پہنچے۔ جیل کے باہر جماعت اسلامی کے کارکنوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ لوگ بے حد غم زدہ تھے۔ اسی اثنا میں کچھ کارکنان ایک وکیل کو ساتھ لئے آن پہنچے۔ کچھ دیر بحث و محرم ہوئی رہی۔ پھر یہ قافلہ جیل حکام سے بات چیت کر کے اندر جانے لگا تو ہم بھی پیچھے پیچھے ہو لیے۔ طویل ہدیریک راہداریوں سے گزر کر اب ہم موت کی کوٹھڑیوں کے سامنے کھڑے تھے۔

"مولانا صاحب !!! حکومت اس وقت اشتعال میں ہے.... آپ ایک چھوٹا سا بیان لکھ کر دے دیں.... ہم آپ کی سزائے موت روکوانے کی کوشش کر سکتے ہیں" وکیل نے کہا۔

"کس قسم کا بیان؟؟" مودودی صاحب نے پوچھا۔

"رحم کی اپیل" !!!

"ہرگز نہیں.... !!! میری طرف سے.... میرے خاندان کی طرف سے.... جماعت اسلامی کی طرف سے کوئی بھی شخص میرے لئے کوئی اپیل نہیں کرے گا.... مقدمہ میں شہادت لکھی ہے تو بخوشی اپنے رب سے جا ملوں گا.... مجھے انہی چیزوں میں خدا کا اور نفع

اسلام کے مشن کو چاری رکھنا....

"لیکن ایک چھوٹی سی اپیل کرنے میں ہرج جی کیا ہے...؟؟" وکیل نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"اگر آج میں عالم حکمرانوں کے سامنے پہنچیں گے لگا تو ملک سے انصاف کا جنازہ ہمیشہ کے لئے اٹھ جائے گا" !!!....

ان سے چند قدم آگے دوسری کونھڑی میں مولانا نیازی تھے۔ انہوں نے لگا کر کہا:

"بے فکر رہیں.... اس بزدل حکومت میں اتنی جرات نہیں کہ ہمیں پھانسی دے سکیں.... وہ یہ دیکھ بھی نہیں لے گی... حکومت تو

اپنی موت سے آپ ڈر رہی ہے" !!!

مولانا سودی کی چھانسی کے فیصلے سے پاکستان کے ساتھ ساتھ عالم اسلام میں بھی دلچ و اندوہ کی کیفیت دوڑ گئی۔ حکومت پر اندرونی و بیرونی دباؤ بڑھنے لگا۔ حکومتی کارپورائز سر جوڑ کر بیٹھ گئے چنانچہ کچھ روز بعد چھانسی کو عرقید میں تبدیل کر کے اس دباؤ سے نجات حاصل کر لی گئی۔



تین ماہ بعد جا کر ہاؤسوم بچہ قحی

لاہور سے مارشل لا نافذ کیا گیا اور شہری سرگرمیاں آہستہ آہستہ بحال ہونے لگیں۔

تحریک ختم نبوت مسلمانوں اور قادیانیوں کے بیچ خون کی ایک ایسی کلیہ کھینچی چلی تھی جسے اب دہرے کے اندھیرے بھی نہ مٹا سکتے تھے۔ شہر شہر نکلے "امدی دسترخوان" ویران ہو گئے اور مرزائی سبیلوں پر کھیاں بھنبنانے لگیں۔

بظاہر مجلس عمل کا کوئی بھی مطالبہ منظور نہ ہوا تھا لیکن احمدیت کے بوسیدہ لباس میں مسرت کر رہی تھی۔ آکاس بیل کی جڑت چلی تھی، اب صرف اسے اسلام کے شہر پر بہار سے اجڑ کر پھینکنا باقی تھا۔ اس تحریک کی سب سے بڑی کامیابی مسلمانوں کے ہاہم متحاب فرقوں کے بیچ ایک مثالی اتحاد کا مظاہرہ تھا۔ یونہی، بریلوی، شیعہ، اہلحدیث کے بیچ لا غفل تنازعوں کی پہنچائیاں بچھ گئیں اور وہ ختم نبوت کے نام پر ایک امت بن گئے۔ قادیانیت کا قیامت دیکھا کرنے کے لئے مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام بھی عمل میں آیا۔

تحریک ختم نبوت 1953ء حکومتی ایوانوں میں بھی ایک بہت بڑی دراڑ ڈال چکی تھی۔

دار الخلافہ کراچی میں بیٹھے صوفی منش وزیراعظم محمد لاہور کے کشت و خون کی خبر پہنچی تو انہوں نے وزیراعلیٰ پنجاب سرماں ممتاز دولتانہ کی ہمیشہ گروہی۔ جوہ آں غزل گورنر جنرل غلام محمد نے جمہوریت کا قانون منہ کر کے ہوئے وزیراعظم کا تختہ الٹ دیا۔ مولوی تمیز الدین اسپیکر ہیکل اسمبلی نے اس اندھیر مگر کی خلاف "آئین الحق" کی صدا بلند کی تو جسٹس منیر "نظریہ ضرورت" کا کلباز اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ صغریٰ ڈی برٹن کا تین سو سال پرانا "Doctrine of Necessity" جسٹس منیر کے ہاتھ لگا تو انہوں نے جھار پونچھ

کر اس میں نیا قانونی دستہ مقرر کیا اور قیامت تک کے لئے عدلیہ کے کھلے میں لٹکادیا۔ یوں پاکستان "نظریہ ضرورت" کو اپنانے والا دنیا کا پہلا ملک بن گیا، جسے اہل یورپ و بے کار سمجھ کر جرح کے کبار میں پھینک چکے تھے۔

ان اقدامات سے ملک سیاسی توانائی سے محروم ہو گیا۔ اور جمہوریت خلیج زد ہو گئی۔ ایک طرف عالمی استعمار کی مداخلت بڑھی، دوسری طرف مقامی سازشیں زور پکڑنے لگیں۔ قائد اعظم کے رفیق کار آہستہ آہستہ ایوان سررخصت ہوتے گئے اور ان کی جگہ غلبہ ملت نگیب قوم آزاد خیال طبقہ اقتدار پر قابض ہوتا چلا گیا۔ جمہوری وجود اور قومی سالمیت کو جو سرطان لگ چکا تھا یہی آگے جا کر ملک کے دلخست ہونے کا سبب بن گیا۔

1953ء کے موسم بہار کا ہر پھول، شہدائے ختم نبوت کے خون کی سرنخی میں ڈوب کر کھلا۔ بہار رخصت ہوئی تو مئی کی دھوپ سوخت پیرا بن کر جلانے لگی۔ دولتانہ صاحب کے بعد پنجاب کی وزارت اعلیٰ کا حاکم ملک فیروز خان نون کے صرے بیٹھا تو ہستے زخمیوں کو معمولی چھپا مینر آیا۔

ملک صاحب قائد اعظم کے پرانے رفیق تھے اور قد سے خرم مزاج رکھتے تھے۔ انہوں نے مارشل لائی پھالسیوں کو عمر قید میں تبدیل کر دیا حالانکہ اسکندر مرزا پاکستان میں بسنے والے ہر مولوی کو توپ سے اڑا دینے کا تمنا ہی تھا۔ دوسری طرف "فسادات لاہور" کے نام سے ایک تحقیقاتی کمیشن بھی بنھادیا جس کا کام مارشل لا کی وجوہات کا پتا چلانا اور سول انتظامیہ کی ناکامی کے اسباب اُچھونڈنا تھا۔

پھر ایک روز یہ مددہ خبر بھی آئی کہ کمیشن کے سامنے بیان دینے کے لئے، سکھر حیدر آباد، ملتان اور ملک کی دوسری جیلوں میں قید اکابرین ختم نبوت کو لاہور سینٹرل جیل منتقل کیا جا رہا ہے۔ یہ خبر سن کر مردہ خوں میں ایک ہر پھر زندگی کے آئندہ دکھائی دینے لگے۔

کمیشن کا اعلان ہوتے ہی دور دراز جیلوں میں قید اکابرین کی لاہور آمد شروع ہو گئی۔

سب سے پہلے سینئر جیل ملتان سے شیخ انیسر حضرت احمد علی لاہوری کو یہاں لایا گیا۔ ملتان جیل کی ناقص غذا پر بدترین ماحول کی وجہ سے آپ اسہال اور سقے کی تکلیف میں مبتلا ہو چکے تھے۔ کمزوری غالب تھی اور چلائیک دو بھر ہو چکا تھا۔

لاہور جیل کی حالت اس سے بھی بری تھی۔ کڑکٹی گرمی اور مچھلی کے آتش فشاں بن کر کھاتا تھا۔ ان حالات میں بھی قیدیوں کو سوسنے کے لئے فرش پھونے مینا کئے گئے تھے۔ لاہور جیل کا سنٹ سپرڈنٹ حضرت لاہوری رح کا عقیدت مند تھا۔ آپ کی آمد سے پہلے ہی وارڈ کا سب سے کھلا اور وسیع کمرہ آپ کے لئے تیار کر دیا گیا اور ہر تکلف بستر و چارپائی کا انتظام بھی کر دیا گیا۔

آپ کمرہ جیل میں تشریف لائے تو مخدئی بستروں کے چھ ایک رگھلی چارپائی دیکھ کر نہ بچھا:
 "یہ چارپائی کس کی ہے...؟؟"

مولانا مجاہد الحسنی بھی موجود تھے، بول اٹھے:

"ہم نے بچھائی ہے.... حضرت جی کے لئے" !!!

"واہ!!!.... یعنی جانثاران محمد مثلاً؟ تپتے فرشتے سوئیں.... اور احمد علی ان کے چارپائی پر آرام کرے؟؟"

تقبیل ارشاد میں آپ کا ہستر بھی تپتے فرشتے بچھا دیا گیا۔ مرید ہمیشہ پیچ صاحب کی پانچویں کی جانب سویا کرتے ہیں تاکہ عزت و احترام میں فرق نہ آئے۔ لیکن حضرت لاہوری رن کو یہ بھی گوارا نہ ہو اور اپنا چھوٹا خود اٹھا کر جانثاران عمر کے قدموں کی طرف ڈال دیا۔

ادھر تیرے فقیر ہوتے ہیں

آدمی بے نظیر ہوتے ہیں

تیری محفل میں غلغلے والے

کتنے رشتہ خیر ہوتے ہیں

اگلے کچھ ہفتوں میں تحریک ختم نبوت کی مرکزی قیادت یہاں تشریف فرما ہوئی تو جیل کی رہنمائی ہم مراد بن گئیں۔ حضرت
 ابوالحسنات سید احمد قادری، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالمالک بدایونی، علامہ مظفر علی قسسی، مولانا محمد علی جالندھری، شیخ حسام
 الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور دوسرے اکابرین حیدرآباد اور سکھ کی ذرا دور از تیلوں سے یہاں لائے گئے۔

اکابرین ختم نبوت کو جیل کے "دیوانی گھر" میں رکھا گیا۔ دیوانی گھر کا معن کافی کشادہ تھا اور کسی قدر سہاگہ بھی نہسر تھا۔ معن میں ایک
 خوبصورت ہانسیپے کے ساتھ ساتھ ہاؤس جی خانے اور خاندان کی سہولت بھی دستیاب تھی۔

جیل کے طویل براہے میں لمبے لمبے ڈگ بھر جاکے نوجوان قیدی، صبح صبح دیوانی گھر کے دروازے پر آن پہنچا۔

عطاء اللہ شاہ بخاری روح کی نظر پڑی تو بے ساختہ "شہید اعظم" کہہ کر گئے لگایا پھر اس کا ہاتھ تھامے بیڑی کے اس درخت کے نیچے لے
 گئے جہاں چارپائی پر ضعیف و زہرا ابوالحسنات قرآن کی تفسیر لکھنے میں مگن تھے۔

"حضرت جی.... مبارک ہو.... غلیل آیا ہے" شادی کی آواز بھرا گئی۔

ابوالحسنات مصحف میٹھے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، فرزند کو گلے لگایا اور کہا:

"میں تو اطلاع ملی تھی.... شہید ہو گئے ہو!!!"

"بس.... شہادت مجھے چھو کر ہی گزر گئی.... پچاسی کی سزا ہوئی تھی.... اب عمر قید میں بدل چکی ہے"

"کاش.... اللہ میرے بیٹے کی قربانی قبول کر لیتا" !!! ...

"آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں" ...

"ہاں بھئی.... ہمیں سکھر میں نہیں.... ستر میں رکھا گیا تھا.... 26 اور جب حرمت تھا.... ہانی بھی وقت مقرر پر ملتا تھا.... اکثر پسینہ سے ہی غسل کیا کرتے تھے.... سر پر ٹوپی پہنا رہے تھے.... جیل کی تہی دہاروں میں بیٹھ کر.... تمہارے فرق کا درد سہا ہے میں نے.... جب بھی تمہاری یاد آتی تھی.... قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھ جاتا تھا"

سینٹرل جیل لاہور میں میلے کا سامنا تھا۔ یہ کون سے باہر ہزاروں لوگ جمع تھے۔ اس دوران حکومت نے جماعت اسلامی کے کارکنوں کو بھی گھروں سے گرفتار کر کے جیل میں لایا تھا۔ یہ کون میں جگہ ختم ہو گئی تو باہر وسیع میدان میں خاردار سیمارنگا کر شعلہ رسالت کے پر دانوں کو حرمت میں رکھا گیا۔ جیل کے اندر عجب چیل چیل اور کیف و سرور کا عالم تھا۔ کہیں نعت خودی ہو رہی تھی تو کہیں شمع نبوت پر تقاریر۔ کہیں ذکر و اذکار چل رہا تھا تو کہیں درود و سلام کے غنچے بلند تھے۔ فرقہ پرستی کی دہاروں پر "مسلم حبش رسول ﷺ" کی کوئیل کیا پھونی زندانوں میں بھی بہا آگئی۔

اکابرین کی آمد کے ساتھ ہی جیل میں ملاقاتوں کا ماحول پیدا ہو گیا۔ دوسری یہ کون کے قیدی بھی جوق در جوق یہاں آنے لگے۔ ابو الحسنات جیل کے راشن سے خود مہمانوں کے لئے منہائی، غیر متجسس رہے تھے۔ ایک روز بوقت صبح آپ نے طلوعے کا ایک بڑا ڈونگہ لٹایا اور اکابرین کے بچاؤ کا حکم دیا....

"یہ کیا ہے حضرت؟؟" کسی نے پوچھا۔

"طلوع ہے" !!!

"کس خوشی میں؟؟؟"

"گیارہویں شریف کا ختم ہے" !!!

"گیارہویں شریف؟؟؟" دو تین انٹھنی صدا گئی آئیں۔

"آپ حضرات کو اگر اعتراض نہ ہو تو ختم شریف میں شرکت فرما سکتے ہیں"

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رتہ ماسٹر تاج الدین، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا مودودی اور کی دوسرے اکابرین موجود تھے۔ اس دوران ساتھ والی بیرک سے غلام محمد ترغتم احمد، عالم مولانا محمد اسماعیل کا ہاتھ پکڑے پکڑے دیوبند گھملائے اور ازراہ مذاق فرمایا:

"آج اس دیوبند کو بھی گیارہویں کا تبرک کھانا ہے" ...

مولانا اسماعیل جیسے بوئے محفل میں آکر بیٹھ گئے۔ فاتحہ شریف کے بعد سب نے تبرک کھایا سوائے مولانا محمد علی جالندھری کے جو

بدعت بدعت کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔

مولانا محمد اسماعیل، ابو الحسنات سے کچھ دیر فقہی سوالات و جوابات کرتے رہے پھر کیا:

"اگر یہی گیارہویں ہے.... تو رہائی کے بعد آپ روزانہ میرے گھر تشریف لائیے گا اور گیارہویں شریف کی فاتحی کیجئے گا"....

♡-----♡

ایک روز صبح ہی صبح دیوبندی گھر کا سہریڈنٹ دوز اچلا آیا۔

"شاد صاحب.... باہر کچھ قیدی آپ کی ویڈیو کے طالب ہیں"....

امیر شریعت رنج بے سائتہ اٹھے اور ننگے پاؤں بے حجابہ دوزتے ہوئے باہر محن تک پہنچے۔ نیکل کے درویش اور امیران کی جھٹکریوں اور بیڑیوں کی جھٹکری سے گونج رہے تھے۔

آپ نے عاشقانِ شتم نبوت کو ہادی ہادی گلے لگایا، ان کے آہنی زنجیروں کو اور فسل سے چھڑا، پھر اٹھ کر آنکھوں اور غم ناک لہجے میں ارشاد فرمایا:

"آپ لوگ میرا سرمایہ نجات ہیں۔۔۔۔۔ میں نے آپ کو روٹی، کپڑا یا کسی اور مفاد کے لئے آواز نہیں دی۔۔۔۔۔ لوگ تو دنیاوی مفادات کے لئے بھی بڑی بڑی قربانیاں دیتے آئے ہیں۔۔۔۔۔ میں نے تو آپ کو اپنے نانا کریم حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ناموس رسالت کے لئے نکالا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ قید بندی صوبہ تیس۔۔۔۔۔ یہ دارورن۔۔۔۔۔ اسی عقیم مقصد کے لئے ہیں۔۔۔۔۔ آپ میں سے کوئی ایسا نہیں جو سیاسی شہرت یا ذاتی وجاہت چاہتا ہو۔۔۔۔۔ آپ نیکل میں بھی غیر معروف ہیں۔۔۔۔۔ اور باہر بھی آپ کا استقبال کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ کوئی آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار نہیں ڈالے گا۔۔۔۔۔ نہ ہی کوئی کندھوں پر اٹھائے گا۔۔۔۔۔ لیکن اللہ آپ کی نیت اور اردوں کو دیکھ رہا ہے۔۔۔۔۔ آپ لوگ تحفہ شتم نبوت کی نیت سے اندر آئے ہو۔۔۔۔۔ اور اسی نیت سے باہر جاؤ گے۔۔۔۔۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔۔۔۔۔ اور یہی میرے لئے سب سے بڑا سرمایہ ہے۔"

امیران کی آنکھیں فرط مسرت سے جھلک اٹھیں.... ریاست کے لگائے ہوئے زنجیروں پر آشنائے راز نے مرہم رکھا تو روح تک تاثیر پہنچی گی.... اپنے محبوب رہنما کو لباسِ ایسی میں دیکھ کر وہ اپنی جھٹکریوں پر فخر محسوس کرنے لگے.... پشمرہ چہروں پر بہار آگئی.... زخم خوردہ دل دھڑک اٹھے !!! ...

زندہ کے درویشوں سے نگرانی مولانا تیار ہی کیا، درود صمد اس کیفیتِ عشق کا احوال بیان کر رہی تھی.... جو محبوب کی خاطر طوق و سلاسل چھین کر بھی عاشق کو مسرور رکھتی ہے....

آئیں سوہنے نوں دوائے فی، جے تیرا گزند ہووے
میں مر کے وی نہیں مر واپے تیری نظر ہووے
دم دم نال ذکر کراں، میں تیریاں شایاں دا
تیرے نام توں وارویاں، جتنی میری عمر ہووے
دیوانہ پیئے رہو، محفل نوں بھا کے تے
شاید میرے آکاں تیرے دا، انھوں وی گزند ہووے
کیوں فکر کریں یاد اسار دی یا گیرے دا
اوہنوں شے ای خیراں میں وچند اسامیں مگر ہووے

"...فك... فك... فك... آؤؤ... آؤؤ... آؤؤ... !!!!!!"

سارا دن عدالت میں جنس منیر کی ٹھک ٹھک اور رات بھر چاند پوری کی کھنکھٹ سے سکون درہم برہم ہونے لگا۔ چاند پوری اپنی زنگ آلود سائیکلو اسٹائل مشین کو فاصل کرنے میں مگن تھی اور جنس منیر اسلامی نظریات والاکارہ اپنے بغض و عناد کا زنگ بڑھانے میں مصروف۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت، اپنے شباب پر پہنچ کر مائل بہ اختتام تھی۔ ”عدالتی تحقیقات“ کے لیے جنس منیر اور ایم آر کینانی پر مشتمل کمیشن لاہور ہائی کورٹ میں سماعت کر رہا تھا۔ جنس منیر کا رویہ انتہائی جنگ آمیز تھا۔ علاقے تحریک کو کمرہ عدالت میں بلا جا کر بے عزت کرنا، تحریک مقدس کو ”افراد، احمدی، جھگڑا“ اور سرفرد شان ختم نبوت کو ”ہلاوی“ کہنا، صدیوں پرانے فقہی اختلافات کی گرد اڑا کر اسلام کو قادیانیت کے مقابلے میں کمزور مذہب سمیت کرنا اور اجتہاد کے بند دروازوں پر چوٹ کر کے نئی نبوت کا عذر تراشنا اس متعصب جج کا وسیلہ تھا۔

کمال حوصلہ مند لوگ تھے کہ بغض و عناد میں لٹھڑے، بے موقع سوالات بھی خود پیشانی سے برداشت کر رہے تھے، میرا تو حوصلہ جواب دے چکا تھا۔

”مسلمان کی کم سے کم تعریف کرو مجھے....“

"بطور اسلامی مملکت، پاکستان اور بھارت کے بیچ جنگ ہو جائے تو بھارت اور الحرب بین جائے گا، اس صورت میں آپ 4 کروڑ بھارتی مسلمانوں کو کیا مشورہ دیں گے...؟"

"اس جنگ میں قید ہونے والوں سے آپ کیا سلوک کریں گے؟؟ نہیں نظام بنائیں گے یا عالمی قوانین کی پاسداری کریں گے؟"

"کیا آپ بھارت کے چار کروڑ مسلمانوں کے لئے بھی وہی نظام حکومت پسند کریں گے جو پاکستان کے لئے چاہر ہے ہیں؟؟؟"

"اگر بھارت میں ایک حند و مذہبی مملکت قائم ہو جائے تو کیا آپ بھارت کا یہ حق تسلیم کر لیں گے کہ وہ مسلمانوں کو پیچھے بنا کر رکھ دے؟"

"آپ جماعت احمدیہ کو مرتد اور واجب القتل کہتے ہیں، اگر پاکستان میں آپ کی حکومت آجائے تو کیا لاکھوں احمدیوں کو قتل کروا دینگے؟"

آپ کے ایک فتویٰ کی رو سے اثنا عشری شیعہ بھی کافر و مرتد ہیں، ان کے ہارے میں آپ کا فیصلہ کیا ہو گا؟؟؟"

"بریلوی مسلک کے کچھ فتاویٰ جات نیروشنی میں دیوبند اور احمدیت بھی کافر ہیں، اگر کوئی بریلوی اپنا عقیدہ بدل کر دیوبند یا احمدیت ہو جائے تو کیا آپ اسے مرتد قرار دے کر قتل کر دلائیں گے؟؟؟"

"ارشد ہوئے سزائے موت" "ازدہنی افکار" "پر قد فن تو نہیں؟؟؟ جبکہ قرآن "لکم ینکم" "ہور" "لا اکرافی الدین" کا درس دیتا ہے؟؟؟"

"آپ کانگریس سے اہستہ رہے، کیا اس نے آپ سے حند وستان میں اسلامی خلافت کے قیام کا وعدہ کیا تھا؟؟؟"

"آپ نے قائم اعظم کو کالرا عظیم کیا، ابھی تک اس فتویٰ کا تم میں یہ جوش فرمایا؟؟؟"

"اگر پاکستان میں خلافت قائم ہو جائے تو کیا پاکستان کا خلیفہ تمام عالم اسلام کا خلیفہ ہو گا؟؟؟"

"پاکستان میں رہنے والی تھیں آپ کے نزدیک معاہدہ تہ یادی؟؟؟"

"اناموی کے پروفیسر زبانی شخص پر جو تجربات کرتے ہیں، آپ اسے خلاف شرع کہتے ہیں، کیا آپ کی شریعت دور جدید کے چیلنجز کا مقابلہ نہیں کر سکتی؟؟؟"

"پاکستان میں اسلامی خلافت قائم ہوگی تو آپ رقص و موسیقی، سنگ تراشی، علم، ذرا آمد، لوکار می اور تصویر کشی کے ہارے میں کیا فیصلہ کریں گے؟؟؟"

تحقیقاتی کمیشن، جس کا مقصد مارشل لاہ کی وجوہات جاننا، فسادات لاہور کی تحقیقات کرنا اور سول انتظامیہ کی نااہلی کا سبب ڈھونڈنا تھا، سارا دن لائٹل فکٹی مسائل کی پولیاں کھول کھول کر غلام کو بھان کئے رکھتا۔ غلام چونکہ باری باری بلائے جاتے سو بیانات میں کوئی نہ کوئی فرق

نگل ہی آئی۔ پھر اس تفاوت کو نہیں کار تک دیکر اسلام کو ایک مردود مذہب سمیت کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی۔

ایک روز قائد تحریک تحفظ ختم نبوت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مداح کی عدالت میں پیشی تھی۔ ہائی کورٹ میں خوب رش تھا۔

عدالت کے دروازے پر ہزاروں فدائین ختم نبوت اور شیخ مامون رسالت مہدیانہ کے پے دانے جمع تھے۔

پولیس کی بس عاشقان ختم نبوت کو لیکر پہنچی تو ہر طرف نعروں کا شور مچ گیا۔

نعرہ: تکبیر... اللہ اکبر !!!

تاج و تخت ختم نبوت.... زندہ باد !!!

مرزاہیت.... مردہ باد !!!

امیر شریعت عدالت کے دروازے پر کھڑے ہوئے، ہتھکڑیاں نڈھال میں لے لی اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

جمع سے احرام کے سرخ پاشوں نے صدا لگائی:

"کیا حکم ہے؟" اولیاء انہوں نے کہ "خوں ۴۴"

امیر شریعت روح نے ہاتھ سے خاموشی کا اشارہ فرمایا تو جمع ساکت و جامہ ہو گیا۔

اس دوران عدالتی ہر کارے نے آواز لگائی:

سرکار بنام سید عطاء اللہ شاہ بخاری ولد حافظہ سید ضیاء الدین بخاری... روہر و تحقیقاتی کمیشن حاضر ہوں " !!! ...

امیر شریعت، پورے قلمدانہ جہاد و جلال کے ساتھ چلتے ہوئے کمرہ عدالت میں داخل ہوئے تو کورٹ روم میں بیٹھے کارکنان اور اخباری

لما کندوں میں بکھنبھناہٹ شروع ہوئی۔

"آرڈر... آرڈر... آرڈر... آرڈر" !!! ...

دجل و طریب کی مٹی سے گندھا جنس منیر غائمی الٹ پلٹ کر اپنے ترکش سیدھے کرنے لگا... ایک طرف منصف کی بغض و حسد سے

بھری مشگر گردن، تعصب سے بھیجے ہوئے اور، نجات میں ذوقی سرخ آنکھیں اور دوسری طرف دوسرے رویش جس نے اپنی ہاتھوں

حیات کی 37 بہاریں قتل و قادیانیت کے تعاقب میں گزردی تھیں۔

"ہندوستان میں اس وقت کتنے مسلمان ہیں...؟؟" جنس منیر نے پہلا تیر پوچھا۔

"سوال غیر متعلق ہے... مجھ سے پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں پوچھئے " !!!

"ہندوستان اور پاکستان میں جنگ پھڑ جائے تو ہندوستانی مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟؟؟"

”ہندوستان میں علماء موجود ہیں، دو بتائیں گے“ !!!

”ہم آپ سے پوچھ رہے ہیں.... آپ بتائیں؟؟“

”آپ مجھ سے پاکستان کے ہر سے میں پوچھیں..... یہاں کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے“ !!!

”اچھا یہ بتائیے کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟؟“ جسٹس منیر نے اہلدار اکتی بتا پھیرا۔

”دیکھئے.... اسلام میں داخل ہونے اور مسلمان کہلانے کے لیے صرف کلمہ شہادت کا اقرار و اعلان ہی کافی ہے.... لیکن اسلام سے خارج ہونے کے ہزاروں شکاف ہیں....

ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا تو.... کافر !!!

خالق باری تعالیٰ کی صفات عالیہ میں سے کسی ایک کو بھی حقوق میں مانتا تو مشرک !!!

قرآن کریم کی کسی ایک آیت یا جملہ کا انکار کیا تو کافر !!!

نبی کریم ﷺ کے منصبِ شتم نبوت کے بعد کسی انسان کو کسی بھی حیثیت میں نبی مانتا تو مرتد !!!

جسٹس منیر کچھ دیر کان کھایا، پھر سامنے کھڑے قادیانی وکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

”ان کے ہر سے میں کیا خیال ہے؟؟“

امیر شریعتؒ نے ایک نظر وکیل پر ادا لی اور کہا:

”خیال نہیں عقیدہ ہے.... وہی عقیدہ جو ان کے بڑوں کے ہر سے میں ہے“ !!! ...

اس دوران مرزائی وکیل بھی کاغذات سینے سے نکالتے ہوئے قریب ہوا:

”نبی کی تعریف کر دیجئے....؟؟؟“

”میرے نزدیک اسے کم از کم ایک شریف آدمی ہونا چاہیے“ !!!

اس مختصر اور جامع ”چٹاٹ“ پر کورٹ روم میں کھٹکھٹا ہٹ بلند ہوئی، قادیانی وکیل کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ مزید کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

ٹھک.... ٹھک.... ٹھک.... آؤؤؤ... آؤؤؤ... آؤؤؤ... !!!

”تو آپ.... مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر کہتے ہیں....؟؟؟“ جسٹس منیر جھوٹا کھا کر بولا۔

"میں اسی سوال کا آرزو مند تھا" امیر شریعت نے ہر سکون لہجے میں کہا۔ "میں برس پہلے کی بات ہے.... یہی عدالت تھی آپ کی جگہ مسٹر جسٹس ڈگلس تک پہنچے تھے.... اور مسٹر ایم آر کیانی کی جگہ جسٹس رائے بہادر روم لال۔ یہی سوال مجھ سے کیا گیا تھا.... وہی جواب آج بھی دہرا ہوں.... میں نے ایک بار نہیں.... ہزاروں بار.... ہزاروں بار مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر کہا ہے.... کافر کہتا ہوں.... اور جب تک زندہ ہوں.... کافر کہتا رہوں گا.... یہ میرا ایمان ہے.... عقیدہ ہے اور میں اسی عقیدے پر مرنا چاہتا ہوں.... مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کافر و مرتد ہے.... مسئلہ کذاب اور ایسے ہی دیگر جھوٹوں کو دعویٰ نبوت کے جرم میں قتل کیا گیا تھا...."

"اگر مرزا غلام احمد قادیانی آپ کے سامنے دعویٰ نبوت کرتے تو آپ انہیں قتل کر دیتے....؟؟؟"

"میرے سامنے اب کوئی دعویٰ کر کے دیکھ لے....!!!" امیر شریعت نے غم صوبک کر کہا۔

نعرہ... تحمیر.... اللہ اکبر!!!

کورٹ روم غوروں سے لرزا تھا۔

آواز.... آواز.... آواز.... توہین عدالت....!!

"توہین رسالت....!!!" امیر شریعت نے سیدانِ جلال سے کہا۔

جسٹس منیر حواس باخگی میں جیب سے رومال نکال کر پسینہ پونچھنے لگا۔

ایسی طرح ایک روز نو جوان شیعوں کا عالم مظفر علی قسبی بھی کمیشن کے اڑتے میں پھنس گئے۔

"اگر پاکستان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نظام نافذ ہو جائے تو آپ کیا فیصلہ کریں گے؟؟"

عدالت میں اٹل تشویش اور اہلسنت حضرات کی انجلی خاصی تعداد موجود تھی۔ علامہ غمیںے کا دھڑکا ہوا منہ۔

حضرت امیر شریعت بھی موجود تھے۔ بھاری قدموں سے چلتے ہوئے علامہ کے پاس آئے اور ان کی کمر چھسما کر کہا:

"قسبی بیٹا حوصلہ رکھ.... اسی دن کے لئے تمہیں تیار کیا تھا"!!!

علامہ قسبی کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ غوراً لب کشا ہوئے۔

"سوال دوہرا دیجئے"!!!....

"اگر پاکستان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نظام خلافت قائم ہو جائے تو آپ کیا فیصلہ کریں گے؟؟"

"وہی جو مولانا غلی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا.... 13 سو سال پہلے.... اور پھر؟؟؟"

نعرہ جیدری..... یا علی رض!!!! "کورٹ روم کے دروازے پر ایک ہد پھر لرز اٹھے.....
 ٹھک... ٹھک... ٹھک..... آرڈر... آرڈر... آرڈر..... جش میر چیخ رہا لیکن کس نے سنی تھی!!!

گر میوں کی ایک رات میں توپ کراٹھ بیٹھا

"چاند پوری صاحب.... خدا کے لئے بھوپہ رحم کیجئے"!!!!

"کیا ہو گیا؟ پھر تو نہیں کاٹ رہا؟؟" وہ ہاتھوں پر لگی سیاہی صاف کرتے ہوئے بولے۔

"چھوڑیں اس سائیکو اسٹائل کا چھپا.... کوئی فائدہ نہیں.... کل ہی روز نامہ چنانچہ چھاپ رہا ہے.... صرف دو لفظ لکھنے کی پاداش میں

.... اور مظلوم ہے وہ دو لفظ کیا تھے؟؟.... "ارٹہ بوی۔ سر گر میاں".... مرزا سیت کا نام تک نہیں لکھا انہوں نے.... لیکن کیا ہوا؟؟....

پانچ ہزار جرمانہ اور دو ماہ کے لئے اخبار بند.... جب قلم ہاپہ رنچے ہو تو چھاپ خانے کس کام کے؟؟ وہیں چلیں اپنے نئے پاکستان میں....

کیا رکھا ہے اس اندھیر ٹکری میں...؟؟ وحشت ہوتی ہے مجھے یہاں.... دم گھٹتا ہے میرا!!

"اچھا ہر چلتے ہیں... ایک کپ دو دھبہ پٹی کے ہرے میں کیا خیال ہے؟؟"

"وہ تو ٹھیک ہے.... لیکن"....

"سوسے بھی کھائیں گے"!!!!

"میرا مشورہ نہیں تو یہ فرسودہ چھاپ خانہ کسی کہڑی کو بچا کر مسوسوں کی ریڑھی لگاتے ہیں..... مجھے آلوہا لے آتے ہیں...." میں نے

میز حیاں اترتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"لفظ بات مت کیجئے..."

"لفظ بات؟؟.... کاتب آپ کا قتل میں ہے ہے.... کارنگر تحریک کے بعد سے لاپہ ہے.... سائیکو اسٹائل ہے حال ہے.... اب بس

بھی کریں.... کون ہے سنا ہے آپ کا ایک صفحے کا اخبار؟؟"

"ہیں دو چار مستانے"!!!! ...

ہم باہر سڑک پر آپکے خستے سرات کے 10 بج رہے تھے۔ ہنسی ہنسی ہوا چل رہی تھی۔ سڑک پر خال خال ہی لوگ آ جا رہے تھے۔

"بڑھی آپ نے کمیشن کی رپورٹ....؟؟" میں نے جمل بھن کر کہا۔

"نہیں"!!!!

"اگر وقت ملے تو چھ لپچے..... فرماتے ہیں ایک سیکور پاکستانی امن و امان کا ضامن ہے.... مذہب انسان کا ذاتی مسئلہ ہے.... مجلس احرار ایک شرانگیز جماعت ہے.... غلام "مسلمان" کی تعریف پر ہی متفق نہیں...."

"بھول جاؤ کمیشن کو.... کوئی اور بات کرو" چاند پوری نے کہا۔

"کیسے بھول جاؤں.... کیا ملاقاتوں پر اگر....؟؟ یہ دور رس.... یہ آزمائشیں.... یہ تھکیک.... فائدہ کیا ہوا؟؟؟"

"اس سڑک کو دیکھ رہے ہو؟؟...." چاند پوری ویران سڑک کے سچے چانک کھڑے ہو گئے۔ "بھٹی روز جہاز ڈالنا ہے یہاں.... یہ

جانتے ہوئے بھی کہ جو کچھ اودھ آج اٹھ رہا ہے... کل پھر اسی طرح پڑے ہو گا.... اس کے باوجود دونا نہ نہیں کرتا.... یہی اس کی روزی کا

سامان ہے.... ختم نبوت کی جنگ بھی ایک عہد مسلسل ہے.... ابطال کا پھر اصراف کرنے کے لئے آسمان سے اہل نہیں اتریں گے....

ہمسایہ عامۃ الناس کے اذعان و قلوب کی صفائی کرنی ہے.... سچ کو سامنے لانا ہے.... ورنہ ایک دن سڑک ہی گم ہو جائے گی"....

"میرے اندر آگ لگی ہے.... مجھے "نئے سانو" کی چابی دیں ابھی !!!"

"نئے سانو کی چابی؟؟ کیوں؟؟؟" چاند پوری جیب ٹٹولتے ہوئے بولے۔

"نئے پاکستان سے دو خود کش منگوانے ہیں....!!!!" میں نے ٹانگی بجاتے ہوئے کہا۔

"خود کش؟؟.... دو کیوں؟؟؟"

"کمیشن کو اڑانا ہے.... نہ رہے گا ہنس.... نہ بچے گی ہانسی !!!"

واہ.... یہی سیکھا آپ نے ابھی تک؟؟؟ کہ مرزاویت کا یہ دعویٰ سچ ثابت ہو جائے کہ مسلمان خوبی ہے.... مولوی تشدد کا درس دیتا ہے

..... جہاد ایک فساد ہے.... کیا پھر پاکستان مل کر رہو گئی ہستی کو حیا میٹ نہیں کر سکتا تھا؟؟؟ آئین مسلمانوں پر خون ناحق کے چھینٹنے ڈالنے

سے بہتر ہے اس کمیشن اور مرزاویت کو جتنی شکاہ غمناکوں نے دی جائے...."

ہم موتی بازار رو لپ گشت کر رہے تھے۔ موسم بھی شباب پر تھا اور چاند پوری بھی۔ ہم نے بازار سے کچھ پان بوائے اور باتیں کرتے کرتے

آبادی سے کافی دور نکل گئے۔ سڑک کے دونوں اطراف بلند دھارا بن گئے جن پر ہندوؤں نے شور و غل مچا رکھا تھا۔ چاند پوری کو چانک

جانے کیا سوچھی کہ سڑک سے ہٹ کر اٹھا کر جھنڈ میں مارنے لگے۔ جہاز یوں سے کچھ آلو شور کرتے ہوئے اڑے اور نامعلوم سمت پر واز کر

گئے۔ قلعہ میں مہیب خاموشی چھا گئی۔

"جب بھی کسی سیکور جہازی میں پتھر مارو گے.... دو چار مرزائی ضرور ڈھریں گے.... اس لئے کہ انہوں نے ہرج سے سبق سیکھا ہے....

اور ہم.... ہم آج بھی قادیانیت کو محض ایک مذہبی مسئلہ سمجھ کر مولوی کے متھے مار رہے ہیں.... یوں ریاست اس سے کنارہ کش ہو جاتی

ہے.... پھر جب پبلک بے چین ہو کر ریاست کے خلاف اٹھتی ہے.... تو ریاست اسے فرقہ وارانہ فسادات کا رنگ دینے لگتی ہے.... پھر

ہر دانشور جسٹس منیر بن کر ہمارے کپڑے پہانے لگتا ہے.... ایک سیکرٹریاست کے فوائد کٹوانے لگتا ہے.... مولوی کو مطعون کر کے اسلام کو ایک مردود مذہب ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے.... کاش ہم اس فتنے کی جڑ پکڑیں.... لیکن ہم.... اول تو جہنم پہنچتے نہیں.... اور اگر غلطی سے پہنچیں تو جہنم بھول جاتے ہیں....

"کیا ہے تاریخ....؟؟ مناظرے، مباہلے، جلسے، ہنگامے؟؟" میں نے کہا۔

"نہیں.... یہ صرف ملی محاذ کی تاریخ ہے.... اس فتنے کے سماجی، معاشی، عمرانی اور سیاسی نقصانات کا ادراک رکھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے.... ورنہ مذہب اور ریاست اسی طرح ٹکراتے رہیں گے.... یہ کہانی آج کی نہیں.... صدیوں پہلی ہے.... 1857ء ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کا سال و قات تھا.... یہ حادثہ ایک دم پیش نہیں آیا.... اس کے چھ برسوں کی فريب کاریاں تھیں.... اور مغرب عالمگیر کے بعد ہی مقلید سلطنت کو کھن گلتا شروع ہو گیا تھا.... مقل اقتدار کی قمارت زمین بوس ہوتی چلی گئی.... اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ستون مضبوط.... مسلمان راکھ کر ڈھیر تو بن گئے مگر اس راکھ میں ابھی بہت سی چنگاریاں باقی تھیں.... سرتاج الدولہ.... حیدر علی.... نیپو سلطان.... سید احمد شہید.... تاجو میر شہید.... شاہ اسماعیل شہید.... جنگ آزادی 1857ء.... پورے دور پہ جہادی تحریکوں نے انگریز کو بے چین رکھا.... اسے کامل یقین ہو گیا کہ جہاد کو مسلمان کی فطرت سے الگ نہیں کیا جاسکتا.... اور غازیوں کے ہوتے ہوئے.... ہندوستان میں پرامن حکومت کا خواب دیکھنا ممکن ہے.... اس حربے کو فتنہ کرنے کے لئے اس نے ہر ممکن طریقہ آزمایا.... ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت پیدا کی.... ہم خیال مولویوں کی فصل کاشت کی.... ہندوستان کو دارالسلام قرار دینے کے لئے مکہ مدینہ سے لوٹے منگوائے.... اہل قلم کی ایک کھیپ تیار کر کے قرآن کی تفسیروں کا مزان بدلا.... محاضریں کے لئے جہادی، فسادی، دہلی اور باغی جیسے القابات تراشے.... اسلام اور بغیر اسلام متضاد بنانے کے خلاف رکیک حملوں کا محاذ کھولا.... مسلمانوں کی وحدت توڑنے کے لئے نئے نئے فرقے ایجاد کئے.... ان نوزائیدہ فرقوں نے کفر کے نئے وقائع کھولے.... نور و بشر، حاضر ناظر، علم غیب، عالم الموتی.... مسجد میں مناظروں کا گڑھ بن گئیں.... اور تصوف کی پرچارک خانقاہیں فوجی بھرتی کے مراکز.... اس سب کے باوجود.... کہیں نہ کہیں.... کسی نہ کسی شکل میں.... جہاد کا لاؤ ر وشن رہا.... جنگ امیلا.... پٹنہ سازش کیس.... راج محل سازش کیس.... مالود سازش کیس.... !!!....

"لیکن.... اس کا قادیانیت سے کیا تعلق ہے؟؟" میں نے پوچھا کر کہا۔

"تعلق ہے.... بہت گہرا تعلق ہے.... 1869ء میں فرنگی شاطروں کا ایک فیصلہ کن وفد ہندوستان آیا.... جس میں برٹش پارلیمنٹ کے ممبران، ممتاز اخبارات کے مدیران اور جارج آف انگلینڈ کے نمائندگان شامل تھے.... وفد کا مقصد مسلمانوں سے جہادی مزاحمت چھڑانے کے نئے طریقوں پر غور کرنا تھا.... اس وفد نے واپس جا کر اپنی رپورٹ میں بہت سی تجاویز پیش کیں.... ان میں یہ بھی لکھا کہ

ہندوستانی مسلمان اسپتار و خانی ہوشیاریوں کے پیچھے بکری کی طرح پھلتے ہیں.... اگر اس وقت ہمیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو "Apostolic Prophet" ہونے کا دعویٰ کرے.... اور شریعت محمدی میں واقعی فتویٰ ہماری مرضی کی ترمیم کر سکے.... تو برطانیہ کے سیاسی مفادات کا تحفظ ممکن ہے" !!!....

"اٹلانک پرنٹ ۹۹" میں نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں.... حواری نئی.... جو ایک کاذب نبی سے بھی خطرناک ہوتا ہے.... کیونکہ وہ حاصل شریعت پر نقلی بیعت لگاتا ہے.... یہ ایک ناقابل عمل منصوبہ تھا.... ہندوستان کے کسی مولوی، کسی سپاہی، کسی فقیر، قنبر، ملک، درویش سے بھی "دعویٰ نبوت" کی توقع ہرگز نہ تھی.... لیکن اس کے باوجود برطانوی "تیلیجنس ایک" "سوٹ ہیل" آدمی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی.... جسے "حواری نبوت" کا طوق پہنا کر ایک "لائسنس" کشید کی جائے !!!....

اپنی کشتریا لکھوت کی پکھری میں ایک مٹی صاحب کام کرتے تھے....

میلرک لیل تھے مگر زبان ایمان کے وحشی.... جہاں بیٹھتے جمع کالیتے.... لوگ ان کی باتوں پر سرو منٹے اور تہجر ملی کی دہل دیتے....

سو پست سے پیشہ، آبا، فرنگ کی چاکری تھا.... سیالکھوت کا ایک پوری مسٹر بنگلہ میں بھی ان کا شیدائی تھا۔ وہ گھنٹوں ان کے پاس بیٹھا، وقتی علمی موضوعات کی حس لیتا، اور دلو و حسین کے ڈانچے برسا کر نصحت بوتا۔

اتفاق سے برطانوی "تیلیجنس" کے شعبہ ہائے ہند نے کشتریا لکھوت کو ہی "پروویکٹ اٹلانک پرنٹ ۹۹" کا ناسک دے دیا.... کشتریا نے یہ کام مسٹر بنگلہ کے متھے مارا.... پوری نے کہا حضور بندہ تو گھر میں بیٹھا ہے.... مٹی صاحب آخر کب کام آئیں گے.... لیکن کشتریا بعد تھا کہ کم از کم چار آدمیوں کا انٹرویو کر کے ایک "سینس" کر نکل اور ریڈیکو لیس بندہ ہونے کو معاملہ بہت اہم ہے۔

پوری کچھ دن سیالکھوت کی سڑکوں پر جوتیاں چٹکا رہا، اور پورے قسم کے مذہبی دانشور پکڑ پکڑ کے لاپرواہا لڑکھا، انتخاب مٹی پر ہی آکر غصہ ہوا.... سالانہ چھٹیاں سر پر تھیں.... طوطے کی بلا، سر سے جھانڈا ضروری تھا.... وطن واپس جانے سے پہلے پوری نے مٹی سے تھلیہ میں طویل ملاقات کی اور کہا:

"اگر میرا ایمان غلط نہیں تو چین کر لو کہ خداوند نے ہمیں یہ نصیب ہندوستانی قوم کا بغیر بیٹے کا فیصلہ کیا ہے.... یہ فیصلہ آسانی ہے.... چوں ہر اس کی گنجائش نہیں.... اس دور پر آشوب میں نبوت یکبارگی تو ملنے سے رہی.... میرے کا زمانہ ہے.... درجہ بدرجہ

میز حیاں چڑھتا ہو گی.... پہلے مجھ ذہن کو اپنا ستر بچاؤ.... پھر شیل مسکین کو پادریوں اور آریا سان سے نکراؤ.... پھر خنزیر کو قتل کر کے مسکین کو بخلاؤ.... پھر مہدونت کا زینہ چڑھ کر ایک امت بناؤ.... اس سے آگے خطبری کا سن ہے.... جو تم نے اپنے رسک پر پہننا ہے.... دلائل اور معجزات بھی خود تراشتے ہیں.... اور مولیوں سے مقابلہ بھی خود کرنا ہے.... ترقی کا انحصار کار کردگی پر ہے"....

"دوسب تو ٹھیک ہے.... مگر خنزیر کیسے قتل ہو گا؟؟" وقفہ سوالات میں مثنیٰ نے پوچھا۔

"اس کی فکر مت کرو.... میرے جیسے کی پھرتے ہیں.... کسی مشہور عیسائی پادری سے میلہ رچاؤ.... بارو یا جیتو.... اپنی کامیابی کا دکھانا.... پھر اس کی موت کی پیشین گوئی فرماؤ"....

"اور اگر وہ وقت معین تک نہ مرا تو؟؟"

"نکال دیتا.... کیس ہم غم کروادیں گے" !!!

اس کے بعد پادری نے ڈپٹی کمشنر کو مثنیٰ کی سی۔ وی جمع کرائی اور واپس انگلیٹھ چلا گیا !!!

ہندوستانی قوم کی ہر قسمی ہے کہ نگری اور تہے میں فرق کر لیتی ہے.... لیکن مذہب کے نام پر اکثر دھوکا کھاتی ہے.... وجہ اس کی عقیدت کا بظاہر اور شخصیت پرستی کا خمار ہے.... ہندوستان میں ان دنوں جگہ جگہ ملانے دین اور عیسائی مبلغین دست بہ دست تھے.... اچھا مناظر قوم کا ہیر و سمجھا جاتا تھا.... چنانچہ مثنیٰ صاحب بھی کبھی کبھی کرتے اکھاڑے میں آن اترے اور آتے ہی چھاگئے.... کہیں دکیل سے کام چلایا، کہیں غصم کو ذلیل کر کے بھگایا.... لفظوں کے دھڑی تھے، اور جملیات کے گرو.... 10 سال کی محنت شاق کے بعد بالآخر 1870ء میں ایک روایت شکن مصلح، بہترین مناظر اور جو ش نہ ہی لیڈرین کر سامنے آئے !!!

دال قلمی دیکھ کر 1880ء میں صاحب کشف والہام ہونے کا دعویٰ کر دیا.... 1882ء میں مجھ کے عہدے پر فائز ہوئے....

1888ء میں بیعت لینے بیٹھے اور 1891ء میں شیل مسکین کا چھ نہ پین کر اٹھ کھڑے ہوئے !!!

پادریوں کے ساتھ مناظروں میں آپ عیسائیت کو غلطی سے غلطی کا لیاں دیتے رہے.... حضرت عیسیٰ ع اور بی بی مریم کی اہانت کرتے رہے.... لیکن باوجود شکایات عیسائی حکومت نس سے مس نہ ہوئی کہ وسیع تر قومی مفاد کا سوال تھا.... البتہ جواب آن غزل پادریوں نے بھی حضور اکرم ﷺ کی توہین کو وطیرہ بنالیا.... اسی طرح آریا سان جیسی ترقی پسند ہندو تحریک جب مرزا صاحب کے ہاتھوں ذلیل ہوئی تو انہوں نے بھی قرآن، اسلام اور مرد کائنات ﷺ پر سب و شتم شروع کر دیا.... حبیب مسلمان اور ہندو جو کبھی استعمار کے خلاف ایک تھے.... آپس میں قہقم گھٹا ہو کر رہ گئے.... اور انگریز قدرتے اطمینان سے حکومت کرنے لگا !!!

1893ء میں مشہور عیسائی مبلغ ڈپٹی عبد اللہ آقہم کے ساتھ 15 روزہ مناظرہ میں آپ نے شکست کھائی.... اسلام کے نام پر بد نماز و جتہ لگوا کر.... اور اپنی ناک کٹوا کر واپس آئے تو سال کے اندر اندر آقہم کی موت کی پیشین گوئی فرمائی۔

عبداللہ آقہم نے امرتسر میں نامعلوم افراد نے گولی چلائی تو اس نے فیروز پور بھاگ کر جان بچائی.... وہاں چار حملے ہوئے.... دو ہار کسی نے گولی چلائی.... ایک بار کمرے میں کسی نے کوہر اسانپ چھوڑا.... لیکن بد بخت کو پھر بھی موت نہ آئی.... جیسے جیسے کر کے پشین گوئی کا سال تمام ہوا تو عیسائیوں نے "فتح مقدس" منائی.... آقہم نے امرتسر آکر مرزا صاحب پر اور وہ قتل کی دھت درج کرائی.... لیکن انگریز کمشنر نے حساس لوگوں کے دباؤ پر مرزا صاحب کو چھوڑ دیا اور ملتا آقہم کو ذانت پلائی کہ وصیت آدمی.... تجھے موت کیوں نہ آئی....؟؟؟

یوں خنزیر کے ساتھ دودھ ہاتھ کرنے کے بعد مرزا صاحب نے "مسک موعود" ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ عوام سے لاکھوں کا چندہ ہنوا.... راج گیر بلائے اور قادیان میں جہاد المسیح تعمیر کرایا.... پھر اس پر چڑھ کر غدار بھایا کہ آج سے زمینی جہاد منسوخ ہو چکا.... دین کے لئے لڑنا حرام قرار دے دیا گیا.... اور آج کے بعد جو دین کے لئے لڑ کر مارا جائے گا.... خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہو گا۔ مرزا ایت کی تحن خستہ انیاں قادیان کے پھاپ خانوں سے نکل کر اردو، ہندی، عربی، قادی اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر ہر اس ملک میں پہنچنے لگیں جہاں برطانوی راج تھا.... یازد عرب، یازد شام، ترکی، مصر اور افغانستان سے لیکر مکہ اور مدینہ کی گلیوں تک "تنہا جہاد" کے فتوے پلنے لگے !!!....

جہاد اور مناظروں کے محل پر آنے علماء و محدث ہوئے تو مرزا استعمار کے گھوڑے کو چابک مار چکا تھا۔ مقابلے میں اٹھنے والے ہر مولوی کی انگریز بہادر کو شکایت لگانا اور "وہابی" کہہ کر اندر کر دینا اس کے ہاں ہاتھ کا کھیل تھا.... اس زمانے میں وہابی اور ہافی مترادف الفاظ سمجھے جاتے تھے....

مولانا محمد حسین بنالوی سنی المسک تھے اور وزیر مسین مہنت، علوی کے شاگرد.... بحیثیت مناظرہ مرزا صاحب کے بڑے قدر دانوں میں سے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی قادیانی لگائی تو سب سے پہلے انہوں نے ہی شرم و لائی۔ مرزا صاحب نے مولانا کے عزائم دیکھ کر حسب روایت "وہابی وہابی" کا شور مچایا.... مولانا نے رفتہ رفتہ سے مشورہ کر کے انگریز کمشنر کے پاس "منسوقی جہاد" کا فتویٰ جمع کرایا.... اپنی جماعت کو "المحدیث" کے نام سے رجسٹر کروایا اور اپنے رفتہ رفتہ سمیت مرزا کے مقابل آن کھڑے ہوئے کہ یہی بہترین جہاد تھا.... یوں رفتہ رفتہ مرزا صاحب کے گرد و رتی بڑھتی گئی.... جہاد کی چوکیاں خالی ہوتی گئیں اور انگریز مزید اطمینان سے حکومت کرنے لگا.... !!!

رات نصف سے زیادہ چل چکی تھی۔۔۔

ہم پیدل چلتے چلتے ہم برکت علی اسلام ہال پہنچ گئے۔

ہال خالی تھا اور گیسٹ ہاؤس ایک چوکیدار بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

”رحمت علی گیسٹ کھولنے گا۔۔۔ ہم کچھ دیر اندر بیٹھنا چاہیں گے۔“

رحمت نے ہال کا مرکزی دروازہ کھول دیا۔ ہم براہ سے میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

”ہاں تو کیا بات چل رہی تھی۔۔۔۔۔؟“ چاند چری نے پوچھتے ہی پوچھا۔

”شاید۔۔۔۔۔“ مخلصین انگریز کا ذکر ہو رہا تھا۔۔۔۔۔“ میں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔ انگریز پنجاب کی طرف سے بالکل ”مخلصین“ تھا۔۔۔۔۔ پنجاب میں دنوں علماء سے کہیں زیادہ وہی دس فقیر اس کا صوبہ تھا۔۔۔۔۔ اہل

پنجاب تعلیمات کے مقابلے میں کرامات کے شیدا بن گئے۔۔۔۔۔ چنانچہ مرزا صاحب نے یہاں بھی اپنا جال بچھایا۔۔۔۔۔ 1894ء اس نے خواجہ

غلام فرید (رن) سے بزرگ و خط و کتابت تعلق بنایا۔۔۔۔۔ اپنی عقیدت مندی اور اسلام کی خیر خواہی کا احوال رکھا۔۔۔۔۔ درویش صفت

صوفی شاعر نے جو اچیر کا سندیسہ بھجوا دیا۔۔۔۔۔ تو مرزا نے ان خطوط کو اشتہار بازی کا ذریعہ بنایا۔۔۔۔۔ اور جی پستوں کو بھی اپنا گریوہ بنایا۔۔۔۔۔

!!!

علماء کا ایک وفد مولانا بٹالوی کی قیادت میں خواجہ صاحب سے ملنے چاچڑاں شریف آیا۔۔۔۔۔ جی فرید کو سب احوال سنایا۔۔۔۔۔ لیکن خواجہ

صاحب نے اپنی نرم خوئی اور صوفیانہ مزاج کے باعث اتنی غفلت میں کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔۔۔۔۔ سو وفد نام کام واپس آیا۔۔۔۔۔ بعد میں جب خواجہ

صاحب کے پاس مرزا کی کتب پہنچیں تو انہوں نے بھی مرزا سے بیزارگی کا اظہار فرمایا۔۔۔۔۔ انہی دنوں پیغام اجل آیا اور جی صاحب نے

جہان فانی سے کوچ فرمایا۔۔۔۔۔ !!!

علمائے حند نے باہمی اتفاق کی تصویریں کر حضرت جی سید مہر علی شاہ جیلانی کا دروازہ کھٹکایا۔۔۔۔۔ مرزا کے دعویٰ مسیحیت کا ثبوت دکھلایا۔۔۔۔۔

تو جی صاحب نے فتنہ و قادیانیت کی سرکوبی کے لئے بددعا اور رہنمائی کا مدد فرمایا۔۔۔۔۔ !!!

مرزا صاحب لکڑی کے جس گھوڑے پر سوار تھے وہ ان کا نظریہ حیات مسیح تھا۔۔۔۔۔ پہلے یتارہ مسیح بنوایا۔۔۔۔۔ پھر قادیان کو دمشق بتلایا

اور آخر کار لدھیانہ بھی ”لد“ قرار پایا۔۔۔۔۔ !!!

جی مہر علی شاہ صاحب نے 1899ء میں ”شمس الہدایہ“ تصنیف فرمائی۔۔۔۔۔ حیات مسیح اور نزول عیسیٰ کے موضوع پر دلائل و براہین

کی شمع جلائی۔۔۔۔۔ اور مرزا غلام احمد کے دعویٰ باطل کو خوب حوال چٹائی۔۔۔۔۔ مرزا صاحب ”شمس الہدایہ“ کا کیا جواب دیتے۔۔۔۔۔ فوراً

مجلس اعلیٰ بھائی.... حکیم نور الدین کے مشورے سے بارہ سوالوں کی ایک گچھڑی پکائی.... اور جی صاحب کو بڑی حد تک بخجائی....
!!!

جی صاحب نے بارہ سوالوں کا جواب بصورتِ اشتہار شائع کر دیا.... مرزا کے کذب و افتراء پر براہِ مہر کی کلباز اچھلایا.... مرزا ٹپٹپٹا اور بیس
مریتوں کے دستخط سے مقابلہ، تفسیر نویسی کا پیغام بھجوایا.... جی صاحب نے جواب میں جس علماء کے دستخط سے مباحثے کا جلیبیج بھجوایا
.... پنجاب، سرحد اور دوسرے صوبوں سے علماء و مشائخ کو بلوایا.... اور 25 اگست 1900ء بمقام شاہی مسجد لاہور، مباحثے کا دن قرار
پایا!!!

24 اگست 1900ء حضرت قبلہ جی صاحب نے لاہور میں قدم رنج فرمایا تو.... اسی ہال میں ایرو لگایا "!!!!"
"برکت علی اسلامیہ ہال ۴۲"

"جی بالکل.... برکت علی اسلامیہ ہال.... علماء و مشائخ نے آپ کا ہر نئی استقبال فرمایا.... رات گئے تک عقیدت مندوں نے حلقہ جمایا
.... اگلے روز آفتابِ چشت علماء و مشائخ کے جلو میں شامی مسجد تشریف لایا.... اس ہر نئی مباحثے کو دیکھنے کے لیے حوام کا سمندر امداد آیا
.... جماعت احمدیہ کے نمائندوں نے بھی رٹن چھپایا.... اور حکومت نے مرزا صاحب کی حفاظت کے لئے لاہور پولیس کا ایک دستہ بھی
بھجوایا!!!....

25 اور 26 اگست کو دونوں اطراف سے مذہبی نمائندوں اور حوام نے سردیوں مرزا کا انتظار فرمایا.... لیکن مرزا صاحب کو جو وفد لینے
کیا تھا.... ناکام واپس آیا.... مرزا نے "جان کا خطرہ" ظاہر کر کے قادیان میں ہی آرام فرمایا.... وفد کو واپس آتے ہی جی صاحب نے کلمہ
پڑھایا.... اور دائرہ اسلام میں داخل فرمایا "!!!....

"واہ.... یہ تو بڑے مزے کی بات ہے!!!" میں نے کہا۔

"اس سے بھی مزے کی بات سنو.... اگلے صبح جب مسلمان بیہوش ہوئے.... تو پورے لاہور میں مرزا کی کامیابی کے اشتہار لگے تھے
!!!"

"واللہ ۴۴۴ کیسے ۴۴۴"

"شاطر میڈیا.... جو سیاہ کو سفید کرنے پر قادر ہے.... مسلمانوں نے بیٹھ میڈیا سے عیہار کھائی ہے.... اسی لئے تو میں اس نیک بحث
سائیکلو اسٹائل پر ہاتھ کالے کر رہا ہوں.... جن دونوں علماء چھاپ خانہ کو حرام سمجھتے تھے.... مرزا کے پاس نصف درجن سائیکلو اسٹائل
مشینیں تھیں "!!!....

"پھر کیا ہوا؟ کیا لاہور واسے پھر مرتد ہو گئے؟"

"نہیں نہیں.... جی مہر علی شاہ صاحب ابھی لاہور میں ہی موجود تھے.... اگلے روز شاہی مسجد میں مسلمانوں کا عظیم الشان جلسہ منعقد کرایا.... دیوبند، بریلوی، اہل حدیث، اہل قرآن اور شیعہ مجتہدین نے اتحاد و یکائیت کا مظاہرہ فرمایا.... اس جلسے میں علمائے کرام نے ولولہ انگیز تقاریر کر کے دعوتِ مناظرہ کا مکمل احوال سنایا.... عوام کو شاطر میزیہ کا اصل چرہ دکھایا.... یوں لاہور مناظرے نے، مرزاہیت کے تابوت میں شونک شونک کے پیلا کیل لگایا.... اس دن بے شمار قادیانیوں نے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں دوبارہ قدم رنجہ فرمایا" !!!

پھر روز بعد مرزا صاحب نے دوبارہ پلٹا دکھایا.... مرزائیوں کا ایک وفد جی صاحب کے پاس مباہلے کا سندیہ لایا.... ایک اندھے اور ایک لنگڑے کو سحر دست کرنے کا چیلنج دیا.... جی صاحب نے جواباً لکھ بھجوا دیا.... اگر مردے بھی زندہ کرانے ہیں تو آ جاؤ.... یہ سن کر وفد قادیان گیا اور آج تک واپس نہ آیا" !!!

مرزا کو مہلہ میں لپٹی کامیابی صفر نظر آئی.... اس نے پیٹر اہل کر جی صاحب کو اپنی کتاب "امجاز السبح" بطور "مجزوہ" بھجوائی تو جی مہر علی شاہ صاحب نے "سیفِ چشتیائی" لکھ کر مرزا کی پھر پیٹھ لگائی !!!

1901ء میں مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت فرمایا.... مولانا محمد حسین بنالوی نے ہر صغیر کے دو وجہہ علمائے کرام کے دخل سے مرزا کے کفر پر پہلا فتویٰ شائع کرایا.... 1907ء میں مولانا شاہ اللہ امر تسری نے آخری بار قادیان جا کر مرزا کو مباہلے کے لیے بلایا.... لیکن مرزا اس بار بھی سامنے نہ آیا.... مولانا امر تسری نے فاتح قادیان کا لقب دیا.... پے در پے مناظروں سے مرزا کھیرا.... تو قادیان سے گالیوں اور مفلطات کا دو سیلاب آیا.... کہ ہر کسی نے کانوں نہ ہاتھ لگایا.... مرزا نے مولانا امر تسری سے تک تک جو کر مہلہ کا اشتہار شائع کرایا.... خدا کے سامنے گڑ لڑایا.... یا اللہ طاعون بھیج پھینچ.... ہم میں سے جو جھوٹا ہو مخالف کی زندگی میں ہی اس کا کر صفایا.... ساتھ ہی مولانا شاہ اللہ امر تسری اور جی مہر علی شاہ صاحب دن کے اسی سال فوت ہونے کا اشتہار لگایا !!!

جی 1908ء میں مرزا چانک لاہور لایا.... نعرہ مند و مسلم احمد کا لگایا.... لیکن اندرون خان قادیانیت کی سوکھتی بخیری کو تازہ دہانی لگایا.... انہی دنوں آسمان سے رب کریم کا فیصلہ بھی آیا !!!

25 جی 1908ء کی رات مرزا کی طبیعت نے اچانک پلٹا دکھایا.... پیٹ میں درد کے ساتھ ساتھ دست اور انگوٹوں نے کھرام مچایا.... ڈاکٹروں نے وہائی پیضہ بتلایا.... انجیکشن پہ انجیکشن لگایا.... مگر آرام نہ آیا.... اگلے روز صبح شیک دس بجے آپ نے برادرِ تھر روز احمد یہ جگہ تک کی ایک لیٹرین میں موت کا آخری جھٹکا کھایا.... یوں بچے رب نے اپنے ناصاف فرمایا !!!

تیسرا کیل ڈاکٹر اقبال نے لگایا !!!

"علامہ اقبال؟؟"

"جی ہاں.... شاعر مشرق ڈاکٹر محمد علامہ اقبال !!!"

اس سے پہلے کہ چاند پوری داستان آگے بڑھاتے مہال کے صحن میں چیل کے بڑے درخت پر الو شور و غل کرنے لگے۔

میں اٹھ کر بہتر تلاش کرنے لگا تو چاند پوری گویا ہوئے:

"چھوڑو ان کو.... جب بھی اقبال کا ذکر ہو گا.... یہ ضرور شور کریں گے.... اس لئے کہ ڈاکٹر اقبال نے ہی ظفر علی خان کے مشن کو آگے

بڑھایا.... مسئلہ قادیانیت پر حضرت انور شاہ کشمیری اور بی میر علی شاہ صاحب سے بڑے دیرینہ خط و کتابت مشورہ فرمایا.... مرزا مقتوب

ہنگ کو انجمن حلیہ اسلام کے اجلاس سے باہر نکلوا یا.... مرزا صاحب اقبال کے دیرینہ دوست تھے.... یہ نشتر برداشت نہ کر سکے....

اسی دن قادیان کا حملہ ہوا اور اگلے ہی روز دنیا سے گوجہ فرمایا !!!

مرزا بشیر الدین محمود کشمیر کیمپ کی صدارت سنبھالنے آئے.... روشن خیال مسلمانوں نے دیکھ دو دلیہ رلو میں بچھائے... لیکن ڈاکٹر

اقبال چٹان بن کر آڑھے آئے.... اور حرمہرونے مرزا غلام احمد کی تعریف میں کچھ الفاظ رقم فرمائے.... تو اقبال نے نہرو کے نام ایک

طویل مہل خط میں قادیانیت کے پرچے اڑائے.... جب جا کر نہرو کے ہوش لگانے آئے !!!

کاش اقبال کچھ دن اور زندہ رہتے اور اپنے خوابوں کا پاکستان دیکھ کر جاتے.... پھر ہم بھی دیکھتے کہ سر ظفر اللہ خان کیسے وزیر خارجہ بنتے ہیں

.... ذریت مرزا کیسے بے کام ہوتی ہے.... خون مسلم سے لاہور کی گلیاں کیسے سرخ ہوتی ہیں.... افسوس کہ اقبال کے ساتھ ہی

مسلمانوں کا اقبال بھی رخصت ہو گیا !!!

چوتھا کیلہ احرار الاسلام نے لگایا !!!

1933ء میں احرار کا چرغ مصطفوی قادیان کے شہر پولیس سے ٹکرایا.... سرخ پوشوں نے دلاکل و برہان کی بھاری منجلیقوں سے قلعہ

قادیان کو تختہ مشق بنایا.... انگریز سٹیشنر ہو اور مرزائی گھبراہٹ.... مذہب کی جنگ کو "احرار احمدی جھنڈا" کہ کر فرق واریت کا رنگ

پڑھایا.... مجلس احرار کو مسلمانوں میں بدنام کر دیا.... تحریک پاکستان میں احرار کی عدم شرکت سے قلعہ ڈال دیا.... پاکستان بننے کے بعد

قادیانیوں نے سر ظفر اللہ کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بنوا دیا.... قادیان جیسے "مقدس" شہر کو چھوڑ کر پاکستان میں ڈیرہ لگایا.... سرکاری

عہدوں پر قبضہ جمایا.... ریو کو فوجی قلعہ بنایا.... ان حالات میں احرار نے ایک بار پھر ختم نبوت کا پرچم اٹھایا.... مختلف مکاتب فکر کو اپنے

ساتھ ملایا.... پھر اس کے بعد جو طوفان آیا.... وہ آپ نے بھی دیکھا.... ہم نے بھی ملاحظہ فرمایا !!!

چاند پوری مرزائی ریشہ دوانیوں کی داستان سنا رہے تھے کہ سائرن کی چنگلاڑ سے فضاء گونج اٹھی.... پولیس گاڑیوں کا ایک قافلہ برکت

علی اسلامیہ ہال کے سامنے آن کھڑا ہوا.... سرچ لائٹس کی چمکا چوند سے آنکھیں چند میاں نے لگیں.... دائر لیس کی کھنٹھ سے ماحول پر شور ہو گیا....

"اچھ کیون... اچھ کیون.... دانگراں پوسٹ اوور !!!

"تین سال سے پولیس کو مطلوب.... شریہند خدیہ اخیاری پر پور ٹرڈ کا تھیرا ڈ کر لیا گیا... اوور !!!

"دانگراں پوسٹ.... گوبیندر سیٹ ہم.... بھاگیں تو کوئی مار دو.... اوور !!!

چاند پوری گرد و پیش سے بے نیاز اپنی تقریر جاری رکھے ہوئے تھے:

"مارشل لاء بھی ختم ہو گیا.... مارشل لاء لگانے والے بھی عبرت کا نشان بن گئے.... انگریز نے جلیا نوالہ باغ میں ہندوستانیوں کے خون

سے ہاتھ رنگ کر پنجاب میں پہلا مارشل لاء لگایا.... ٹھیک 27 سال بعد انگریز نے برصغیر سے بستر گول فرمایا.... 53ء میں مسلم لیگی

حکومت نے ختم نبوت کے پر والوں کو خاک و خون میں تر کیا.... ٹھیک 21 سال بعد حکومت نے قادیانیت کا بیوت اپنے کندھوں پر اٹھا

کر اسے کفر کے قبرستان میں دفن کیا" !!!

پولیس گاڑیوں میں نصب لائفا سٹیکر سے اعلان ہو رہا تھا:

"آپ دونوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے.... اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر عمارت سے باہر آ جاؤ.... ورنہ دیکھتے ہی گولی مار دی

جائے گی"....

چاند پوری کی تقریر جاری تھی.... میں نے احتیاطاً دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے....

"جدوجہد کا بیج اگر خون کے وتر میں بویا جائے تو جلد یا بدیر ضرور پھل لاتا ہے.... لیکن اس کے لئے امیر شریعت جیسی جرات

ابو الحسنات جیسی ہمت.... ماسٹر جانق الدین جیسی جانمردی.... مولانا سمیع جیسی رووہری.... مولانا لاہوری جیسا حوصلہ.... مولانا

ہزاروی جیسا اولولہ.... مفتی شفیع جیسا علم.... ابوالاعلیٰ جیسا قلم.... علامہ غمسی جیسی فراست اور.... مفتی محمود جیسی سیاست بھی ضروری

ہے.... خدا کے لئے اکابرین کی کتابیں تلاش کرو.... انھیں پڑھو.... محض شخصیت پرستی کے استھان مت بننا"....

پولیس ہال کا مرکزی دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے لگی.... جھپٹا رہند سپاہی ہمارا گھیر لیا کرتے تھے.... کھڑل کھڑل بند و قیس کا ک

ہونے لگیں.... بیٹھنے کا اب کوئی رستہ نہ تھا....

اچانک چاند پوری نے میرا ہاتھ پکڑا اور انجی آواز میں ذکر جبر شروع کر دیا....

آکر بکڑا ہے ہو، تے ساٹو واپس ہو

ترپن..... تریٹھ..... تہتر..... تراں

ترانوے..... تین..... تیر..... سول

پھر زور کی ہوا چلی.... سپاہیوں کی ٹوپیاں ہوا میں اڑنے لگیں.... بندوقیں زمین پر گرنے لگیں.... ان کی دریاں چھیتڑے بن کر ادھر
ادھر بکھر گئیں.... اجسام ڈھانچے بن کر ٹکٹکاٹکا ہونے لگے... کھوپڑیاں فٹ ہال کی طرح ادھر ادھر لڑھک گئیں.... پتیل کا بڑا درخت
سوکھ کر دھڑام سے مچن میں گرا.... اور دیکھتے ہی دیکھتے نیست و نابود ہو گیا.... چاند پوری مسلسل درد جاری رکھے ہوئے تھے....

آکر بکڑا ہے ہا

اک جمہوریت، تین مارشل لاء

ایوب، یحییٰ، یحسین، ضیاء

آکر بکڑا تھے واہ

دو جمہوریت، ایک مارشل لاء

لیا، میاں، مشرف بھاء

ہمارے چاروں طرف ایک زلزلہ برپا تھا.... درخت کٹ کٹ کر گر رہے تھے.... اور ان کی جگہ زمین کا سینہ چیر کر دھڑ دھڑ مارتی
اگ رہی تھیں....

بالآخر فضاء میں سکوت چھا گیا.... چاند پوری اب ذکرِ محفل فرما رہے تھے....

"آکر بکڑا کون آیا.... شیر شیر آیا" !!!

تے ساٹو کے ہدیک سوراش سے تریٹھ سال کا سفر کر کے ہم واپس 2016ء میں پہنچ چکے تھے.... بجلی غائب تھی اور برکت علی ہال کی
تھنڈی عمارت گھپ اندھیرے میں کسی بھوت انگے کا مستخرج پیش کر رہی تھی.... ضعیف و زنا چاند پوری کپکپاتی آواز سے مجھے دنگار ہے تھے
!!!

اگلے کچھ روز بہت مصروفیت میں گزرے۔ تقریباً دو ہفتے بعد میں پنجاب لاہور میں بیٹھاپے مسودات کو آخری شکل دے رہا تھا کہ
چاند پوری اپنے نئے موبائل سے کھیلتے ہوئے وارد ہوئے۔

"بھائی.... عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کا فون آرہا ہے.... بار بار.... کیا جواب دوں؟؟"

میرا مونہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"تسے سائو سے اب فون بھی آنے لگے؟؟"

"کتنی بار سمجھا چکا ہوں.... تسے سائو غیر وکچہ نہیں ہوتا.... نکلو اس وہم سے.... ارے میاں.... امیر شریعت کے پوتے عطاء اللہ شاو

ہارٹ بخاری.... ملتان سے پوچھ رہے ہیں ناول کا سود کب تک تیار ہو جائے گا "....

میں نے ایک زور کا قبضہ لگایا اور کہا:

"بس ایک ہفتہ اور.... انہیں عرض کر دیں کہ.... شورش عینی کو تھوڑا وقت دیں " !!! ...

اس تاریخی ناول کے ماحذ:

تحریک ختم نبوت 1953 - مولانا فاضل دسایا

تحریک ختم نبوت - شورش کا خمیری

تحریک ختم نبوت کی یادیں - مولانا طاہر عہد الرزاق

جسٹس منیر کمیشن رپورٹ برائے فسادات لاہور 1953

تحریک ختم نبوت کی لمحہ بہ لمحہ داستان سید علیل احمد بخاری

قاریائی مسئلہ ابولا علی مودودی